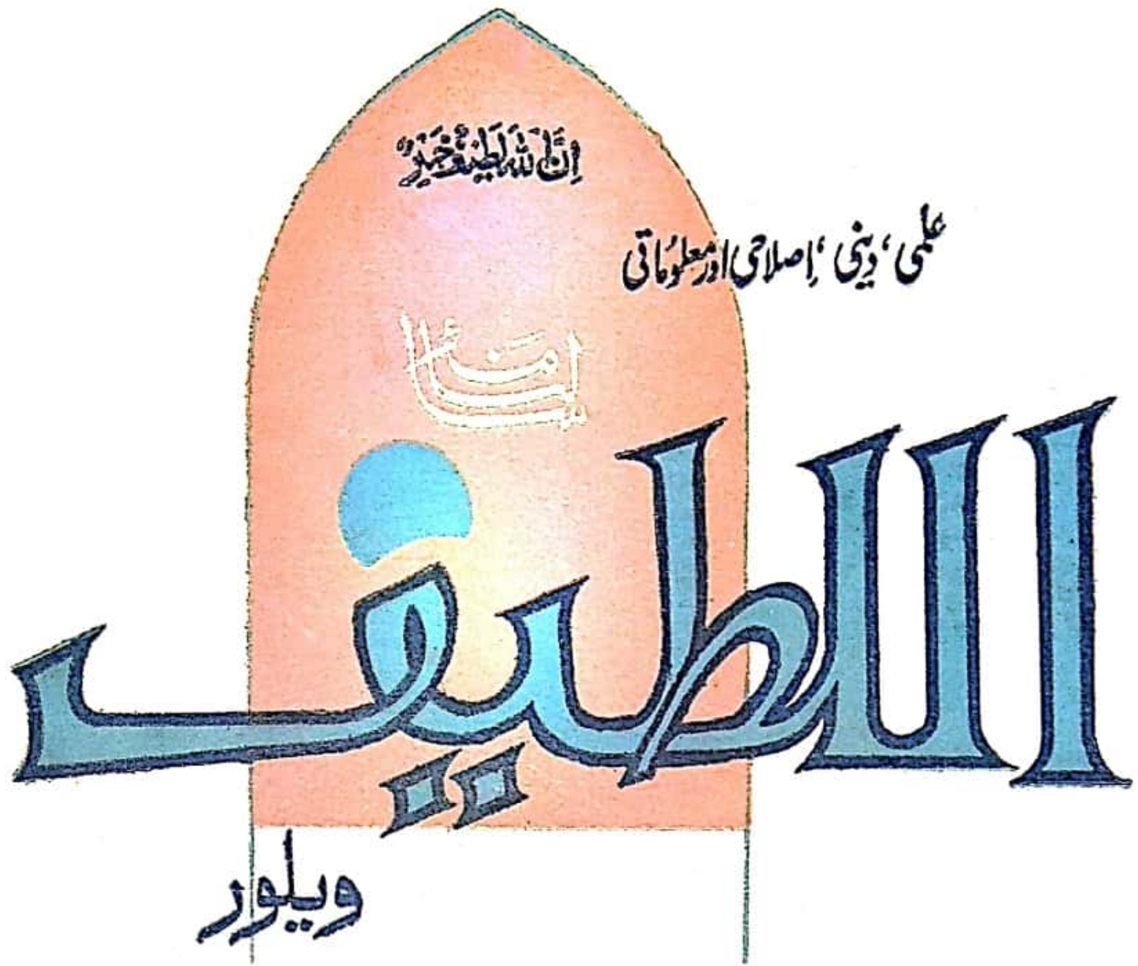
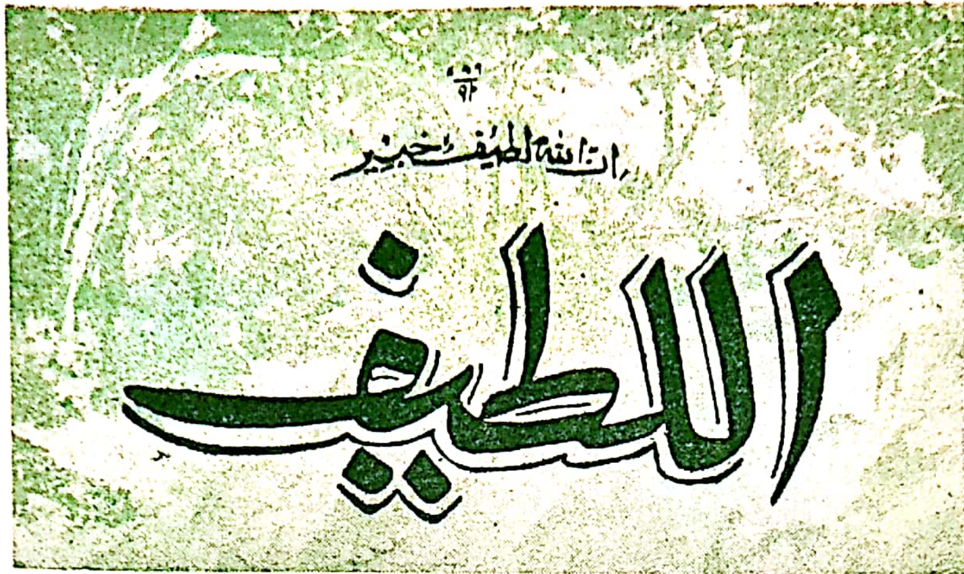


دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور





تقدس مآب اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابوالنصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ العالی

سجادہ نشین مکان حضرت قطب ویلور

مدیرِ اعلیٰ: فضیلت مآب حضرت مولانا ابوالحسن صدرالدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری



دامت برکاتہم العالیہ B.A ناظم دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

مجلسِ ادارت مدیران مسئول

جناب مولانا مولوی محمد حسین صاحب یم اے استاذ دارالعلوم لطیفیہ

مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادیب فاضل مدرس دارالعلوم لطیفیہ

اسمائے عہدہ داران انمائندگان :-

مولوی شاہ محمد انواراللہ لطیفی قادری سرقاضی جنرل سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف

مولوی سید عطاءاللہ عرف الیاس پاشاہ سلیم سکریٹری انجمن دائرۃ المعارف

مولوی وی۔ حیدر ولی متعلم زمرۂ مولوی عالم مانیٹر وگیمس کیاپٹن

پی یس نور محمد نگری متعلم زمرۂ سادسہ مانیٹر

تاریخِ اشاعت: ۱۰ رماہ شعبان المعظم ۱۴۰۲ ھ م ۳ رجون ۱۹۸۲ ء روز پنجشنبہ بر موقعہ سالانہ جلسۂ دستار بندی

مطبوعۂ الیکٹرک قومی پریس بنگلور ۱

فہرست مضامین سالنامہ اللطیف ۱۴۰۲ھ



رَبَّنَا اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا هِیَ

ادارہ

ہر قطرہ میں بحرِ معرفت مضمر ہے
ہر اک ذرّہ میں کچھ نہ کچھ جوہر ہے
ہو چشمِ بصیرت تو ہے ہر چیز اچھی
گر آنکھ نہ ہو تو لعل بھی پتھر ہے



حضرت امجدؔ حیدرآبادی

۷۸۶

نعتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

از قدوۃ السالکین
شیخ المشائخ حضرت
رکن الدین سید شاہ ابو الحسن
قربی علیہ الرحمہ

پیش کش
منجانب
حضرت مولانا ابو صالح عماد الدین سید شاہ محمد ناصر صاحب قادری المعروف میران پاشاہ صاحب

ہے احمد و محمدؐ سرخیل انبیاء کا
بے میم احد کو آیا ہے عین او خدا کا

وہ شاہ اگر عرب ہے بے عین عین رب ہے
جو کچھ کہے سو سب ہے دُرِ لجۂ صفا کا

ہے ذات اسکی مطلق اوچ عبد ہور وہی حق
حق سوں کہتا ہوں یو حق عین یون یحن یا کا

اوچ آسمان زمیں او بحر و دُرِ ثمین او
در ہر مکاں مکیں او کل باغ اصطفا کا

حسنِ ازل کا مظہر بے واسطہ او سرور
ہر حسن جگ میں یکسر ہے پرتو اس بہا کا

او افضل البشر ہے او شافعِ حشر ہے
ہر جا وہی نشر ہے سالارِ اصفیا کا

جو جگ منے ہے پیدا جو چیز ہے ہویدا
ہے اس کے مُکھ کی شیدا او اصل ہے ولا کا

شاہِ جہاں وہی ہے نورِ عیاں وہی ہے
مقصودِ جاں وہی ہے عشاقِ بے نوا کا

جو چیز ہے جہاں میں جو نام ہے دہاں میں
جو ہے عیاں نہاں ہے وہ نام مصطفا کا

کیا عشق کہنہ دو تو اس عشق کلہے پرتو
ہے حلق میں تک دو اس عشق اس ہوا کا

قربی تو بے نوا ہے دل میں تری ہوا ہے
قرباں ترا ہوا ہے دے قرب اسی خدا کا

افتتاحیہ



شاہِ رُسل و شفیعِ مرسل
سلطانِ ممالکِ رسالت

دنیائے اسلام میں تیزی سے پھیلتی ہوئی مادہ پرست ذہنیت اور صحیح اسلامی وروحانی اوراحسانی تعلیم وتربیت کے ضعف وانحطاط کی وجہ سے یہ فاسد رائے جنم لے رہی ہے کہ حضورِ پُرنور صلے اللہ علیہ وسلم اور افرادِ امت کے درمیان کوئی فرق وامتیاز نہیں۔ الا یہ کہ آپ کو نبوت کی وجہ سے فوقیت اور برتری حاصل ہے۔ اس قسم کا عقیدہ اور خیال یہود اوران کے مثل اہل مذہب کی ذہنیت سے مماثلت رکھتا ہے۔ جو انبیائے کرام کو ایک پیش گوئی کی صفت کے علاوہ اپنے جیسا بشر اور معمولی انسان تصور کرتے تھے۔

یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ انبیائے کرام بشری صفات سے متصف رہنے کے ساتھ ساتھ مافوق بشری اوصاف کی بنا پر سارے انسانوں سے ممتاز وبالاتر اور جداگانہ حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ چہ جائیکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جن کی شانِ بے نظیر میں خود اللہ تعالیٰ نے کہا قد جاءکم من اللہ نور وکتاب مبین بے شک اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک نور اور کتاب روشن پہنچی۔ یا ایھا النبی انا ارسلنٰک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا اے نبی ہم نے آپ کو حاضر وناظر، بشیر ونذیر بناکر بھیجا۔ اور آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے داعی اور ایک روشن چراغ ہیں۔

خورشیدِ یٰسیں و نورِ اول
طغرائے صحیفۂ جلالت

یہی وہ ذات گرامی ہے جو ارض وسماوات کی تخلیق وتکوین اور جمیع مخلوقات کے وجود اور ظہور کا باعث بنی اور دنیا کے اندر تمام تر سعادتوں، برکتوں، رحمتوں اور ھدایتوں کا انحصار اسی جامع فضائل ہستی پر ہے۔ حتیٰ کہ آخرت میں حاصل ہونے والی نعمتیں وعنایتیں بھی اسی سے وابستہ ہیں۔

بمغزائے کلام نبوت اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی پیدا فرمایا اول ما خلق اللہ نوری اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہی نور حضرت آدم کی تخلیق سے چودہ ہزار سال پہلے سے موجود رہا کنت نورا بین یدی ربی قبل خلق آدم باربعۃ عشر الف عام اور تمام اشیاء کی تخلیق اسی نور سے عمل میں آئی اور ارض وسماوات اور ان میں سمائی ہوئی تمام چیزوں میں نور محمدی سرایت کر گیا اور آپ کے نورِ نبوت کی ضیا پاش شعاعیں سارے انبیائے کرام کی رسالت ونبوت میں سما گئیں ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔

وکل آیٍ أتی الرسل الکرام بھا
فانما اتصلت من نورہ بھم

اور وہ تمام معجزات جو انبیائے کرام لائے درحقیقت آپ ہی کے نور کی وجہ سے اُن نبیوں کی ذات سے متصل ہوئے یعنی انبیائے کرام کے معجزات نور محمدی کے باعث ظہور پذیر ہوئے — اللہ تعالیٰ نے جب نور محمدی کو حکم دیا کہ انبیاء کے انوار کی جانب نظر کرے تو وہ تمام پر غالب آگیا۔ انبیاء نے عرض کیا، یا الٰہی ہمیں کس کے نور نے ڈھانپ لیا۔ بتلایا گیا

ھذا نور محمد بن عبد اللہ ان اٰمنتم بہ جعلتکم انبیاء، یہ محمد ابن عبد اللہ کا نور ہے، اگر تم ان پر ایمان لاؤ تو نبوت سے سرفراز کئے جاؤ گے۔ سب نے اثبات میں جواب دیا۔ چنانچہ قرآن نے بھی اسی عہد و میثاق کا تذکرہ کیا ہے۔

واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال ءاقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشٰھدین۔

اور دیکھو جب ہم نے نبیوں سے عہد لیا تھا کہ تمہیں ہم نے کتاب و حکمت عطا فرمائی ہے۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوا تمہارے پاس آئے جو تمہارے ساتھ ہے، تو ضروری ہے کہ تم اسے مانو اور اس کی مدد کرو۔ پھر ارشادِ الٰہی ہوا کہ کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور اس کا ذمہ لیتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا تھا۔ بے شک ہم اقرار کرتے ہیں، اس پر اللہ نے فرمایا تھا ہاں اس پر گواہ رہو اور دیکھو تمہارے ساتھ خود میں بھی اس پر گواہ ہوں۔

علامہ تقی الدین سبکی شافعی رقمطراز ہیں فتکون نبوتہ ورسالتہ عامۃ لجمیع الخلق من زمن اٰدم الی یوم القیامۃ وتکون الانبیاء وامتھم کلھم من امتہ وتبین ھذا معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم کنت نبیا واٰدم بین الماء والطین۔

اس اقرار میثاق سے اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کو عہدِ آدم سے لے کر قیامت تک کی مخلوقات کے لئے عام کر دیا جائے اور تمام انبیاء اور اُن کی امتیں آپ کی امت میں شامل ہو سکیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی سے بھی یہی مفہوم ظاہر ہوتا ہے۔ میں اس وقت نبی تھا جبکہ حضرت آدم ابھی آب و گل میں تھے یعنی ان کی تخلیق مکمل نہ ہوئی تھی۔

قرآن کریم میں تین مقامات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا تذکرہ ملتا ہے لیکن اربابِ علم و بصیرت سے پوشیدہ نہیں کہ ان آیات کے مخاطب کفار ہیں، اور ان جگہوں میں بشر کہنے کی وجوہ بھی مختلف ہیں: قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد (کہف)

فرما دیجئے میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں۔ مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ انما الٰھکم الٰہ واحد ..... (حٰم۔ السجدہ)

فرما دیجیئے میں تمہاری طرح بشر ہوں، محمدؐ پر وحی نازل ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولا (اسرائیل)

فرما دیجیئے۔ سبحان اللہ۔ میں تو ایک بشر رسول ہوں۔

قرآن کریم میں جہاں آپ کو بشر کہا گیا ہے وہاں "یوحی الی" کی قید بھی ضرور لگائی گئی ہے۔ ہم سبھی بشر و انسان ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بشر ہیں، لیکن دوسرے افراد سے بوجہ وحی ایک علیحدہ نوع ہیں اور قرآن نے تو یہ فرمایا فاوحیٰ الی عبدہٖ ما اوحیٰ اور انداز بیان سے واضح ہے کہ یہ وحی ایک راز سربستہ ہے جس کو کوئی نہیں جان سکتا۔ اللہ جانے یا وہ جانے۔

ذیل میں پیش ہونے والی حدیثوں میں آپ کے جو اوصاف وصفات اور مراتب و درجات بیان ہوئے ہیں کیا ان میں سے کچھ حصہ بھی کسی انسان کو نصیب ہوا ہے۔؟

صحیح بخاری کتاب الصوم میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال رکھتے دیکھ کر صحابہ بھی آپ کی اتباع میں کئی کئی دن کا متصل روزہ رکھنے لگے تو آپ نے اُن کو منع کرتے ہوئے اپنی نسبت ارشاد فرمایا ایکم مثلی یطعمنی ربی ویسقینی میرے مثل تم میں کون ہے، مجھے میرا رب کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور دوسری حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں: لست کمثلکم میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کان یری باللیل فی الظلمۃ کما یری بالنہار فی الضوء حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح دن کی روشنی میں دیکھتے اسی طرح رات کی تاریکی میں بھی دیکھا کرتے تھے۔

اور مسلم کی روایت ہے کان یری من خلفہ کما یری من امامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنے آگے کی چیزوں کو دیکھتے تھے اسی طرح اپنے پیچھے کی چیزوں کو بھی دیکھتے تھے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے انی لاراکم من وراء ظہری میں تم لوگوں کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھ لیا کرتا ہوں۔

غرض آپ کی آنکھیں وہ سب کچھ دیکھ لیا کرتی تھیں جن کے مشاہدہ سے انسانی آنکھیں قاصر ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے متعلق بیہقی کی روایت ہے، جب آپ کسی بچے کے منہ میں لعاب گرا دیتے تو اس کی بھوک ختم ہو جاتی تھی۔ کان یجزی الرضیع اور لعاب دہن کی تاثیر کا یہ عالم کہ کھارے پانی کو بھی شیریں بنا دیتا تھا۔

چنانچہ ابونعیم کی روایت ہے ان ریقہ کان یعذب الماء الملح اور آپ کی آواز مبارک وہاں تک پہنچتی تھی جہاں تک دوسروں کی آواز پہنچ نہیں پاتی اور آپ کی قوت سماعت کا مقابلہ کوئی کان نہیں کر سکتے تھے۔ کان یبلغ صوتہ وسمعہ مالا یبلغ صوۃ غیرہ ولا سمعہ۔

بیہقی کی روایت ہے جب آپ کسی طویل قد و قامت والے شخص کے ساتھ چلتے تو آپ ہی بلند دکھائی دیتے انہ اذا مشی مع الطویل طالہ۔

بیہقی کی روایت ہے، چہرہ مبارک چودھویں رات کے

چاند کے مانند روشن و منور نظر آتا کالقمر لیلة البدر۔
اور سورج و چاند کی روشنی میں زمین پر آپ کا سایہ نہ پڑتا تھا۔ انہ لم یقع لہ ظل علی الارض ولا رئی فی شمس و لا قمر۔

ابونعیم کی روایت ہے کہ سینۂ مبارک میں مشک و عنبر سے بھی بہتر خوشبو مہکتی تھی ان عرقہ صلی اللہ علیہ وسلم کان أطیب من المسك اور جسم اطہر پر کبھی مکھی نہیں بیٹھی اور نہ کبھی کوئی مچھر آپ کا خون چوسا لم یقع علی ثیابہ ذباب قط لا یمتص دمہ البعوض۔

اور امام بخاری نے روایت کی ہے کان تنام عینہ ولا ینام قلبہ آپ کی آنکھیں سو جاتی تھیں و قلب نور بیدار رہتا تھا ـــ اور آج بھی علم و ادراک، احساس و شعور، سمع و بصر، روح اور جسم کا تعلق اور جسم کی سالمیت و تحفظ ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پہنچ رہا ہے اور آپ کے سامنے امتیوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ اگر وہ اچھے ہیں تو خدا کا شکر بجا لاتے ہیں اور اگر اچھے نہ ہوں تو استغفار کرتے ہیں۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق اللہ تعالیٰ نے زمین کو حرام قرار دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے، اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

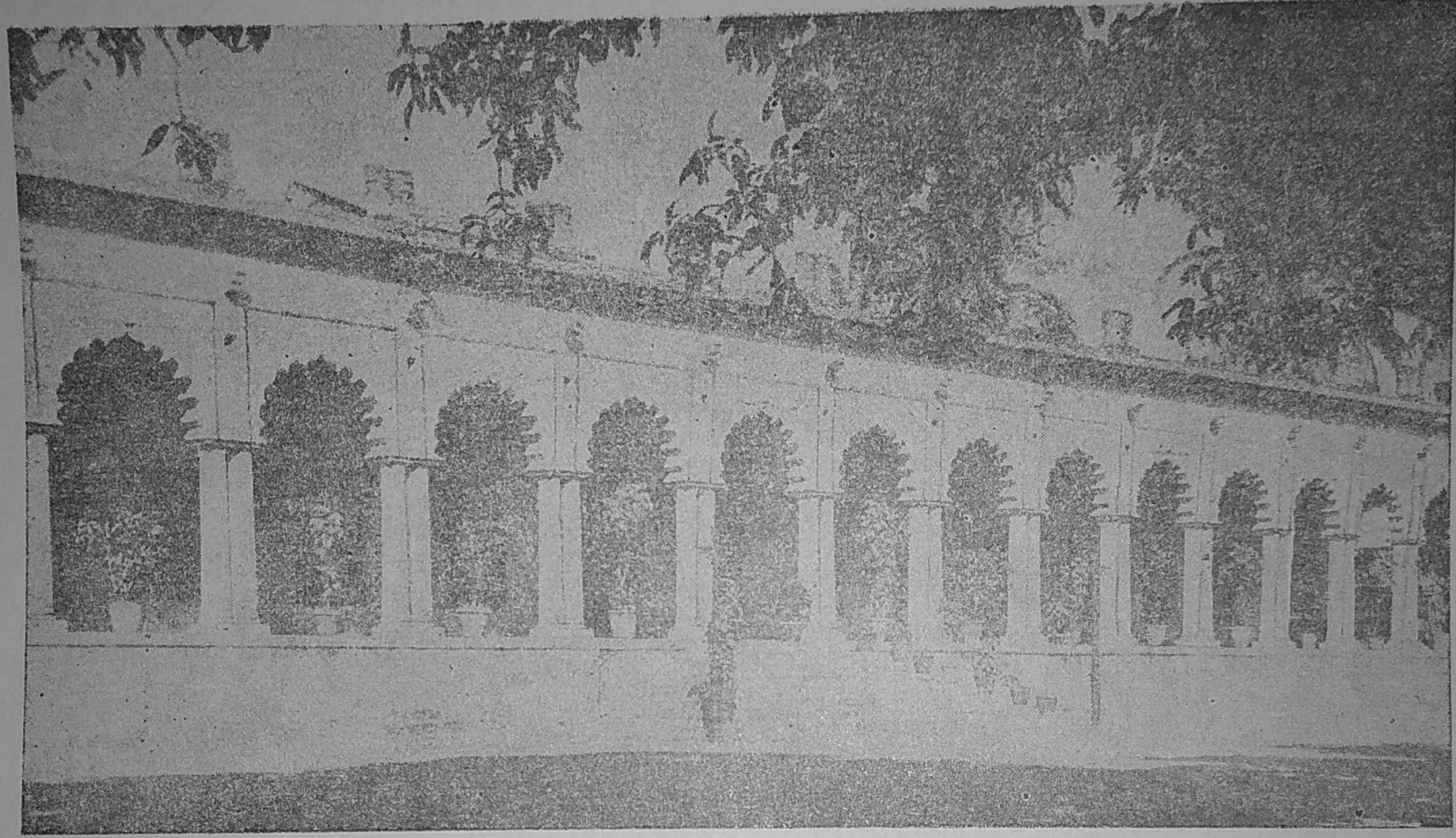
تعرض علی اعمالکم فان رأیت خیرا حمدت اللہ وان رایت غیر ذلك استغفرت اللہ لکم مجھ پر تمہارے اعمال پیش ہوتے رہیں گے اگر وہ اچھے ہوں تو شکر الٰہی بجا لاؤں گا ورنہ تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔

علامہ سبکی شافعی "شفاء السقام" میں لکھتے ہیں:۔
فان دعا النبی صلی اللہ علیہ وسلم لربہ تعالیٰ فی ھذہ الحالة غیر ممتنع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امت کے لئے رب تعالیٰ سے دعا فرمانا اس حالت (دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد) میں مستبعد نہیں ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تمہارا رنج و کلفت میں پڑنا نہایت ہی شاق گزرتا ہے، وہ تمہاری بھلائی کے بڑے ہی خواہشمند ہیں، وہ مومنوں کے لئے شفقت و رحمت رکھنے والے ہیں۔

روح و جسم کے ساتھ عالم بیداری میں اسراء و معراج کے شرف سے ممتاز ہوئے۔ زمان و مکان کے حدود و قیود سے گذرے اور تمام زمان و مکان آپ کے پیش نظر ہے۔ ماضی و مستقبل میں فرق باقی نہ رہا۔ تمام انبیاء کی امامت کی جنت و دوزخ اور تمام حقائق کائنات کا مشاہدہ فرمایا۔ افق میں اور افق اعلیٰ میں اپنی آنکھوں سے تجلی ذات کو اس سکینت و طمانیت کے ساتھ دیکھا کہ نگاہ نہ تو ہٹی اور نہ بڑھی ما کذب الفواد ما رای ما زاغ البصر وما طغیٰ۔

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتو جمال
تو عین ذات می نگری در تبسمے

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات، اور محاسن و مراتب میں کوئی مخلوق آپ کی شریک و سہیم تو کیا ہو سکتی ہے بلکہ انہیں ملنے والی ہر فضیلت و بزرگی بھی آپ ہی کا فیض و کرم اور صدقہ ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔



دار العلوم لطیفیہ کا شمالی دلکش نظارہ

پیشکش :- سید مرتضیٰ حسین جہانگیر لطیفی ویلوری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



دار العلوم لطیفیہ

ادارہ

خدائے بزرگ و برتر کا احسان و فضل اور لطف و کرم ہے کہ دار العلوم لطیفیہ اور خانقاہِ قطبِ عالیہ تین سو ٣٠٠ سال سے علوم ظاہری اور تصوف و عرفان کی راہ سے ملت کی مفید اور پُرخلوص خدمت انجام دیتے آرہے ہیں۔ اور آج بھی ان کا فیضان ہر سو پھیل رہا ہے اور انشاء اللہ المستعان تا قیام قیامت منجانب اللہ اس چمنستانِ علم کی آبیاری ہوتی رہے گی۔ اس لئے کہ دار العلوم لطیفیہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد و حکم سے منصب شہود پر جلوہ گر ہوا ہے ؎

حفاظت جس سفینہ کی انہیں منظور ہوتی ہے
کنارہ تک لاکے طوفان خود چھوڑ جاتے ہیں

تعلیمی سالِ نو کا آغاز

اسلامی مہینوں کے لحاظ سے دار العلوم لطیفیہ کا تعلیمی سال ١٥ر شوال المکرم سے شروع ہو کر ١٠ر شعبان المعظم پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ امسال اللہ کے فضل و کرم سے ٢٥ر شوال ١٤٠١ھ تک طلبۃ العلوم کے داخلہ کا سلسلہ جاری رہا۔

—:—

دورۂ حدیث

دار العلوم لطیفیہ کے نصاب میں بخاری شریف، مسلم شریف، جامع الترمذی۔ شرح معانی الآثار ابو داؤد، مشکوٰۃ شریف وغیرہ داخل ہے۔

چنانچہ دورۂ حدیث کا آغاز ٥ر ذی قعدہ ١٤٠١ھ کو خانقاہ میں اعلیٰحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی دعاؤں سے ہوا اور ٢٥ر رجب المرجب ١٤٠٢ھ کو اعلیٰحضرت مدظلہ العالی کی دعاؤں سے ختم دورۂ حدیث کی مبارک و مسعود مجلس ختم ہوئی۔

تعلیم تصوف و سلوک

مولوی فاضل کے طلباء کے لئے تفسیر بیضاوی، حجۃ اللہ البالغہ اور احیاء العلوم کے ساتھ ساتھ تصوف میں فصوص الحکم۔ جواہر الحقائق جواہر السلوک اور تحفۂ مرسلہ وغیرہ کی تدریس کا سلسلہ قائم ہے۔ الحمد للہ امسال بھی طلباء نے احسان و سلوک کی تعلیم، اور تربیتِ باطنی کی سعادت پائی۔

امتحانات

حسب عادت ہر تین ماہ کے وقفے سے امتحانات منعقد کئے جاتے رہے۔ چنانچہ اس سال سہ ماہی امتحان ۲۰ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ، ششماہی امتحان ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۰۲ھ اور سالانہ امتحان ۲۸ رجب المرجب ۱۴۰۲ھ سے شروع ہوئے، اور تینوں امتحانات ایک ایک ہفتہ جاری رہے۔

امتحانات سالانہ کے سوالات کے اکثر پرچے بیرونی علمائے کرام نے تیار فرمایا اور انہیں سے جوابی پرچوں کی تصحیح عمل میں آئی۔

امتحانات مدراس یونیورسٹی

ہر سال کی طرح سال رواں میں بھی بعض طلباء نے اپنی درسی و نصابی تعلیم کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی مدارس کے اورینٹل امتحانات میں شرکت کی اور الحمد للہ انہیں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔

انجمن دائرۃ المعارف

اس انجمن کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ طلباء میں تقریر و خطابت کی صلاحیت پیدا کی جائے۔ چنانچہ امسال بھی پورے اہتمام کے ساتھ اساتذۂ کرام کی صدارت میں اونچی جماعتوں کے طلباء کے لئے شب جمعہ مشقی جلسے منعقد کئے جاتے رہے اور منتہی جماعت کے طلباء کی نگرانی میں چھوٹی جماعتوں کے طلباء کے لئے صبح جمعہ مشقی اجلاس مقرر ہوتے رہے۔

افتتاحی اجلاس

مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ روز منگل مذکورہ انجمن کا افتتاحی جلسہ زیر صدارت عالیجناب اعلیحضرت مولانا مولوی ابو النصر قطب الدین سید شاہ محمد باقر صاحب قادری مدظلہ العالی مقرر ہوا جس میں مولانا مولوی محمد حسین صاحب استاذ دار العلوم لطیفیہ نے طلباء کو ان کی علمی و اخلاقی ذمہ داریوں کی جانب توجہ دلائی اور جلسہ کے اختتام پر حضرت مولانا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر صاحب قادری دامت برکاتہم نے طلباء کو اپنے فکر انگیز گراں قدر خطاب سے مستفیض فرمایا۔

دار التصنیف والاشاعت:

اس ادارہ کے قیام کی غرض و غایت یہ ہے کہ اساتذۂ کرام و طلبائے دار العلوم لطیفیہ تحریر و انشاء اور تصنیف و تالیف کی جانب توجہ دے سکیں۔ الحمد للہ اس علمی تنظیم سے خانوادۂ حضرت قطب ویلور کے اکابرین کی نادر و نایاب بلند پایہ علمی تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ اور یہ سلسلہ قائم ہے اور اسی تحقیقی و تصنیفی ادارہ کا اثر ہے کہ سالنامہ **اللطیف** بائیس سال سے پوری پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

چنانچہ سال رواں کا سالنامہ جدید بھی اپنی سابقہ حسین روایات کو لئے ہوئے معرض وجود میں آچکا ہے جس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علمی و تحقیقی مضامین و مقالات کے ساتھ ساتھ اکابرین دار العلوم لطیفیہ کی تصنیفات میں سے **فصل الخطاب فی الفرق بین الخطاء والصواب**، **مخزن السلاسل**، **غایۃ التحقیق**

مکتوباتِ حضرت قطبؒ ویلوری کے بعض اہم مباحث کے تراجم و تلخیصات بھی شامل اشاعت ہیں اور حضرت سیدہ شاہ حیدر ولی اللہ قادری کی عجیب غریب دلچسپ کتاب خوارقِ حیدریہ اور پروفیسر عبدالوہاب خلاف ازہری کی معرکۃ الآرا کتاب تشریع الاسلامی سے کچھ حصہ کا ترجمہ پیش کیا گیا ہے۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے قارئین کرام اس رنگا رنگی گلدستہ کی خوشبو سے لطف اندوز ہوں گے۔

صحتِ ذہنی و جسمانی

جسمانی ورزش اور دماغی فرحت و تازگی کے خاطر مختلف گیمس، والی بال، بٹ منٹن، ٹینی کاٹ، کبڈی وغیرہ کا انتظام موجود ہے اور تمام طلباء کو کھیل کے میدان میں بعد نمازِ عصر تا مغرب حاضری لازمی قرار دی گئی ہے۔

سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد و عبا پوشی

حسبِ روایاتِ سابق امسال بھی مولوی عالم، مولوی فاضل اور شعبۂ حفظ سے فراغت پانے والے طلباء کو اعلیٰحضرت مدظلہ العالی نے اپنے دستِ مبارک سے اسناد و عبا مرحمت فرمایا۔ سالانہ جلسہ نہایت تزک و احتشام کے ساتھ مورخہ ۱۰ ر شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۲ ہجری مطابق ۳ رجون سنہ ۱۹۸۲ء روز جمعرات صبح کے ٹھیک دس بجے دارالعلوم لطیفیہ کے وسیع و کشادہ ہال میں انعقاد پذیر ہوا جس میں مقامی و بیرونی علماء و فضلاء اور رؤسا و عمائدین کی خاصی تعداد شریک رہی اور نمازِ ظہر سے پہلے صلوٰۃ و سلام اور صدرِ جلسہ اعلیٰحضرت مدظلہ العالی کی دعا اور ناظم دارالعلوم لطیفیہ کے اعلانِ تعطیل دو ماہ پر جلسہ بحسن و خوبی ختم ہوا۔

جلسۂ تقسیم انعامات

سالانہ جلسہ کے بعد بعد نمازِ عصر تقسیم انعامات کا جلسہ منعقد کیا گیا جس میں درسیات اور مقابلۂ تحریری و تقریری اور گیمس و اسپورٹس میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے والے طلباء اور دیگر عہدہ داروں کو ان کی خدمات کے صلہ میں انعامات سے نوازا گیا۔

ہدیۂ سپاس

ادارہ ان تمام اطباء و ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اساتذہ و طلباء کا علاج و معالجہ کیا اور ان تمام حضرات کا مشکور ہے جنہوں نے سالانہ امتحانات، گیمس اسپورٹس اور جلسۂ تقسیم اسناد کی کارروائیوں میں خدمات انجام دی ہیں اور ان تمام مدیران اخبار کا بھی شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے دارالعلوم لطیفیہ کی کارگذاریوں کی خبریں شائع فرمائیں اور ادارہ خصوصیت کے ساتھ جناب مولوی عبدالمتین صاحب کی خدمت میں ہدیۂ سپاس پیش کرتا ہے جنہوں نے اپنی کثیر مصروفیات کے باوجود سالنامۂ اللطیف کی کتابت و طباعت نہایت اخلاص اور سلیقہ مندی کے ساتھ فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ان تمام مخلصین و محبین کو جزائے خیر عطا فرمائے جنہوں نے دارالعلوم لطیفیہ کے تعلیمی جلسوں اور دیگر کارگذاریوں میں خلوص و محبت کا مظاہرہ فرمایا۔ **آمین** آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔



تفسیر سورة الجمعہ

از
مولوی حافظ بشیر الحق
قریشی ادھونی استاذ دار العلوم لطیفیہ

زمانۂ نزول

سورۃ الجمعہ دو رکوع اور گیارہ آیات کریمہ پر مشتمل ہے اور دونوں رکوع کے مخاطب الگ الگ ہیں جس کی وجہ سے ان کے مضامین و موضوعات بھی باہم جدا ہیں۔ پہلا رکوع صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوا ہے، چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے متعلق یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ حدیبیہ کے بعد مشرف باسلام ہوئے، اس لحاظ سے پہلے رکوع کے نزول کا وقت حدیبیہ سنہ ۶ھ اور جنگ خیبر سنہ ۷ھ کا درمیانی زمانہ ہے۔

دوسرا رکوع ہجرت کے بعد قریبی زمانے میں نازل ہوا ہے کیونکہ اس کے اندر جمعہ کے آداب و احکام بیان کئے گئے ہیں اور جمعہ سے متعلق یہ بات مسلم ہے کہ ہجرتِ مدینہ ربیع الاول سنہ ۱۳ نبوت ہی سے قائم ہو گیا جیسا کہ تاریخ و سیر کا مشہور واقعہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱ھ کو جمعہ کا دن تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام قبا سے سوار ہو کر بنی سالم کے مکانات تک پہنچے تھے کہ جمعہ کا وقت ہو گیا۔ یہیں آپ نے جمعہ ادا کیا جو اسلام میں پہلا جمعہ سمجھا جاتا ہے، خطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اول جمعۃ جمعہا بالمدینۃ فی بنی سالم بن عوف۔

رکوع ثانی کے متعلق حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے: قال بینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم قائم یوم الجمعۃ اذ قدمت عیر الی المدینۃ فابتدرها اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی لم یبق معہ الا اثناء عشر رجلا فیہم ابوبکر وعمر قال ونزلت هذه الآیۃ واذا راوا تجارۃ او لهوا انفضوا الیها الی آخره۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ تجارتی قافلہ آجانے کی وجہ سے اصحاب نبی آپ کو چھوڑ کر خرید و فروخت کے لئے نکل گئے اور صرف بارہ آدمی مسجد میں رہ گئے۔ جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ تھے۔

دوسرے رکوع میں جس واقعہ کا ذکر ہے اس سے خود بخود یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اقامت جمعہ پر کچھ ہی مدت

گذری ہے جس کی وجہ سے آداب جمعہ کی ضرورت پیش آئی۔

مفہوم خیز ترجمہ

آسمانوں اور زمین میں جتنی بھی چیزیں ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر رہی ہیں۔ بادشاہ ہے، قدوس ہے عزت والا زبردست اور حکیم ہے۔

وہی ہے جس نے اُمّیّوں اور اَن پڑھوں کے اندر ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان پر اس کی آیات کی تلاوت فرماتے اور ان کی زندگی کی تطہیر فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، یقیناً اس سے قبل وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

اور اُن میں سے دوسرے لوگوں کو بھی تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفوس سے بہرہ ور فرماتے ہیں، جو ابھی اُن سے نہیں ملے ہیں وہی زبردست حکمت والا ہے (حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت پڑھی وآخرین منھم لما یلحقوا بھم تو ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ یہ کون لوگ ہیں جن کا ذکر آخرین کے لفظ سے کیا گیا ہے، تو آپؐ نے اپنا دستِ مبارک حضرت سلمان فارسی پر رکھا اور ارشاد فرمایا اگر ایمان ثریا کی بلندی پر بھی ہو تو ان کی قوم کے کچھ لوگ وہاں سے بھی ایمان کو لے آئیں گے۔

اس روایت سے اہل عجم کی فضیلت کا ثبوت مل رہا ہے لیکن اس آیت کا واضح اور صاف مطلب یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عرب قوم تک محدود نہیں بلکہ قیامت تک تمام قوموں کے لئے ہے۔)

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل (یعنی نبوت) ہے، جسے چاہے نوازے اور اللہ بڑا فضل فرمانے والا ہے۔

اُن لوگوں کی مثال جن کو تورات کا حامل بنایا گیا پھر انہوں نے اس کی حکم برداری نہیں کی اُس گدھے کی سی ہے جس پر کتابیں لدی ہوئی ہیں۔ کیا ہی بری مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

آپؐ ان لوگوں سے فرما دیجئے جو یہودی بن گئے ہیں اگر تمہیں یہ ناز ہے کہ تمام انسانوں میں تم ہی اللہ کے چہیتے ہیں تو موت کی تمنا کرو۔ اگر تم اپنے زعم میں سچے ہو۔ ہرگز یہ اپنی کرتوتوں کے سبب موت کی آرزو نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

آپؐ فرما دیجئے۔ تم جس موت سے بھاگ رہے ہو، وہ ضرور تمہیں آدبوچ لے گی اور پھر تم اُس کے حضور جناب میں پیش کئے جاؤ گے جو ظاہر و پوشیدہ کا جاننے والا ہے، اور وہ تمہیں بتلا دیگا کہ تم نے کیا کچھ کیا۔

اے ایمان والو! جب اذاں دی جائے نماز کے لئے جمعہ کے دن تو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، اگر تم سمجھو تو یہ تمہارے لئے خیر ہے۔ جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور کثرت سے خدا کو یاد کرتے رہو، کہ تمہیں فلاح نصیب ہو۔

اور جب انہوں نے تجارت اور کھیل تماشہ دیکھا تو

اس کی طرف چل دئے۔ اور آپ کو خطبہ میں کھڑا چھوڑ دیا۔
آپ فرما دیجئے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ کھیل تماشے اور
تجارت سے بہتر ہے، اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔

تشریح ومطالب سورۃ الجمعہ کا آغاز ایک
انسانی فہم سے بالاتر حقیقت کے اظہار سے کیا گیا ہے کہ آسمانوں
وزمین میں جتنی چیزیں ہیں وہ سبھی اللہ کی تسبیح کر رہی ہیں۔ یہ بات
قرآن کریم میں سورۃ الجمعہ کے علاوہ دیگر سورتوں میں بھی بیان کی
گئی ہے۔ البتہ بنی اسرائیل میں مزید یہ تصریح ملتی ہے کہ انسان
ان کی تسبیح سمجھنے سے قاصر ہے وان من شئی الا یسبح
بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم۔

اس سورۃ میں رب العالمین کی بے شمار صفتوں میں
سے چار صفات (ملک، قدوس، عزیز، حکیم) بیان کی گئی ہیں۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد رحمۃ للعالمین کی چار
صفتیں بیان کی گئی ہیں۔ کہ آپ لوگوں کو اللہ کی آیات سناتے
ہیں اور ان کے عادات واطوار اور معاملات کو سنوارتے ہیں،
اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ
علیہ وسلم کی ان صفات کا تذکرہ سورۃ الجمعہ کے علاوہ دوسری
سورتوں میں بھی کیا گیا ہے لیکن یہاں انکے اظہار سے منشاء
ومقصد یہ ہے کہ رسالت محمدیؐ کا اعلان کیا جائے، اور
یہودیوں کو اس کھلی ہوئی حقیقت سے باخبر کیا جائے کہ حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کے لئے یہی دلیل کیا کم
ہے کہ آپ ایک ایسی ناخواندہ قوم سے کھڑے ہوئے ہیں جسکی
جہالت کا کوئی گوشہ اور رخ بھی تمہاری نگاہوں سے پوشیدہ
نہیں، ایسی قوم سے ایک مقدس وبرگزیدہ شخصیت کا آیاتِ
الٰہی سنانا اور کتاب وحکمت کی تعلیم دینا اور تزکیۂ نفوس کا کام
انجام دینا یہ تمام باتیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوتِ
صادقہ کے لئے کافی نہیں ہیں۔

یہود نے نسلی تفوق وبرتری اور علمی فخر وغرور اور
ایک امی قوم سے مبعوث ہونے والے غیر اسرائیلی نبی سے استفادہ
کو کسر شان تصور کیا اور نبوت محمدیؐ کی تکذیب وتنکیر کی،
تو ان سے مخاطب ہو کر کہا گیا کہ تمہارا یہ خیال وزعم بالکل باطل
ہے کہ نبی تمہاری ہی قوم سے ہو۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے،
وہ جسکو چاہتا ہے منصب نبوت پہ فائز کر دیتا ہے اور تم اس
روشن حقیقت کا مشاہدہ کر رہے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم تمہارے سامنے آیات الٰہی پڑھ کر سنا رہے ہیں، نفوس
کا تزکیہ فرما رہے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے رہے ہیں۔

ھو الذی بعث فی الامیین سے یہ مفہوم نہیں
اخذ کیا جا سکتا کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ
صرف اسی قوم تک ہی محدود ہے بعث فی الامیین
سے صرف قوم عرب کے لئے ایک اعزاز اور شرف وفضیلت
ہے کہ اللہ نے ان کے درمیان ایسے بے مثل رسولؐ کو مبعوث
کیا جس کی بعثت تا قیام قیامت تمام طبقاتِ انسانی کے لئے
ہوئی ہے چنانچہ واٰخرین منھم لما یلحقوا کے
ذریعہ اس عظیم حقیقت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ علاوہ
ازیں یہ الفاظ فی الامیین (امیوں میں) بھی گہری
معنویت کے حامل ہیں جن سے خود بخود یہ بات واضح ہو رہی ہے

کہ الی الامیین (امیوں کی جانب) کا مفہوم نہیں لیا جاسکتا۔

یہود سے کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی مقدس کتاب توراۃ کا حامل بنایا' لیکن تم نے اس عظیم کتاب کی ذمہ داریاں کو نہیں نبھایا اور نہ اس کے تقاضوں کو پورا کیا۔ اس کے برخلاف دانستہ طور پر اس کی تحریف و تبدیل کے مرتکب ہوئے۔ تمہاری حالت تو اس گدھے سے مختلف نہیں ہے جس کی پشت پر کتابیں لدی ہوئی ہیں' بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔ وہ تو عقل و سمجھ کی دولت سے محروم ہے' لیکن تم عقل و شعور کی نعمت رکھتے ہوئے بھی بے عقلی اور بے حسی کا مظاہرہ کررہے ہو۔

اس سے بھی زیادہ بُری مثال ہے اُن لوگوں کی جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا اور علم و دانست اور آگہی کے باوجود اس نبی ؐ کو ماننے سے عمداً و قصداً انکار کررہے ہو جس کی بعثت کی بشارت توراۃ میں دی گئی ہے۔

ان سارے گناہوں کے ارتکاب کے علاوہ مزید طرفہ یہ ہے کہ تم خود کو تمام انسانوں کے مقابلے میں اللہ کے چہیتے اور محبوب تصور کررہے ہو۔ اگر تم واقعی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے حالانکہ موت اپنے حبیب سے قریب کرتی ہے۔

آگے کہا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کی عادت سے خوب واقف ہے' یہ لوگ ہرگز موت کی خواہش نہیں کریں گے کیونکہ انہیں خود اس بات کا احساس اور علم ہے کہ کفر و شرک اور فسق و فجور کا جو ذخیرہ انہوں نے اپنے آگے بھیجا ہے اس سے آخرت میں کیا نتائج نکلیں گے۔ یعنی موت سے ان کا فرار بے سبب نہیں ہے کیونکہ وہ اپنے اعمال کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان سے سوائے عذاب شدید کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا گیا ہے کہ آپ انہیں صاف سنا دیجئے کہ جس موت سے وہ بھاگ رہے ہیں وہ پہنچ کر رہے گی اور وہ خدا کے حضور پیش ہو کر رہیں گے ۔۔۔ اس کے بعد اہل ایمان سے خطاب کیا گیا ہے کہ وہ جمعہ کی اذان کے بعد تجارت اور تمام دنیاوی معاملات کو چھوڑ چھاڑ کر فوری طور پر مسجد چلے آئیں اور نماز پوری ہونے کے بعد تجارت اور دیگر امور و مسائل کی طرف توجہ دیں۔

حاصل کلام سورۃ الجمعہ کے مطالعہ و جائزہ سے درج ذیل باتوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے:۔

• مسئلہ توحید و رسالت محمدیؐ کا اثبات • نبوت محمدیؐ کی عمومیت • نبوت کسی قوم و نسل کے ساتھ مخصوص نہیں۔ • یہود کا نبوت محمدیؐ کا انکار • یہودیوں کا نسلی تفوق و برتری اور علمی غرور • قوم یہود کا توراۃ کے تقاضوں کو پورا نہ کرنا • یہود کا زعم کہ ہم ہی اللہ کے محبوب ہیں۔ • بنی اسرائیل کا موت سے فرار اور زندگی پر حرص • اہل ایمان کو جمعہ کے احکام و آداب کی ہدایات اور انہیں توکل علی اللہ کی تعلیم۔ وغیرہ۔

جمعہ ملت اسلامی کا شعار اور امتیاز خاص

جمعہ مسلمانوں کا ملی شعار اور خالص اسلامی

اصطلاح ہے۔ زمانۂ جاہلیت میں اس دن کو یوم العروبۃ کہا جاتا تھا۔ اسلام نے جب مسلمانوں کے لئے اجتماع کا روز قرار دیا تو اس کا نام یوم الجمعۃ ہو گیا۔ چنانچہ شارح مسلم امام نوویؒ جمعہ کے قدیم نام اور اس کی وجہ تسمیہ سے متعلق لکھتے ہیں مجتمع الناس ویکثرون فیھا ۔۔ سمیت جمعۃ لاجتماع الناس فیھا وکان یوم الجمعۃ فی الجاھلیۃ یسمی العروبۃ۔

ملتِ اسلامی کے علاوہ دیگر آسمانی مذاہب کے پیرو و مقلدین مثلاً یہودیوں اور عیسائیوں کے پاس بھی ہفتہ میں ایک روز عبادت اور اجتماع کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ ہفتہ یہود کا شعار ملت ہے۔ اس دن کو مخصوص کرنے کی وجہ عہدِ قدیم میں یہ ہے کہ اللہ نے ارض و سماوات اور تمام اشیاء کی تخلیق و پیدائش سے ہفتہ کے دن فراغت پائی اور اس میں استراحت فرمایا اور اس دن کو مبارک و مقدس قرار دیا فأکملت السموات والارض وکل جندھا وفرغ اللہ فی الیوم السابع من عملہ الذی عمل فاستراح فی الیوم السابع من جمیع عملہ الذی عمل وبارک اللہ الیوم السابع وقدسہ لانہ فیہ استراح من جمیع عملہ الذی عمل اللہ خالقا (العھد القدیم تکوین)

اور عیسائیوں نے یہود سے متمیز کرنے کے لئے اپنے لئے شعارِ ملت اتوار قرار دے لیا۔ اور ۳۲۱ھ میں رومی سلطنت نے اتوار کو عام تعطیل کا دن مقرر کیا۔ اتوار کی وجہ تخصیص عیسائی عقیدہ کے بموجب یہ ہے کہ حضرت مسیح صلیب پہ جان دینے کے بعد اسی روز قبر سے نکل کر آسمان کی طرف گئے تھے۔

احادیثِ نبوی کی رُو سے معلوم ہوتا ہے کہ امتِ محمدیہ سے پہلے گذری ہوئی قوموں کو ہفتہ میں ایک دن عبادت و اجتماع کے لئے دیا گیا لیکن کسی کو جمعہ کی ہدایت نہیں دی گئی۔ یہود نے سنیچر کا دن پسند کیا جس میں مخلوق کی پیدائش و تخلیق کا آغاز ہوا اور امتِ محمدیہ نے جمعہ کو اختیار کیا جس میں اللہ نے مخلوق کو پورا کیا۔

مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو لوگ ہم سے پہلے آئے اللہ نے انہیں جمعہ کی ہدایت و توفیق نہیں دی۔ اب یہود کے لئے ہفتہ اور نصاریٰ کے لئے اتوار کا دن عبادت و اجتماع کے لئے مقرر و متعین ہے۔ پھر اللہ نے ہمیں لایا اور جمعہ کی ہدایت دی اور اس طرح پے در پے جمعہ ہفتہ اور اتوار بنا دیا گیا۔ یہود و نصاریٰ قیامت کے روز ہمارے پیچھے رہ جائیں گے۔ ہم دنیاوی ظہور کے لحاظ سے پیچھے ہیں۔ لیکن قیامت کے دن آگے آگے ہوں گے۔ عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اضل اللہ عن الجمعۃ من کان قبلنا فکان للیہود یوم السبت و کان للنصاری یوم الاحد فجاء اللہ بنا فھدانا اللہ لیوم الجمعۃ فجعل الجمعۃ والسبت والاحد وکذلک ھم تبع لنا یوم القیامۃ نحن الآخرون من اھل الدنیا والاولون یوم القیامۃ۔

جمعہ احادیث کی روشنی میں

حدیث کی تمام کتابوں

میں مستقل طور پر کتاب الجمعہ کے عنوان سے مختلف ارشادات نبوی ﷺ کو جمع کیا گیا ہے۔ جن کے مطالعہ سے جمعہ کے متعلق بہت سارے احکام مسائل اور فضائل معلوم کئے جا سکتے ہیں چنانچہ ذیل میں ایک سرسری جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

عن ابن شہاب قال اخبرنی ابو عبد اللہ الاغر انہ سمع ابا ھریرۃ یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان یوم الجمعۃ کان علی کل باب من ابواب المسجد ملٰئکۃ یکتبون الاول فالاول فاذا جلس الامام طووا الصحف وجاؤا یستمعون الذکر ومثل المھجر کمثل الذی یھدی بونۃ ثم کالذی یھدی بقرۃ ثم کالذی یھدی الکبش ثم کالذی الدجاجۃ ثم کالذی یھدی البیضۃ۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازوں پر ہوتے ہیں اور پہلے آنے والے پھر اس کے بعد اول آنے والے کا نام ترتیب وار لکھتے جاتے ہیں اور جب امام منبر پر خطبہ کے لئے چلا جائے تو اپنے صحائف و دفاتر بند کر کے خطبہ سننے کے لئے مسجد میں آجاتے ہیں۔ جو شخص اول ساعت میں مسجد پہنچا اس نے اونٹ کی قربانی دی پھر اس کے بعد آنے والے نے گائے کی قربانی دی پھر اس کے بعد آنے والے نے دنبہ کی قربانی دی۔ پھر اس کے بعد آنے والے نے مرغی کی قربانی دی۔ پھر اس کے بعد آنے والے نے انڈے کی قربانی پیش کی۔

اس سے اول ساعت میں پہنچنے والے کے لئے فضیلت اور اس کے لئے ثواب کثیر اور اجر عظیم اور مرتبہ بتلانا مقصود ہے اور حقیقت نمایاں کرنا ہے کہ اول سے آخر تک ہر ایک آنے والے کے ثواب میں اسی طرح سے فرق واقع ہوگا جس طرح کہ اونٹ اور انڈے میں فرق ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیوم الموعود یوم القیامۃ والیوم المشھود لیوم عرفۃ والشاھد یوم الجمعۃ وما طلعت الشمس و لا غربت علی یوم افضل منہ فیہ ساعۃ لا یوافقھا عبد مؤمن یدعو اللہ بخیر الا استجاب اللہ لہ و لا یستعیذ من شیئ الا اعاذہ منہ (رواہ احمد الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا روز قیامت کو یوم موعود کہتے ہیں اور یوم عرفہ کو یوم مشہود کہتے ہیں اور جمعہ کا دن شاہد ہے، جمعہ سے افضل کوئی ایسا دن نہیں کہ جس پر سورج طلوع یا غروب ہوا ہو۔ اس دن میں ایک ایسی ساعت رکھی گئی ہے۔ اس میں اگر کوئی بندۂ مومن دعا کرے تو وہ ضرور قبول ہوگی اور اگر وہ کسی شر سے پناہ چاہے تو عطا کی جائے گی۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من مسلم یموت یوم الجمعۃ او لیلۃ الجمعۃ الا وقاہ اللہ فتنۃ القبر (رواہ احمد والترمذی)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم نے فرمایا جو مسلمان شب جمعہ یا روز جمعہ انتقال کر جائے،

تو اللہ تعالیٰ اسے قبر کی آزمائش اور فتنہ سے محفوظ کر دیتا ہے۔

جمعہ کی وہ ساعت جس میں دُعا قبول ہوتی ہے

عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکر یوم الجمعۃ فقال فیہ ساعۃ لا یوافقہا عبد مسلم وھو یصلی یسئل اللہ شیئا الا اعطاہ ایاہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کا ذکر فرمایا اور کہا اس میں ایک ساعت ہے جس میں بندہ مومن اللہ سے کسی چیز کو طلب کرے تو وہ اسے عطا کی جائے گی۔

جمعہ میں آنے والی مقبول و مستجاب ساعت کے بارے میں صحابہ اور ائمہ کے مختلف اقوال ملتے ہیں جن کی پوری تفصیل علامہ ابن قیم نے زاد المعاد میں پیش کی ہے۔ یہاں صرف حضرت ابو بردہؓ کا قول نقل کیا جاتا ہے جو بعض حضرات کے نزدیک قابل ترجیح ہے۔ عن ابی بردہؓ ابی موسیٰ قال سمعت ابی یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی شان ساعۃ الجمعۃ ھی ما بین ان یجلس الامام الی ان تقضی الصلوٰۃ (رواہ مسلم)

حضرت ابو بردہؓ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے مجھے بتلایا کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا کہ وہ ساعت امام کے منبر پر بیٹھنے سے لے کر نماز ختم ہونے تک ہے۔

جمعہ گناہوں کی بخشش اور کفارہ کا روز ہے

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من اغتسل ثم اتی الجمعۃ فصلی ما قدر لہ ثم انصت حتی یفرغ من خطبتہ ثم یصلی معہ غفر لہ ما بینہ وبین الجمعۃ الاخریٰ (رواہ مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے غسل کیا اور مسجد پہنچا اور حسب استطاعت نماز ادا فرمائی اور خطبہ کے دوران خاموش رہا، پھر امام کے ساتھ جمعہ پڑھا تو اس جمعہ سے لے کر دوسری جمعہ کے درمیان میں صادر ہونے والے گناہ بخش دئے جائیں گے۔

عن ابی سعید وابی ھریرۃ قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اغتسل یوم الجمعۃ ولبس من احسن ثیابہ ومس من طیب ان کان عندہ ثم اتی الجمعۃ فلم یتخط اعناق الناس ثم صلی ما کتب اللہ لہ ثم انصت اذا خرج امامہ حتی یفرغ من صلوتہ کانت کفارۃ لما بینہما وبین جمعۃ التی قبلہا۔ (رواہ ابوداؤد)

حضرت ابو سعید اور حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جمعہ کے دن جس نے غسل کیا اور عمدہ پاک وصاف لباس زیب تن کیا، اور خوشبو کا اہتمام بھی کیا، پھر نماز کے لئے چل پڑا اور لوگوں کے کندھوں کے اوپر سے کسی کو پھاند کر نہیں گذرا اور حسب مقدر نماز ادا کی پھر خاموش بیٹھا یہاں تک کہ امام اپنی نماز سے فارغ ہو گیا تو اس کے وہ سارے گناہ جو دو جمعوں کے درمیان صادر ہوتے تھے وہ بخش دئے جائیں گے۔

جمعہ افضل یوم اور سید الایام ہے

قال رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم خیر یوم طلعت علیہ الشمس یوم الجمعۃ فیہ خلق اٰدم وفیہ ادخل الجنۃ وفیہ اخرج منھا (رواہ مسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بہترین روز جس پر سورج طلوع ہوا وہ جمعہ کا دن ہے۔ اسی دن میں حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی اور اسی دن جنت میں داخل کئے گئے اور اسی دن جنت سے نکالے گئے۔ عن ابی لبابۃ بن عبد المنذر قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یوم الجمعۃ سید الایام واعظمھا عند اللہ وھو اعظم عند اللہ من یوم الاضحیٰ ویوم الفطر فیہ خمس خلال خلق اللہ فیہ اٰدم واھبط اللہ فیہ اٰدم الی الارض وفیہ توفی اللہ اٰدم وفیہ ساعۃ لا یسأل العبد فیھا شیئًا الا اعطاہ مالم یسأل حراما وفیہ تقوم الساعۃ مامن ملک مقرب ولا سماء ولا ارض ولا ریاح ولا جبال ولا بحر الا ھو مشفق من یوم الجمعۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بے شک جمعہ کا دن تمام دنوں کا سردار ہے اور اللہ کے نزدیک اس کی بڑی عظمت ہے اور اس کے پاس یہ دن یوم اضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی عظیم ہے۔ جمعہ کی پانچ خصوصیات ہیں۔ اسی دن حضرت آدمؑ کی پیدائش ہوئی اور اسی روز خدا نے انہیں زمین پر بھیجا اور اسی روز انہیں وفات دی اور اس میں ایک ساعت ایسی ہے جس میں کوئی مسلمان اللہ سے کوئی چیز طلب کرے تو اسے ضرور دی جاتی ہے بشرطیکہ وہ مطلوبہ شئ حرام نہ ہو اور اسی روز قیامت قائم ہوگی۔ کوئی فرشتہ زمین آسمان، ہوا پہاڑ سمندر ایسا نہیں جو جمعہ کے دن سے خوف زدہ اور ہراساں نہ ہو (اس خیال سے کہ شاید اسی جمعہ کو قیامت قائم ہو جائے)۔

روز جمعہ حضور اکرم صلعم پر کثرت سے درود بھیجا جائے۔

عن اوس بن اوس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان افضل ایامکم یوم الجمعۃ فیہ خلق اٰدم وفیہ قبض وفیہ النفخۃ وفیہ الصعقۃ فاکثروا علیّ من الصلوٰۃ فیہ فان صلوتکم معروضۃ علیّ قالوا یارسول اللہ وکیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال یقولون بلیت قال ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

حضرت اوس بن اوس کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تمہارے ایام میں سب سے افضل دن جمعہ ہے جس میں حضرت آدم کی تخلیق ہوئی، اسی میں وفات ہوئی اور اسی میں صور پھونکا جائے گا اور اسی میں روز قیامت قائم ہوگی، اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ بعضوں نے استفسار کیا یا رسول اللہ آپ کی خدمت میں ہمارے صلوٰۃ وسلام بعد رحلت بھی پیش کئے جاتے رہیں گے؟ آپؐ نے فرمایا اللہ نے زمین پر انبیاء کے جسم حرام قرار دیا ہے یعنی نبیوں کے جسم مٹی میں فنا نہیں ہونگے۔

عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود لیشھدہ الملائکۃ وان احدالم یصلّ

علیّ الا عرضت علی صلوتہ حتی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق — (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوالدرداء سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے بھیجو۔ جمعہ یوم مشہود ہے' ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ ابوالدرداء نے دریافت فرمایا آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد بھی درود آپ تک پہنچتے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے زمین پر حرام کیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔

جمعہ آخرت میں یوم المزید

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا حضرت جبرئیل میرے پاس تشریف لائے اور آپ کے ہاتھوں میں سفید وشفاف آئینہ تھا جس میں ایک سیاہ چمکدار نقطہ دکھائی دے رہا تھا۔ میں نے اس کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا' یہ آئینہ جمعہ ہے' جو آپ اور آپ کی امت کے لئے عید ہے — میں نے پوچھا اس دن میں ہمارے لئے کیا ہے؟ حضرت جبرئیل نے فرمایا اس دن میں آپ اور آپ کی امت کے لئے خیر وبرکت ہے اور اللہ نے جمعہ میں ایک ساعت ایسی رکھی ہے جس میں بندۂ مومن جو شئی بھی اللہ سے طلب کرتا ہے اگر وہ مطلوبہ شئی اس کے مقسوم میں ہے تو عطا فرماتا ہے۔ اگر مقسوم میں نہیں ہے تو اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے' اور اگر اس کے برعکس کوئی شر لکھا ہوا ہے تو اس سے پناہ دیتا ہے۔ اس چمکدار نقطہ سے متعلق حضرت جبرئیل نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ وہ قیامت ہے جمعہ سید الایام ہے اور آخرت میں یوم المزید کے نام سے یاد کیا جائے گا۔

ترکِ جمعہ پر سخت وعید

عن ابن عمر وابی ھریرۃ انھما قالا سمعنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول علی اعواد المنبر لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات اولیختمن اللہ علی قلوبھم لیکونن من الغافلین (رواہ مسلم)

حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے منبر پر ارشاد فرمایا جو لوگ جمعہ ترک کریں گے اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا اور وہ غافلین میں سے ہو جائیں گے۔

عن ابی الجعد الضمری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ترك ثلث جمع تھاونا بھا طبع اللہ علی قلبہ (رواہ ابوداؤد) تین جمعہ سستی اور کاہلی سے جو شخص بھی ترک کریگا اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر مہر لگا دے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ کسی اور شخص کو اپنی جگہ نماز کی امامت کے لئے کھڑا کر دوں اور جاکر ان لوگوں کے گھر جلا دوں جو جمعہ کی نماز پڑھنے کے لئے نہیں آتے (بخاری)

جمعہ عید المومنین ہے

عن عبید بن السباق مرسلا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جمعۃ من الجمع

یا معشر المسلمین ان ھذا الیوم جعلہ اللہ عیدا فاغتسلوا ومن کان عندہ طیب فلا یضرہ ان یمس منہ وعلیکم بالسواک (ابن ماجہ)

حضرت عبید سے مرسلاً مروی ہے کہ حضور اکرمؐ نے کسی ایک جمعہ میں ارشاد فرمایا "اے مسلمانو! اس دن کو اللہ تعالیٰ نے عید قرار دیا ہے، لہٰذا تم غسل کرو، خوشبو اور مسواک کا اہتمام کرو۔ عن ابن عباس انہ قرا الیوم اکملت لکم دینکم الآیۃ وعندہ یھودی فقال لو نزلت ھذہ الآیۃ علینا لاتخذناھا عیدا فقال ابن عباس فانھا نزلت فی یوم عیدین فی یوم جمعۃ ویوم عرفہ (ترمذی)

حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ انہوں نے آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ تلاوت فرمائی تو ایک یہودی، جو ان کے پاس موجود تھا کہنے لگا، اگر یہ آیت ہمارے یہاں ہوتی تو ہم عید مناتے۔ آپ نے فرمایا بے شک یہ آیت دو عیدوں کے موقعہ پر نازل ہوی۔ یوم عرفہ اور یوم جمعہ۔

روز جمعہ کے مسنون و مستحب اعمال

جمعہ کے روز غسل کرنا سنت مستحبہ ہے۔ چنانچہ ایک مشہور حدیث میں بڑی تاکید وارد ہے غسل یوم الجمعۃ واجب علی کل محتلم جمعہ کا غسل ہر بالغ پر واجب ہے۔

جمعہ کے روز پاک وصاف اور عمدہ کپڑے اور خوشبو وغیرہ کا استعمال مسنون ہے، چنانچہ ابوداؤد کی ایک طویل حدیث جس میں کفارۂ سیئات کی بشارت موجود ہے۔ اس میں ان تمام باتوں کی ہدایت دی گئی ہے من اغتسل یوم الجمعۃ ولبس من احسن ثیابہ ومس من طیبہ۔

جمعہ کے دن تیل اور مسواک کے استعمال کی ہدایت بھی احادیث میں دی گئی چنانچہ بخاری شریف میں اور ابن ماجہ میں مذکور دونوں کام کا حکم موجود ہے۔ ویدّھن من دھنہ (بخاری) وعلیکم بالسّواک (ابن ماجہ)

جمعہ کے روز سورۃ کہف کی تلاوت پر یہ بشارت دی گئی ہے، چنانچہ حدیث میں ہے جمعہ کے روز جو شخص بھی سورۂ کہف کی تلاوت فرمائے گا تو قیامت کے دن اس کے پیر سے لے کر آسمان تک چمکتا ہوا نور ہوگا۔

جمعہ کی پہلی اذاں حضور اکرمؐ کے زمانہ میں ایک ہی اذاں ہوتی تھی جو خطبہ سے پہلے آپؐ کے منبر پر بیٹھنے کے بعد دیجاتی تھی۔ یہی طریقہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی قائم رہا پھر حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں آبادی پھیلتی چلی گئی اور لوگ مسجد پہنچنے میں دیر کرنے لگے تو آپ رضی اللہ عنہ، نے اس اذاں سے پہلے ایک اور اذاں دلوانی شروع کردی جو مدینہ کے بازار میں مقام زوراء پر دی جاتی تھی۔

جمعہ کے دن سفر کسی ایسے شہر کی طرف سفر جاری رکھا جائے جہاں پہنچ کر جمعہ ادا کرنا ممکن ہو، بعض فقہاء نے منع کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ نے ایسے وقت میں بھی سفر کی اجازت دی ہے۔ واللہ اعلم

ملاحظات:- تفسیر ابن کثیر • تفسیر مواہب الرحمان • تفسیر حقانی • معارف القرآن • صحیح بخاری • صحیح مسلم • مشکوٰۃ • زاد المعاد • مالابدمنہ

جواہر الحدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم

از: مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی استاذ دارالعلوم لطیفیہ

جواہر الحدیث کے عنوان کے تحت امسال ایسی حدیثوں کا انتخاب پیش کیا جارہا ہے جس میں درج ذیل موضوعات و مسائل پر روشنی ملتی ہے :-
• حفظانِ صحت کے اصول و ضوابط • علاج اور دوا کی ترغیب • امراض کا روحانی علاج، • حرام اشیاء کے ذریعہ علاج کی ممانعت • متعدی امراض سے بچنے کی ہدایت • امراض پر صبر اور صدقہ و خیرات کی تعلیم • امراض پر اجر فراواں کی بشارت • مسنون دعائیں • عیادت مریض • امراض گناہوں کیلئے کفارہ وغیرہ

صحت و تندرستی ہی سے زندگی میں لطف اور بہار ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو تندرستی کی حفاظت اور قلب و روح کی نگہداشت سے متعلق اپنی احادیث میں زرین اصول پیش فرمایا ہے جن پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہو جائیں تو مسلمان صحت و سلامتی اور تندرستی کی نعمتِ غیر مترقبہ سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں۔

صحت کا راز صفائی و پاکیزگی میں پوشیدہ ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مطلق صفائی اور زندگی کے ہر شعبہ میں نظافت و پاکیزگی کی تعلیم ان حدیثوں کے ذریعہ دی ہے :-

الطهور شطر الايمان پاکیزگی ایمان کا حصہ ہے

ان الله طيب يحب الطيب نظيف يحب النظافة اللہ تعالیٰ پاک ہے پاکیزگی کو پسند فرماتا ہے۔ اللہ نظیف ہے، نظافت کو محبوب رکھتا ہے۔

تنظفوا بكل ما استطعتم فان الله تعالىٰ بنى الاسلام على النظافة تم سے جتنا ہو سکے پاکی و صفائی اختیار کرو۔ اللہ نے اسلام کی بنیاد نظافت پر رکھی ہے اول ما يحاسب به العبد طهورها۔ بندہ سے پہلا حساب پاکیزگی سے متعلق ہوگا۔ طهروا هذه الاجساد طهركم الله، اپنے بدنوں کو پاک صاف رکھو، اللہ تمہیں بھی کثافتوں و گندگیوں سے صاف رکھے گا۔ غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم جمعہ کے دن نہانا ہر بالغ کے لئے ضروری ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنها قالت كان النبى صلى الله عليه وسلم لا يرقد من ليل ولا نهار فيستيقظ الا يتسوك قبل ان يتوضأ (ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات اور دن کے کسی بھی حصہ میں نیند سے بیدار ہوتے تو وضو سے پہلے مسواک کے ذریعہ دانت صاف فرماتے تھے۔

عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله صلى الله

علیه وسلم لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بتاخیر العشاء وبالسواك عند كل صلوة (مشکوٰۃ) حضرت ابوہریرہؓ کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "یہ چیز میری امت کے لئے گراں نہ ہوتی تو میں حکم دیتا کہ نماز عشاء تاخیر سے ادا کی جائے اور ہر نماز کے وقت مسواک کا اہتمام کیا جائے۔

تخللوا علی اثر الطعام وتمضمضوا فانه مصحة للناب والنواجذ کھانے کے بعد خلال اور کلی کرو کیونکہ خلال اور کلی کرنے سے دانتوں کی صحت قائم رہتی ہے۔

لا یبیتن احدکم وفی یده غمر الطعام فان اصابه شئی فلا یلومن الا نفسه تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں نہ سوئے کہ اس کے ہاتھ کھانے کی چکنائی وغیرہ سے آلودہ ہوں۔ اگر اسے کوئی تکلیف پہنچے تو اس کو اپنے آپ پر ملامت کرنی چاہیئے۔

عن البراء قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حقا علی المسلمین ان یغتسلوا یوم الجمعة و لیمس احدهم من طیب (مشکوٰۃ) حضرت براءؓ کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمانوں کو (خصوصیت کے ساتھ) جمعہ کے دن غسل اور خوشبو کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

ومن کان عنده طیب فلا یضره ان یمس منه جس کے پاس خوشبو (عطریات وغیرہ) ہو اسکو استعمال کرنی چاہیئے۔

طهروا افنیتکم وان الیهود لا تطهر افنیتها اپنے مکانات کے صحنوں وغیرہ کو صاف ستھرا رکھو، یہود اپنے مکان پاکیزہ نہیں رکھتے۔

ترفع البرکة من البیت اذا کانت فیه الکناسة اس گھر سے خیر و برکت اٹھالی جاتی ہے جس میں گندگی ہو۔ (گندگی میں اخلاقی، روحانی جسمانی اور تمدنی و معاشرتی گندگی و برائی بھی شامل ہے)۔

البسوا الثیاب البیض فانها اطهر واطیب سفید اور اجلے کپڑے استعمال کرو، وہ نہایت پاکیزہ اور صاف ہوتے ہیں۔ خیر ثیابکم البیاض فالبسوها احیاءکم وکفنوا فیها موتاکم۔ تمہارے لئے بہترین کپڑے وہ ہیں جو سفید اور اجلے ہوں۔ یہی زندوں کو پہناؤ اور ان ہی میں اپنے مردوں کو کفناؤ۔

استجدوا النعال فانها خلاخیل الرجال جوتیاں نئی پہنو کیونکہ وہ مردوں کے لئے زینت ہے۔

غذا میں عمدگی اور پاکی صفائی ملحوظ رہے

غذائیں مفید اور قوت بخش استعمال کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ حضورؐ اکرم سے مختلف غذاؤں کا استعمال کرنا ثابت ہے۔ کتب احادیث میں کتاب الاطعمة والاشربه کے مطالعہ سے حضورؐ اکرم کی غذاؤں کی تفصیلات معلوم ہوسکتی ہیں کہ آپ نے گوشت روٹی، روغن، سرکہ، سبزیاں، شہد، حلوہ میوہ، پھل اور مکھن وغیرہ کا استعمال فرمایا ہے۔

کھانے میں پاکی وصفائی کا خیال رکھنا نہ صرف صحت وتندرستی کے لئے سودمند ہے بلکہ رزق میں کشادگی اور خیر وبرکت کا باعث ہے۔

خمروا الطعام والشراب (بخاری) کھانے پینے کے برتنوں کو ڈھک کر رکھو۔

اوکوا قربکم، خمروا آنیتکم واذکروا اسم اللہ کھانے پینے کے برتن ڈھک کر رکھو اور جب کھاؤ تو اللہ کا نام لو۔ طھور الطعام یزید فی الطعام والدین والرزق کھانے میں صفائی وپاکیزگی سے کھانے میں، دین میں، رزق میں زیادتی ہوتی ہے۔

الوضو قبل الطعام وبعدہ ینفی الفقر۔ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد منہ ہاتھ دھونے سے افلاس دور ہوتا ہے۔

من احب ان یکثر اللہ خیر بیتہ فلیتوضأ اذا حضر غداہ واذا رفع جو شخص اپنے گھر میں خیر وبرکت دیکھنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ کھانے سے پہلے اور کھانے کے بعد منہ ہاتھ دھولے۔

غذا میں اعتدال

شکم پری نہ صرف جسمانی و بدنی لحاظ سے مضر ہے بلکہ روحانی، قلبی اور دماغی اعتبار سے بھی نقصان وضرر کا باعث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غذا میں اعتدال اور میانہ روی کی تاکید ان لفظوں میں کی ہے ان المؤمن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء (بخاری) مومن کا کھانا ایک آنت میں ہوتا ہے اور کافر سات آنتوں میں بھر لیتا ہے۔

اذا قل الرجل الطعام ملا جوفہ نورا۔ غذا کم استعمال کرنے سے آدمی کے اندر نورانیت بڑھتی ہے۔

من قل طعامہ صح بطنہ وصفا قلبہ ومن کثر طعامہ سقم بطنہ وقسا قلبہ غذا میں اعتدال اور کمی سے آدمی کا جسم تندرست اور قلب صاف رہتا ہے اور جو شخص کھانے میں اعتدال ملحوظ نہیں رکھتا اس کا جسم بیماریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے دل میں سختی وقساوت پیدا ہوتی ہے۔

کھانے میں عیب نہ نکالا جائے

غذاؤں کے استعمال میں ہر انسان کا ذوق جداگانہ ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی غذا کسی شخص کے ذوق سے میل نہ کھائے تو عیب جوئی کے درپے نہیں ہونا چاہئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی اگر کوئی غذا آپ کے ذوق ومزاج کے مطابق نہ ہوتی تو آپ استعمال نہیں فرماتے مگر کبھی کسی غذا میں کوئی عیب یا نقص نہیں نکالتے تھے۔ چنانچہ بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ روایت ہے ما عاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعاما قط۔

صحت وتندرستی کے لئے شراب ودیگر منشیات سے بچنا ضروری ہے

عصر حاضر کی تحقیقات نے تو اس حقیقت کو پوری طرح نمایاں کر دیا ہے کہ شراب اور دیگر نشہ آور چیزوں کا استعمال انسانی صحت کے لئے مضرت کا باعث ہے حضور

اکرمؐ نے شراب ودیگر نشہ آور اشیاء کو حرام قرار دے کر اپنی امت کو جسمانی، اخلاقی اور روحانی کثافتوں اور کمزوریوں سے بچا لیا۔ اجتنبوا الخمر فانہا مفتاح کل شر۔ شراب سے بچو، وہ تو ہر شر اور برائی کے لئے راہ کھولتی ہے اجتنبوا کل مسکر ہر نشہ پیدا کرنے والی چیز سے پرہیز کرو۔

زنا سے اجتناب زنا کاری سے آدمی میں نہ صرف جسمانی امراض پیدا ہوتے ہیں بلکہ اس کے اندر بہت سی اخلاقی وروحانی برائیاں جمع ہو جاتی ہیں اور اس بدکاری میں ملوث ہونے کی وجہ سے وہ خدا کے غیظ وغضب کا شکار ہو جاتا ہے۔ حضور اکرمؐ نے ان ارشادات کے ذریعہ اپنی امت کو متنبہ فرمایا ہے۔ الزنا یورث الفقر زنا سے آدمی افلاس کا شکار ہوتا ہے۔

ایاکم والزنا فان فیہ اربعۃ خصال یذھب البھاء عن الوجہ ویقطع الرزق ویسخط الرحمان والخلود فی النار۔ زنا سے بچو۔ اس میں چار برائیاں ہیں، چہرے کی رونق ختم ہو جاتی ہے، روزی بند ہو جاتی ہے، خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور زنا کار کو جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے۔

پرہیزگاری ہی سے جسمانی و روحانی اور اخلاقی صحت وابستہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ہر قسم کی برائیوں اور کثافتوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ارباب علم وحکمت سے پوشیدہ نہیں کہ رذائل کے اجتناب ہی سے آدمی کی جسمانی قلبی، دماغی اخلاقی اور روحانی صحت وسلامتی قائم ہے۔ اکرم الناس اتقاھم جو زیادہ پرہیزگار ہے وہی شخص سب سے بزرگ ہے۔

من رزق تقی فقد رزق خیر الدنیا والآخرۃ اللہ تعالیٰ نے جسکو پرہیزگاری دی اس کو دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں دی گئیں۔ التقی کریم علی اللہ والفاجر شقی ھین علی اللہ پرہیزگار شخص خدا کا محبوب ہے، اور بدکار شخص خدا کی نظر میں ذلیل ہے۔

ایھا الناس الا ان ربکم واحد الا ان اباکم واحد الا لافضل لعربی علی عجمی الا لافضل لاحمر علی اسود الا بالتقویٰ۔ لوگو تم سب کا پالنہار ایک ہے تم سب کا باپ ایک ہے، عربی کو عجمی پر، گورے سرخ رنگ والے شخص کو کالے پر کوئی فوقیت وبرتری اور فضیلت نہیں، مگر تقویٰ سے۔

دوا اور علاج کی ترغیب ہر انسان کی زندگی میں کچھ ایسے اوقات اور ایام ضرور آتے ہیں جن سے وہ کسی مرض اور بیماری کا شکار ہو جاتا ہے۔ ایسے مواقع پہ دفع امراض کے لئے علاج اور دوا کی جانب توجہ دینی چاہئے۔ مرض سے غفلت اور علاج سے عدم التفات کوئی دینداری اور دانشمندانہ فعل نہیں ہے۔ حضور اکرمؐ نے ان لفظوں میں علاج ومعالجہ کی جانب توجہ مبذول فرمائی ہے۔ عن اسامۃ بن شریک قال قالوا یا رسول اللہ افنتداوی قال نعم یا عباد اللہ

تداووا فان اللہ لم یضع داء الا وضع لہ شفا غیر داء واحد الھرم (ابوداؤد)

حضرت اسامہ بن شریک کی روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ بدوی لوگوں نے پوچھا۔ کیا دوا اور علاج ومعالجہ نہ کریں؟ آپ نے فرمایا۔ اللہ کے بندو! علاج ضرور کرو۔ اللہ نے جو بھی بیماری پیدا کی ہے اس کے لئے شفا بھی رکھی ہے سوائے بڑھاپے کے۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء (بخاری) حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ نے جو مرض بھی پیدا کیا ہے اس کے لئے شفا بھی پیدا کی ہے۔

عن جابر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل داء دواءٌ فاذا اصیب دواء الداء برأ باذن اللہ (مسلم) حضرت جابرؓ کا کہنا ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا ہر مرض کے لئے ایک دوا ہے۔ اگر وہ دوا اس مرض کی ہے تو اللہ کے حکم واذن سے شفا حاصل ہوگی۔

تداووا عباد اللہ فان اللہ عزوجل لم ینزل داءً الا انزل معہ شفاء الا الموت والھرم۔

خدا کے بندو! علاج کراؤ۔ اللہ نے موت اور بڑھاپے کے سوا ہر مرض و بیماری کے لئے شفا رکھی ہے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ کوئی مرض لاعلاج نہیں البتہ کسی مرض و بیماری کے لئے صحیح دوا تجویز کرنے کے لئے تحقیقات کرنی چاہیئے۔ ان حدیثوں میں ایک طرف اطباء کے لئے تحقیق کی جستجو قائم رکھنے کی دعوت دی جارہی ہے، تو دوسری طرف مریضوں کے لئے تسلی ہے کہ ہر مرض کے لئے شفا ضرور ہے سوائے اس کے کہ ان کے مرض میں موت رکھی گئی ہو۔

شہد، پچھنہ، مدینہ کی کھجور عجوہ کے اندر شفاء

الشفاء ثلاث شربۃ عسل وشرطۃ محجم وکیۃ نار وانھی امتی عن الکی (بخاری)

تین چیزوں میں شفا ہے، شہد کا گھونٹ، پچھنے کا نشان اور آگ کا داغ لگانا۔ میں اپنی امت کو آگ کے داغ سے منع کرتا ہوں۔

عن عامر بن سعد ابن ابی وقاص عن ابیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من تصبح سبع تمرات عجوۃ لم یضرہ ذلک الیوم سم و لا سحر۔ (ابوداؤد)

حضرت عامر بن سعد کا کہنا ہے کہ ان کے والد نے فرمایا حضور اکرمؐ نے کہا جو شخص بھی نہار منہ عجوہ کھجور سات عدد کھالے تو اسے پورے دن میں زہر اور جادو کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

عن سعد ابن ابی وقاص قال مرضت مرضا اتانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعودنی فوضع یدہ بین ثدییّ حتی وجدت بردھا فی فؤادی فقال انک رجل مفؤد ایت الحارث

بن کلدہ اخا ثقیف فانہ رجل تطبب فلیاخذ سبع تمرات من عجوۃ لم یضرہ ذالک الیوم سم ولا سحر (ابوداؤد) حضرت سعد فرماتے ہیں' میں بیمار ہوا تو حضور اکرم میری عیادت کے لئے تشریف لائے' اور اپنا دستِ اقدس میرے سینہ پہ رکھا جس کی ٹھنڈک میں نے اپنے دل میں محسوس کی۔ آپؐ نے فرمایا تمہیں دل کی شکایت ہے۔ لہٰذا بنو ثقیف کے آدمی حارث بن کلدہ کی طرف رجوع کرو' وہ اس مرض کا بہترین علاج کریگا۔ دل کی بیماری میں آدمی کو مدینہ کے کھجور (عجوہ) سات عدد گٹھلی سمیت کھاتے رہنا چاہیئے۔

حرام چیزوں سے علاج نہ کیا جائے

دفع امراض کے لئے حلال اور طیب اشیاء کا استعمال کیا جائے۔ خدا نے حرام اور گندی چیزوں میں کوئی شفا نہیں رکھی ہے۔ چنانچہ حضور اکرم سے شراب کو بطور علاج استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپؐ نے منع فرمایا اور کہا وہ خود ہی ایک بیماری ہے لا ولکنھا داؤ (ابوداؤد) ان اللہ انزل الداء والدواء وجعل لکل داء دواء فتداووا ولا تداووا بحرام۔

اللہ نے مرض اور دوا نازل کی ہے' ہر بیماری کے لئے دوا ہے' تم علاج کرو اور حرام چیزوں کو دوا اور علاج کے لئے استعمال نہ کرو۔

ان اللہ تعالیٰ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم فلا یجوز التداوی بالحرام (بخاری)

اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں میں تمہارے لئے کوئی شفا نہیں رکھی ہے جو حرام قرار دی گئی ہیں۔

عن عبدالرحمان بن عثمان ان طبیبا سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن الضفدع یجعلھا فی دواء فنھاہ عن قتلھا (ابوداؤد)

ایک طبیب نے حضور اکرمؐ سے مینڈک بطور دوا استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے منع فرمایا۔

عن ابی ھریرۃ قال نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الدواء الخبث۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم نے ناپاک اور حرام اشیاء کو بطور دوا استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (کیونکہ پاک وطیب چیزوں کی فراوانی کی حالت میں حرام اشیاء کی جانب توجہ کی چنداں ضرورت واحتیاج نہیں۔

روحانی علاج

روحانی علاج و معالجہ میں صرف ان ماثور اوراد و روایات اور دعاؤں سے مریض پہ دم کیا جائے جس میں کفر اور شرک کا شائبہ نہ ہو اور ان کے اندر توکل علی اللہ کے منافی کوئی بات نہ ہو' تو اس قسم کا علاج فی نفسہٖ ممنوع نہیں ہے۔ دعاؤں میں بڑی تاثیر رکھی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مریض کی عیادت کے موقعہ پر بیمار کے حق میں دعا کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

مسلم کی روایت ہے کہ حضور اکرم نے صحابہ سے فرمایا تم جو پڑھ کر دم کرتے ہو اُسے میرے سامنے پیش کرو' اگر ان میں شرک کا پہلو نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

اعرضوا علی رقاکم لا باس بالرقی مالم یکن فیہ شرک (مسلم) "مواہب اللدنیہ" میں مرقوم ہے علماء نے اس قسم کے روحانی علاج کو تین شرط کے ساتھ جائز قرار دیا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور اس کے اسماء و صفات کے ذریعہ علاج کیا جائے۔ دوسری شرط عربی زبان میں ہو' اور اگر کسی دوسری زبان میں ہو تو اس کا مفہوم بالکل واضح ہو' تاکہ کوئی خلافِ شرع بات شامل' ہو تو اسے ترک کیا جائے اور تیسری شرط یہ ہے کہ اس میں تاثیر اللہ کے اذن اور حکم سے ہے' یہ عقیدہ ملحوظ رہے۔

قرآن کریم میں شفاء قرآن و حدیث کی عبارتوں کا استعمال کرنے میں نہ صرف جواز بلکہ مستحب ہے خیر الدواء القرآن (ابن ماجہ) بہترین دواء قرآن کریم ہے۔ اس حدیث کی تائید قرآن کریم کی اس آیت سے ہوتی ہے

و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے حضورؐ اکرم نے ارشاد فرمایا' دو چیزوں میں شفاء ہے لہٰذا انہیں مت چھوڑو۔ قرآن کریم اور شہد۔

علیکم بالشفائین العسل والقرآن۔

شیخ ابو القاسم قشیری سے منقول ہے کہ ان کے صاحبزادے مرض شدید کے شکار ہو گئے' یہاں تک کہ زندگی کی امید ختم ہو گئی۔ انہوں نے خواب میں حضورؐ اکرم کو دیکھا اور اپنے فرزند کی حالت بیان فرمائی تو آپؐ نے کہا آیاتِ شفاء سے استفادہ کیوں نہیں کیا گیا؟ وہ نیند سے بیدار ہوئے' اور قرآن کریم میں آیاتِ شفا کو تلاش کیا تو چھ مقامات پر لفظ شفا پایا گیا:۔

ویشف صدور قوم مؤمنین

شفاء لما فی الصدور

یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس۔

ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمؤمنین

واذا مرضت فھو یشفین۔ قل ھو للذین امنوا ھدی و شفاء۔

حضرت قشیری فرماتے ہیں' میں نے ان آیات کو لکھا اور پانی میں گھول کر اپنے فرزند کو پلایا تو انہیں شفاء نصیب ہوئی۔ (مواہب اللدنیہ)۔ بیہقی کی روایت ہے ایک شخص نے حضورِ اکرمؐ سے دردِ حلق کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا' قرآن کریم کی تلاوت پابندی سے کرتے رہو۔

حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں ایک شخص نے حضورؐ اکرم سے سینہ کے درد کی شکایت کی تو آپؐ نے تلاوتِ قرآن کا حکم دیتے ہوئے کہا' اللہ نے قرآن کو شفاء لما فی الصدور کہا ہے (یعنی سینوں کے امراض کے لئے قرآن میں شفاء ہے)۔

سورۃ الفاتحۃ سے متعلق حضورِ اکرمؐ نے فرمایا اس میں ہر مرض کے لئے شفاء ہے۔ فی فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء (موطا امام محمد)

اسی لئے اس سورۃ کا نام شفاء بھی ہے۔

قرآن دم کرنا

بخاری شریف میں ابو سعید خدری کی روایت ہے چند اصحاب رسول کا گزر ایک چشمہ پر سے ہوا۔ وہاں ایک قبیلہ رہتا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ ایک شخص صحابۂ کرام کے پاس آیا تاکہ علاج کیا جائے چنانچہ ابو سعید نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو زہر زائل ہو گیا۔

بخاری شریف میں حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر لیٹتے تو سورۂ اخلاص اور معوذتین (سورۂ فلق۔ سورۃ الناس) پڑھ کر اپنی ہتھیلیوں پر پھونکتے اور اپنے چہرہ پر اور سارے بدن پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیر لیتے تھے۔ بیماری کے دنوں میں مجھ سے فرماتے تھے کہ میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ کے چہرہ اور جسم پر ہاتھ پھیروں۔

مسنون دعائیں

حضور اکرم ﷺ نے علاج و معالجہ اور دوا کی ترغیب کے ساتھ ساتھ دعاؤں کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ جب تک اللہ کی مشیت اور اس کا فضل نہ ہو کوئی مرض ختم نہیں ہو سکتا۔ خواہ کیسی ہی بہترین دوا تجویز کی جائے۔ اسی لئے حسن تدابیر اور دواؤں کے ساتھ ساتھ صحت و شفا کے لئے اللہ تعالٰے سے دعائیں کرتے رہیں اور اسی کے فضل و کرم پر بھروسہ کریں۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت ہے حضور ﷺ اکرم تکلیف کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:۔

لا الٰہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الٰہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الٰہ الا اللہ رب السمٰوات والارض ورب العرش الکریم ۔ (بخاری)

ایام مرض میں اس دعا کا پڑھنا حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا اللھم رب الناس مذھب الباس اشف انت الشافی لا شافی الا انت شفاء لا یغادر سقما (بخاری)

حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو جب بھی کوئی مشکل پیش آتی تو آپ یہ دعا پڑھتے یا حی یا قیوم برحمتک استغیث

ابوداؤد کی روایت ہے صبح و شام حضور اکرم یہ دعا پڑھتے تھے۔

اللھم عافنی فی بدنی اللھم عافنی فی سمعی اللھم عافنی فی بصری لا الٰہ الا انت۔

طبرانی کی روایت ہے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب بھی مجھے کوئی مشکل وہ اور کرب انگیز واقعہ پیش آیا تو حضرت جبرئیل پہنچے اور انہوں نے یہ دعا پڑھنے کے لئے کہا توکلت علی الحی الذی لا یموت والحمد للہ الذی لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا۔

حضور اکرم نے فرمایا جو شخص بھی رنج و تکلیف اور پریشانی کے وقت یہ آیۃ الکرسی اور سورہ البقرہ کی آخری دو آیتیں تلاوت کریگا تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا۔ (مواہب)

حضرت سہیل نے اپنے والد سے روایت کی ہے کہ قبیلہ اسلم کا ایک شخص بارگاہِ رسالت میں آپہنچا اور حضور ﷺ اکرم سے عرض کیا یا رسول اللہ! رات مجھے بچھو نے کاٹ لیا۔ اس پر حضور ﷺ اکرم نے کہا اگر تم ہر شام یہ دعا پڑھ لیتے تو انشاء اللہ کوئی چیز تمہیں ضرر نہیں پہنچاتی۔

اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (ابو داؤد)

ابان بن عثمان کی روایت ہے کہ انہوں نے اپنے والد سے سنا حضور اکرمؐ نے فرمایا جو شخص بھی علی الصباح تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو شام تک بلاؤں سے محفوظ رہیگا۔ اور اسی طرح سر شام پڑھ لے تو صبح تک ہر قسم کی آفت اور بلا سے مامون رہیگا۔

بسم اللہ الذی لا یضر مع اسمہ شیئ فی الارض ولا فی السماء وھو السمیع العلیم۔

سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا جو شخص بھی حضرت یونسؑ کی دعا پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر غم کو دور کر دے گا:۔

لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظالمین

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ ایک روز حضور اکرم مسجد میں داخل ہوئے تو حضرت ابو امامہ انصاری کو دیکھ کر پوچھا کیا بات ہے اوقات نماز کے علاوہ تم مسجد میں دکھائی نہیں دیتے، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ رنج و غم اور قرض نے گھیر رکھا ہے۔ اس پر حضور اکرمؐ نے کہا کیا میں تمہیں ایسی دعا بتلا دوں جس کے پڑھنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے رنج اور قرض کو دور کر دیگا۔ انہوں نے کہا خدا کے رسولؐ ضرور بتلائیے۔ حضور اکرمؐ نے یہ دعا بتلائی:۔

اللھم انی اعوذ بک من الھم والحزن واعوذ بک من العجز والکسل و اعوذ بک من الجبن والبخل واعوذ بک من غلبۃ الدین وقھر الرجال۔

حضرت ابو امامۃ انصاری کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ دعا پڑھنی شروع کی تو اللہ کے فضل و کرم سے ان کا غم اور قرض دور ہو گیا۔

بیماری سے گناہ معاف ہوتے ہیں

امراض پر صبر کیا جائے کیونکہ بیماری مومن کے لئے اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔

ما من مصیبۃ تصیب المسلم الا کفر اللہ بھا عنہ حتی الشوکۃ یشاکھا بھا۔ (بخاری)

ایک مسلمان کو تکلیف، مرض، حزن اور غم لاحق ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک کانٹا بھی جو اسے چبھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے بھی اس کی خطاؤں کو معاف کرتا ہے۔

اور مشکوٰۃ کی ایک حدیث میں خصوصیت کے ساتھ بخار کو گناہوں کا کفارہ قرار دیا گیا ہے کہ بخار مومن کے خطاؤں کو اسی طرح دور کرتی ہے جس طرح کیر لوہے کی خباثت کو دور کرتا ہے

عن جابر قال دخل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ام السائب فقال مالک تزفزفین قالت الحمی لا بارک اللہ فیھا فقال لا تسبی الحمی فانھا تذھب خطایا بنی آدم کما یذھب الکیر خبث الحدید (مشکوٰۃ)

امراض پر اجر و ثواب

عن ابی موسی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا مرض العبد او سافر کتب لہ بمثل ما کان یعمل مقیما۔ (مشکوٰۃ)

حضرت ابو موسیٰ کا کہنا ہے حضور اکرمؐ نے ارشاد

فرمایا "جب بندہ بیمار ہو جاتا ہے یا سفر میں رہتا ہے، تو اس کے لئے ان اعمال کا ثواب برابر لکھا جاتا رہتا ہے جن کو وہ صحت اور اقامت کی حالت میں کرتا رہتا تھا۔

اذا ابتلی اللہ عزوجل العبد المسلم ببلاءٍ فی جسدہ قال اللہ عزوجل للملك اکتب له صالح عمله الذی کان یعمل وان شفاہ غسله وطهرہ وان قبضه غفرله۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندۂ مسلم کو کسی جسمانی تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تو فرشتہ کو حکم دیتا ہے کہ یہ بیمار بندہ حالت صحت میں جو اعمال صالحہ کیا کرتا تھا وہ اب بھی اس کے حساب میں لکھتے رہو۔ اگر اسے شفا دیتا ہے تو پاک وصاف کرتا ہے اور اگر موت دیتا ہے تو اس کی مغفرت فرماتا ہے۔

متعدی امراض سے بچنے کی ہدایت

بہیات تحقیقات و تجربات کی روشنی میں پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ بعض بیماریاں اور امراض کے جراثیم پھیل جانے کی وجہ سے دوسرے لوگوں پر بھی ان امراض کا حملہ ہو جاتا ہے اسی لئے حضور اکرمؐ مجذوم اور اس کے مثل دیگر متعدی مریضوں سے دور رہنے کی تاکید فرمائی۔ فرمن المجذوم کما تفرمن الاسد مجذوم سے دور رہو جس طرح شیر سے دور رہتے ہو اسی طرح حضور اکرمؐ نے اس مقام پر جانے سے منع فرمایا جہاں طاعون ہیضہ وغیرہ جیسے امراض پھیلے ہوئے ہوں۔ اذا سمعتم الطاعون بارض فلا تدخلوھا۔

بیماروں کی مزاج پرسی

کسی بیمار کی مزاج پرسی اور اس کے حق میں صحت وسلامتی کی دعا کرنا حضور اکرمؐ کی سنت اور ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ ابوداؤد کی حدیث ہے حضور اکرمؐ نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی عیادت کرے اور یہ دعا پڑھے تو اللہ تعالیٰ مریض کو ضرور شفا عطا فرماتا ہے بشرطیکہ اس مرض میں اس کی موت نہ رکھی ہو۔

أسال اللہ العظیم رب العرش العظیم ان یشفیك

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ایک مریض اعرابی کی عیادت فرمائی اور یہ دعا کی لا باس طھور ان شاء اللہ۔ (مشکوٰۃ)

بیماری میں صدقہ اور خیرات کیا جائے

صدقہ وخیرات سے بلائیں اور مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور صدقہ سے اللہ کا غضب ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بیماری میں صدقہ وخیرات کثرت سے کیا جائے تاکہ اللہ کی رحمت اس نیکی کے وسیلہ سے مائل ہو جائے۔ ترمذی کی حدیث ہے حضرت انسؓ نے فرمایا حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ دیا کرو کیونکہ صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری حالت میں موت آنے نہیں دیتا ان الصدقة لتطفی غضب الرب وتدفع میتة السوء (ترمذی) حضور اکرمؐ نے خصوصیت کے ساتھ حکم دیا ہے کہ امراض کا علاج صدقہ کے ذریعہ کرو۔ حدیث کے الفاظ ہیں داووا مرضاکم بالصدقة اپنے بیماروں اور مریضوں کا علاج صدقہ سے کرو۔

حاصل کلام احادیث کا ایک مختصر جائزہ اور مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اسلامی زندگی کے کسی بھی شعبے میں احادیث کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی قانون سازی کا تاریخی جائزہ

تلخیص و ترجمہ: از افضل العلماء مولوی حافظ البشیر الحق قریشی ادھونی استاذ دار العلوم لطیفیہ

دوسری قسط

اسلامی قانون سازی کے سربراہ

صحابہ میں سے بعض شخصیتوں کا مختصر تعارف پیش کیا جارہا ہے جنہیں اسلامی قانون سازی کی سربراہی کا شرف حاصل رہا۔ چنانچہ مدینہ منورہ میں حضرت زید رض بن ثابت، مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ رض بن عباس، عراق میں عبداللہ بن مسعود رض اور مصر میں عبداللہ رض بن عمرو بن العاص، تشریع اسلامی کے سربرآوردہ افراد رہے۔

حضرت زید رض بن ثابت

آپ کا اسم گرامی سعید زید بن ثابت ضحاک نجاری انصاری ہے ہجرت رسول ص کے وقت آپکی عمر گیارہ سال تھی اور اس وقت آپ کو قرآن کریم کی سولہ سورتیں حفظ تھیں۔ غزوۂ خندق اور اس کے بعد ہونے والی جنگوں میں شریک رہے۔ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر حضور ص نے بنو نجار کا علم حضرت عمارہ بن حزم کے ہاتھوں سے لے کر آپ ہی کے ہاتھ میں دیا تھا۔ حضور ص اکرم سے جب اسکی وجہ معلوم کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا۔ قرآن کریم مقدم ہے اور زید کو قرآن کی سورتیں زیادہ حفظ ہیں۔

حضرت زید کو اس بات کا بھی شرف حاصل رہا کہ آپ وحی کی کتابت فرماتے اور حضور اکرم ص کے رسائل و مکاتیب تحریر فرمایا کرتے تھے۔

حضرت زید فرماتے ہیں کہ حضور ص اکرم نے مجھ سے فرمایا۔ مجھے اس بات کا خدشہ ہے کہ میں جس قوم کی طرف پیغامات بھیجتا ہوں کہیں وہ کمی وبیشی نہ کر بیٹھیں، لہٰذا تم سریانی زبان سیکھ لو۔ حضور ص اکرم کی ایماء پر میں نے سترہ دنوں میں سریانی زبان اور پندرہ دن کی مدت میں عبرانی زبان سیکھ لی۔

عہد صدیقی وفاروقی میں آپ بحیثیت نقل نویس اور سکریٹری کی خدمات انجام دیتے رہے اور دَورِ عثمانی میں بیت المال کے ناظم رہے اور حضرت عمر و حضرت عثمان اپنے دَورِ خلافت میں جب بھی حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جاتے تو آپ ہی دار الخلافت مدینہ منورہ میں خلافت کی ذمہ داریوں کو سنبھالا کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے مشورہ سے آپ ہی نے تدوین قرآن کی عظیم الشان خدمت انجام دی۔ اس موقع پر حضرت ابوبکر نے آپ کے حق میں یہ رائے ظاہر فرمائی تھی کہ آپ ایک ثقہ اور صاحب تقویٰ نوجوان ہیں جس پر ہم کسی قسم کا الزام نہیں رکھ سکتے۔ حضرت زید کے عادل ہونے کے لئے یہی قول کافی ہے۔

مدینۂ منورہ میں قضاءت، فتویٰ نویسی، قرأۃ اور فرائض کی ذمہ داریاں آپ ہی سے منسلک رہیں۔ آپ کی شان میں آنحضرت ﷺ نے جماعت صحابہ کے سامنے ارشاد فرمایا۔ زید فرائض کے معاملہ میں تم سب سے زیادہ علم و بصیرت رکھتے ہیں۔

حضرت شعبی فرماتے ہیں علم فرائض اور قرآن کریم کے معاملہ میں حضرت زید بن ثابت کو سارے لوگوں پر فوقیت حاصل تھی۔ حضرت عباس کا کہنا ہے صحابۂ کرام کی اکثریت کا یہ خیال ہے کہ راسخین فی العلم میں حضرت زید بن ثابت بھی ہیں۔

حاصل تحریر: حضرت زید کو قرآن و حدیث کا وسیع فہم حاصل تھا اور آپ کو احکامات مسائل کے استنباط و استخراج پر بڑی مہارت حاصل تھی۔ چنانچہ نئے پیدا شدہ مسائل جن کے لئے قرآن و حدیث سے کوئی نظیر فراہم نہ ہو تو وہاں رائے اور اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

امور قضاء، مسائل فقہیہ اور علم فرائض کے معاملہ میں حضرت عمر اور حضرت عثمان کسی شخص کو بھی حضرت زید بن ثابت پر ترجیح نہیں دیتے تھے۔

حضرت زید بن ثابت نے ۹۲ حدیثیں حضور اکرم سے روایت کی ہے جن میں سے پانچ حدیثوں پر امام بخاری اور امام مسلم کا اتفاق ہے اور اس کے علاوہ صرف چار حدیثیں صحیح البخاری میں اور ایک حدیث صحیح المسلم میں ہے۔ اس لحاظ سے بخاری میں آپ کی روایت کردہ احادیث نو ۹ اور مسلم میں چھ ۶ ہوتی ہیں۔

حضرت زید بن ثابت نے ۴۵ھ میں وفات پائی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضور اکرمؐ کے چچازاد بھائی تھے۔ آپ کی پیدائش ہجرت سے تین سال قبل ہوئی۔ جبکہ خاندان بنو ہاشم شعب ابی طالب میں محصور تھے۔ ولادت کے بعد آپ کو حضور اکرمؐ کے ہاتھوں میں دیا گیا تو آپؐ نے اپنے سینۂ مبارک سے لگالیا اور لعاب دہن سے تحنیک فرمائی۔

اور یہ دعا دی اللھم فقھہ فی الدین وعلمہ التاویل وفی روایۃ علمہ الحکمۃ اے اللہ اس نومولود کو دین کی سمجھ اور کلام ربانی کی تفسیر کا فہم عطا فرما اور حکمت و دانائی سے نواز۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس کی علمی استعداد کی بنا پر آپ کو روشنائی علم اور دریائے علم کہا جاتا تھا۔ اور آپ چار عبادلہ[عه] میں سے ایک ہیں۔

اور آپ کا شمار ان چھ[عله] حضرات میں بھی ہوتا ہے، جنہوں نے احادیث کی روایت کثرت سے کی ہے۔ چنانچہ آپ نے حضور اکرمؐ سے ۱۶۷۰ حدیثوں کی روایت کی ہے جن میں سے ۹۵ حدیثوں کو متفقہ طور پر امام بخاری اور امام مسلم نے صحیحین میں نقل کیا ہے اور صرف بخاری شریف میں ۱۲۰ اور صرف مسلم میں ۴۹ احادیث ہیں۔ اس لحاظ سے بخاری شریف میں آپ کے حدیثوں کی تعداد ۲۱۵ اور

عـه عبادلہ سے مراد عبداللہ بن مسعود۔ عبداللہ بن عمرو۔ عبداللہ بن عباس۔ اور بقول دیگر عبداللہ بن زبیرؓ اور عبادلہ میں زید بن ثابت، ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل۔ حضرت عائشہ اور ابو موسیٰ اشعری کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ (نور الانوار)

عله حضرت ابوہریرہ۔ حضرت عائشہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر۔ حضرت انس بن مالک۔ حضرت ابن عباس۔ حضرت جابر بن عبداللہ

مسلم شریف میں ۱۶۶۰ تک پہنچتی ہے۔

عبداللہ بن عباس کی اکثر روایات جلیل القدر صحابہ سے ہیں کیونکہ وفات نبویؐ کے موقعہ پر آپ کی عمر تیرہ سال تھی۔ آپ نے صحابہ سے حدیثوں کو حاصل کرنے اور انہیں جمع کرنے میں بڑی محنت وجانفشانی سے کام لیا۔ فرماتے تھے حضور اکرمؐ کی اکثر وبیشتر حدیثوں کو میں نے انصاریوں سے حاصل کیا ہے۔ اور جس شخص کے متعلق بھی یہ بات معلوم ہوتی کہ اس کے پاس احادیث موجود ہیں، تو میں اس کے پاس چلا جاتا اور اگر اس کو سوئے ہوئے پاتا تو اس کے بیدار ہونے تک اسی کے در پر انتظار میں بیٹھ جاتا۔ چنانچہ راہ کی گرد سے میرا چہرہ غبار آلودہ ہو جاتا تھا لیکن میں اس کے بیدار ہونے کے بعد احادیث حاصل کرکے ہی واپس جاتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس کی علمی گہرائی وگیرائی ذہانت وذکاوت اور استدلال واجتہاد کی صلاحیت وقابلیت کی وجہ سے حضرت عمر آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتے تھے اور آپ کی بڑی عزت وتعظیم کرتے تھے۔ اور باوجود صغر سنی کے آپ کو ملی اور مشاورتی مجالس میں شامل کرلیتے تھے۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عمر سے پوچھا کہ ہمارے لڑکے بھی تو عبداللہ بن عباس کے مانند ہیں لیکن کسی کو یہ مقام نہیں دیا گیا۔

حضرت عمر نے جواب دیا۔ عبداللہ کو یہ مقام ان کے علم وفضل کی بنا پر ملا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نہایت درجہ خلیق ومتواضع تھے۔ صحابہ میں جب کبھی کسی موضوع پر گفتگو ہوتی تو حضرت عمرؓ آپ کی طرف متوجہ ہوتے لیکن آپ عرض کرتے کہ جب تک یہ اکابرین گفتگو نہ کرلیں میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں عبداللہ ہمارے نوجوانوں میں ممتاز آدمی ہیں اور ان تمام کے درمیان خلق واخلاق اور کتاب اللہ کے علم وفہم اور بصیرت کے لحاظ سے فائق ہیں۔

امام بخاری نے تفسیر سورۃ العصر کے باب میں حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایکمرتبہ حضرت عمرؓ نے حاضرین غزوۂ بدر کے ساتھ مجھے بھی مدعو کیا اور ان حضرات سے سوال کیا کہ آپ لوگ اللہ تعالیٰ کے اس قول اذا جاء نصر اللہ والفتح کے بارے میں کیا فرماتے ہیں بعض حضرات نے کہا ہم اللہ کی حمد وثنا کریں اور اس سے توبہ واستغفار کریں تو اسکی نصرت حاصل رہیگی اور ہمیں فتح وکامرانی نصیب ہوگی۔ بعض حضرات نے سکوت فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا کیا ارشاد ربانی کا مذکورہ مفہوم یہی ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ اس کے ذریعہ حضور اکرمؐ کی وفات کا اعلان کیا جا رہا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا ہاں! میں بھی اس سے یہی مراد سمجھتا ہوں۔

یہ بات حضرت ابن عباس کی قوتِ فہم وبصیرت اور جودت فکر کی روشن دلیل ہے۔ حاصل کلام، فصاحت فہم وذکاوت کے اعتبار سے ایک عرب شخص کے اندر جتنی خصوصیات ہوسکتی ہیں وہ سب ابن عباس کے اندر پوری

طرح جلوہ گر تھی حضرت ابن مسعود کا قول ہے' ابن عباس حقائق اور معانی قرآن کی فہمائش و تفہیم کے لئے بہترین ترجمان ہیں۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ ابن عباس امت میں قرآن کریم کا گہرا علم رکھنے والے ہیں۔

حضرت عطا فرمایا کرتے تھے' ابن عباس کی مجلس سے زیادہ بزرگ مجلس میں نے کہیں نہیں پائی۔ بیک وقت ان کی مجلس میں فقہا' مفسرین' شعراء وغیرہ رہتے۔

حضرت عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہؓ فرماتے ہیں' میں نے ابن عباس سے بڑھ کر احادیث کا علم رکھنے والا کسی کو نہیں دیکھا اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ کے فیصلوں کو ضبطِ ذہن رکھنے والا ان سے بڑھ کر کوئی نہیں نکلا اور فقہ کے اندر ان سے فائق تر فقیہہ کوئی نظر نہیں آیا۔ اور میں نے کسی ایسے شخص کو نہیں دیکھا جو عربی ادب تفسیر' شعر' حساب اور فرائض میں ان سے بھی بڑھ کر جاننے والا اور مہارت رکھنے والا ہو۔ وہ ایک روز فقہ' ایک روز تفسیر' ایک روز مغازی' ایک روز شعر' ایک روز تاریخ اس طرح ہر روز ایک ایک فن پر درس دیا کرتے تھے۔ میں نے کسی ایسے عالم کو نہیں دیکھا جو ان کی درسگاہ میں شریک ہوا اور ان کے علم و فضل اور کمال کو تسلیم نہ کیا ہو' اور نہ میں نے کسی علم کے پیاسے کو دیکھا جو اپنی تشنگئ علم کو بجھائے بغیر ان کے چشمۂ علم سے واپس لوٹا ہو۔

آپ کی ساری عمر تعلیم و تعلم میں بسر ہوئی۔ سلطنت و امارت سے اپنا دامن بچائے رہے۔ البتہ چند دنوں کے لئے بصرہ کے عامل ہو گئے تھے۔ ۶۸ھ کو ۷۱ سال کی عمر میں بمقام طائف رحلت کر گئے۔

علم تفسیر اور فقہ میں اہل مکہ کا مرجع آپ ہی کی شخصیت رہی۔

عبداللہ بن مسعود

آپ کا اسم گرامی ابو عبدالرحمن عبداللہ بن مسعود بن غافل الہذلی ہے' اور والدہ کی جانب نسبت کی وجہ سے آپ کو ابن ام عبد بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے اسلام کی دولت کو روئے زمین پر سب سے پہلے قبول کیا چنانچہ قبول اسلام میں آپ کا چھٹا نمبر ہے' اور آپ ہی نے پہلی مرتبہ قریش کو قرآن کریم جہرا پڑھ کر سنایا۔ حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں ہجرتوں کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ بدر' احد اور تمام غزوات میں شریک رہے' غزوۂ بدر میں آپ ہی نے ابوجہل پر پہلا وار کیا۔

حضور اکرمؐ نے آپ کے جنتی ہونے کی بشارت دی ہے ہمیشہ صحبت نبویؐ کی سعادتوں و برکتوں سے مستفیض ہوتے رہے اور اپنا سارا وقت حضور علیہ السلام کی خدمت میں صرف کیا کرتے تھے۔ آپؐ کے لئے مسواک' طہارت' جوتے وغیرہ کا انتظام فرماتے اور جب آپ چلنے کا ارادہ فرماتے' تو اپنے ہاتھوں سے جوتے پہناتے اور آپؐ جہاں جلوہ افروز ہوتے تو جوتے نکال کر اپنے ہی ہاتھوں میں رکھ لیتے تھے اور حضورؐ کہیں جانے کے ارادہ سے چلنے لگتے تو آپ آگے آگے رہتے تاکہ نبی کریمؐ کو کوئی زحمت پیش آئے۔ اور جب حضور اکرمؐ

غسل اور طہارت کا ارادہ فرماتے تو خود پردہ بن جاتے، جب آپ محوِ خواب رہتے تو آپ کی خدمت میں بیدار رہتے اور کاشانۂ نبوی میں بلا جھجک داخل ہو جاتے تھے۔ چنانچہ آپ کی آمد و رفت سے بعض لوگوں نے یہاں تک خیال کیا کہ آپ نبی اکرمؐ کے رشتہ دار ہیں۔ ابوموسیٰ اشعری سے امام بخاری ومسلم نے روایت کی ہے کہ ابوموسیٰ اشعری نے کہا میں اور میرے بھائی یمن سے آئے۔ اس سے قبل ابن مسعود اور ان کی والدہ کو دیکھنے کا موقعہ نہیں ہوا تھا۔ حضورؐ کے گھر میں ابن مسعود اور ان کی والدہ کی آمد و رفت کو دیکھ کر ہمیں خیال ہوا کہ یہ رسول اللہؐ کے قربت دار ہیں۔

حضرت حذیفہؓ سے کہا گیا کہ آپ کسی ایسے شخص کو تبلایئے جو اسوۂ رسولؐ کا مکمل نمونہ اور آپؐ کی تعلیمات کا عامل و محافظ ہو تا کہ ہم اس سے استفادہ کر سکیں۔

حضرت حذیفہؓ نے جواباً ارشاد فرمایا اس سلسلہ میں عبداللہ بن مسعودؓ سے بہتر شخص میں نے کسی کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ انہیں ایسے اوقات میں بھی حضور اکرمؐ سے احادیث وغیرہ سننے کا موقعہ نصیب ہوتا تھا جبکہ ہم سننے سے عاجز اور قاصر رہتے تھے اور وہ ان وقتوں میں بھی حضورِ اکرمؐ کے مکان میں داخل ہوتے تھے جبکہ ہم لوگ نہیں جا سکتے تھے اور انہوں نے یہ جو فرمایا ہے کہ میں نے حضور اکرمؐ کی زبانِ مبارک سے ستر سورتوں کو سنا ہوں اور آپؐ ہی سے ان سورتوں کو سیکھا ہوں۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ بات حقیقت پر مبنی ہے۔ آپ سے ۸۴۸ حدیثیں مروی ہیں۔ ۶۴ احادیث کو متفقہ طور پر امام بخاری و مسلم نے صحیحین میں نقل کیا ہے۔ اور ۲۱ حدیثیں بخاری میں اور ۶۵ حدیثیں مسلم میں ہیں۔

صحابۂ کرام میں سے عبداللہ بن مسعود کو فتویٰ نویسی پر بڑی مہارت تھی، چنانچہ علم تفسیر و فقہ میں آپ کا شمار جلیل القدر مفسرین اور فقہاء میں ہوتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب عبداللہ بن مسعودؓ کو کوفہ روانہ کیا تو اہلیانِ کوفہ کے نام لکھا: عمار بن یاسرؓ کو بحیثیت امیر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو بحیثیت معلم و وزیر تمہارے پاس بھیج رہا ہوں، یہ دونوں حضرات نبی کریم کے اکابرین اصحاب میں سے ہیں اور انہوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی ہے لہٰذا ان دونوں کی اقتداء و پیروی کرو اور وہ جو کچھ حکم دیں اس پر عمل کرو۔ تمہارے پاس عبداللہ بن مسعود کو بھیج کر میں نے اوپر تم کو ترجیح دی ہے

قیام کوفہ کے دوران حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اہل حدیث اور اہل فقہ دونوں استفادہ کرتے رہے۔ اور آپ ہی کوفہ کے معلم اور قاضی تھے۔ چنانچہ اہل کوفہ کے طریقہ کی تاسیس آپ ہی سے ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت عمرؓ کے طریقہ کی پیروی کرتے تھے چنانچہ بہت سے مقامات پر جہاں نص موجود نہ تھی وہاں آپ نے رائے اور اجتہاد سے کام لیا۔ اور آپ کا یہی طرزِ فکر اور طریقہ حضرت علقمہ بن قیس نے اختیار کیا اور اسی طریقہ کو علقمہ سے ابراہیم نخعی نے اختیار کیا اور ابراہیم نخعی سے حماد بن ابی سلیمان نے اختیار کیا۔

جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے استاد تھے۔

عبداللہ بن مسعود اپنی زندگی کے آخری ایام میں کوفہ سے نکل کر مدینہ منورہ میں رہائش پذیر ہو گئے۔ اور یہیں ۳۲ھ ہجری میں راہی ملک بقا ہو گئے۔

عبداللہ بن عمرو بن العاص

عبداللہ نے اپنے والد عمرو سے پہلے اسلام قبول کیا اور آپ قرآن کے علاوہ توریت و انجیل کے بھی اچھے عالم تھے۔ جماعتِ صحابہ میں آپ کی شخصیت اس حیثیت سے ممتاز و منفرد ہے کہ آپ نے احادیث کے حفظ کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی کتابت بھی فرماتے تھے۔ حضور اکرمؐ نے آپ کو احادیث لکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی جبکہ انہوں نے حضور اکرمؐ سے پوچھا، یا رسول اللہ! حالتِ رضا و غضب میں آپ سے جو کچھ سنتا ہوں لکھ لیا کرتا ہوں کیا یہ مناسب ہے؟ حضورؐ اکرم نے فرمایا لکھیئے میری زبان سے حق کے سوا کوئی بات نہیں نکل سکتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، احادیث کو کثرت سے حفظ کرنے والا میرے سوا اگر کوئی ہے تو وہ صرف عبداللہ بن عمرو بن العاص ہیں۔ میرے اور ان کے درمیان صرف یہی فرق ہے کہ وہ لکھتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا۔

حضرت مجاہد ارشاد فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن عمرو کے پاس گیا۔ آپ کے بستر پر ایک قلمی مسودہ موجود تھا۔ میں نے چاہا کہ اسے دیکھوں تو آپ نے منع فرمایا۔ میں نے کہا۔ اس سے قبل آپ نے مجھے کسی چیز کے لینے سے نہیں روکا تو کہنے لگے، یہ صادقہ (مجموعۂ اوراق) ہے جس میں صرف وہ حدیثیں ہیں جو میں نے حضور اکرمؐ سے سُنا ہے اور اس سماعت میں ہمارے درمیان کوئی دوسرا شخص موجود نہیں تھا۔ میں نے کہا اگر آپ مجھے یہ احادیث کا مجموعہ عنایت فرمائیں تو اللہ کی کتاب اور وعظ کے بعد دنیا کی کسی چیز کی مجھے کوئی پروا نہ ہوگی۔

فتح مصر کے موقعہ پر اپنے والد عمرو بن العاص کے ساتھ جہاد میں مصروف رہے اور تعمیر مصر میں بھی آپ کا نمایاں حصہ رہا۔ اور آپ سے اہل مصر نے ایک سو حدیثوں کی روایت کی ہے۔ مصر اور اس کے اطراف کے مسلمانوں کے معاملات و مسائل میں آپ ہی کی ذات گرامی مرجع بنی رہی اور آپ ہی اس علاقہ میں قرآن و سنت کی تعلیم اور فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دیتے رہے اور آپ ہی سے مفتی مصر یزید ابن حبیب اور ان کے تلامذہ جیسے لیث ابن سعد اور ان کے ساتھیوں نے علم حاصل کیا۔ مصر میں عبداللہ بن عمرو بن العاص کا وہی مقام تھا جیسا کہ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود کا اور مکہ میں عبداللہ بن عباس کا رہا۔

ابن سعد کی تحقیق کے مطابق "۶۵ھ ہجری کو عبدالملک بن مروان کے دور میں آپ کی رحلت مصر میں ہوئی اور تدفین آپ کے مکان میں عمل آئی۔

دَورِ تدوین و ائمہ مجتہدین

اس عہد کی ابتداء دوسری صدی ہجری کے اوائل سے ہوئی اور انتہا چوتھی صدی ہجری کے وسط

یں ہوئی۔ یہ دَور قریباً ڈھائی سو سال پر پھیلا ہوا ہے۔
اور اس عہد کو دور تدوین وائمہ مجتہدین کہنے کی وجہ یہ ہے
کہ اسی زمانے میں مسائل و احکام کے لکھنے اور جمع و تدوین کی
تحریک شروع ہوئی۔ اور احادیث کو مدون کیا گیا۔ صحابہ کرام
تابعین اور تبع تابعین میں جو مفتی تھے ان کے فتاویٰ اور
قرآن کی تفسیریں اور ائمہ مجتہدین کی فقہی تصریحات مدون
کئے گئے اور فقہ کے اصول پر کتابیں تصنیف ہوئیں اور اسی
دَور میں اصحاب اجتہاد اور سربراہان قانون سازی کی
ایک بڑی جماعت سے صلاحیتوں اور قابلیتوں کا ظہور
ہوا اور ان لوگوں کے اندر قانون سازی کی پوری روح
سرایت کر گئی تھی۔ چنانچہ حوادث موجودہ اور حوادث ممکنہ
سے متعلق احکام کے استنباط میں اس روح تشریع کا دائمی
اثر پوری طرح کارفرما رہا۔

یہ عہد اسلامی قانون سازی کا سنہری دَور ہے۔
جس میں قانون سازی کی نشو نما ہوئی اور اس کے اندر پختگی
پیدا ہوئی جس سے فقہی سرمایہ جمع ہوا اور ان مستنبط
شدہ مسائل و قوانین کی وسعت کا یہ عالم کہ اسلامی سلطنت
کی وسعت اور اختلاف احوال اور علاقائی مصلحتوں کے
تنوع کے لئے یہی فقہی ذخیرہ پوری طرح متکفل و مکتفی تھا۔

اس عہد میں اجتہاد و استنباط احکام و مسائل
کی تحریک کی سرگرمی اور فقہ اسلامی کے نشو و نما کے
اسباب بہت ہیں۔ جن میں سے اہم یہ ہیں:-

پہلی بات یہ ہے کہ اس عہد میں اسلامی حکومت
کا رقبہ وسیع ہوا اور اس کے حدود دور دور تک پھیلے
اور اس حکومت کے اندر مختلف الاجناس قبائل اور اقوام
شامل ہوگئے۔ اور اسلامی حکومت کی سرحدیں مشرق میں
چین اور مغرب میں بلاد اندلس تھیں اور ان ملکوں اور
قوموں کے لئے قوانین کی ضرورت تھی جن کی طرف حکام اور
قضاۃ کو رجوع کرنا پڑا اور فتاویٰ کی ضرورت تھی،
جن کی طرف اشخاص اور افراد نے رجوع کیا۔

اس قانون سازی اور افتاء کے لئے بجز مصادر
شرعیہ کے اور کوئی مرجع نہ تھا۔ اسی لئے علمائے کرام نے اپنی
کوششیں صرف کیں اور ان مصادر کی جانب رجوع کیا۔
نصوص شرعیہ اور روح شرعیہ اور شارع نے جو احکام کی
دلیلیں قائم کیں ان سے مدد لی۔ حکومت کے مصالح و
حاجات کے لئے احکام بیان کئے۔ اور اس کارروائی میں
انہوں نے اس قدر سرگرمی سے کام لیا کہ نہ صرف واقعی حوادث
کے لئے احکام بیان کئے بلکہ فرضی حوادث کے لئے بھی احکام
مستنبط کئے جس کی وجہ سے شریعت اسلامی میں ہر حاجت
کے لئے گنجائش رہی اور کسی بھی مصلحت کو نظر انداز نہیں
کیا گیا اور یہ حقیقت ہے کہ سیاسی سرگرمی حکومت کی تمام
کارروائیوں میں سرگرمی کی روح پھونک دیتی ہے۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے اس زمانہ
میں قانون سازی اور افتاء کی طرف توجہ کی تو انہوں نے
قانون سازی کے تمام طریقے تیار اور ان کی مشکلات
آسان پایا۔ اس لئے کہ انہوں نے دیکھا تمام مصادر

تشریعیہ ان کے دسترس میں ہیں اور یہ بھی دیکھا کہ ان سے قبل ان کے اسلاف نے بہت سے وقائع اور مشکلات کا حل فراہم کر دیا ہے۔ جیسے قرآن مدون ہو چکا اور امت کے خواص وعام میں پھیل چکا۔ احادیث کا بڑا ذخیرہ دوسری صدی ہجری کی ابتدا میں جمع ہو گیا اور اسی طرح سے صحابہ اور تابعین کے فتوؤں کی تدوین ہو چکی۔ اس زمانہ کے مجتہدین نے قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے میں جو سہولتیں پائیں اور سلف صحابہ اور تابعین کے فتوؤں اور نصوص قرآن وسنت کی تفسیروں میں جو نور انہوں نے پایا یہی چیزیں ان کی اجتہادی سرگرمی میں زیادتی اور ان کی کوششوں کو بارآور کرنے کا باعث بنیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ خلف نہ صرف اپنی عقل سے کام لیتی ہے، بلکہ اپنے سلف کی عقل سے بھی استفادہ کرتی ہے۔

اور تیسری بات یہ ہے کہ اس زمانہ کے مسلمانوں کی شدید خواہش تھی کہ اپنے تمام اعمال، عبادات ومعاملات اور عقود وتصرفات میں احکام شریعت کے موافق ہوں، اسی لئے وہ اپنے کلیات وجزئیات میں اصحاب علم وفقہ کی طرف رجوع کرتے تھے اور ان سے حکم شرعی کا فتوے طلب کرتے تھے۔ اسی طرح حکام وقضاۃ بھی خصومات و قضایا میں مفتیوں اور اصحاب تشریع کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس دور کے مجتہدین ایک ایسا چشمہ تھے جس سے افراد وولاۃ وقضاۃ بلا انقطاع سیراب ہوتے تھے۔ اس طرح سے اجتہادی واستنباطی سرگرمیاں اور تشریعی کارروائیاں مسلسل چلتی رہیں اور اصحاب تشریع کی کوششوں کے نتائج بھی نشو ونما پاتے رہے۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ اس عہد میں ایسی ایسی کوہ پیکر عبقری علمی شخصیتوں کا ظہور ہوا جن میں قانون سازی کی خداداد صلاحیتیں وقابلیتیں اور استعدادیں موجود تھیں۔ اور ان کے ماحول ومعاشرہ نے ان کی استعدادوں، اور قابلیتوں کو بارآور کرنے میں بڑی مدد کی۔ چنانچہ ان میں چند خاص جوہر قابل ایسے تھے جن کے اندر قانون سازی کا ملکہ راسخ تھا جیسے حضرت امام اعظم اور آپ کے اصحاب امام مالک اور آپ کے اصحاب، امام شافعی اور آپ کے اصحاب امام حنبل اور آپ کے اصحاب اور دیگر انکے ہم عصر ائمہ ومجتہدین، ان اکابرین نے اپنی قابلیتوں اور ملکات کے ذریعہ سے فقہ اسلامی کی نشو ونما کی اور ایک اسلامی حکومت کی قانون سازی کی تمام ترحاجتیں اور ضرورتیں پوری کیں۔

اس عہد کے اسلامی ماحول نے اصحاب مذاہب کے عقول کو پختگی اور جلا بخشی کیونکہ صالح عقول کی مثال صالح تخم جیسی ہے۔ جب زمین زرخیز اور فضا عمدہ ہو تو اپنے مفید ثمرات پیش کرتی ہے۔ صرف بیج کا صالح ہونا کافی نہیں جبکہ زمین بنجر اور فضا فاسد ہو۔ اور اسی طرح صرف زمین کے زرخیز ہونے اور فضا اچھی ومناسب ہونے میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں، جبکہ بیج فاسد ہو۔ گویا کہ یہ دونوں چیزیں یعنی اچھی بیج اور زرخیز زمین وصالح فضا باہم ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔ (جاری)

علمائے کرام کی ذمہ داریاں

دارالعلوم لطیفیہ کے طلباء سے خطاب

از: جناب محمد حسین صاحب ضیاء ایم اے
استاذ دارالعلوم لطیفیہ

مکان حضرت قطب ویلور

اس دارالعلوم میں جو طالبان علم داخل ہوتے ہیں، ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دارالعلوم کے مقصدِ قیام کو پورا کریں۔ ظاہر ہے کہ اس کا مقصد ایک ایسی جماعت کی تعلیم و تربیت ہے جو صحیح معنوں میں دین میں تفقہ اور سمجھ بوجھ حاصل کرے، اسلامی تربیت کے ماحول میں رہ کر تقوی کو اپنا شعار بنائے اور اس دارالعلوم سے نکلنے کے بعد دعوۃ الی الخیر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے، حکمت و موعظۂ حسنہ نرم گفتاری کے ذریعہ اور خود قول و عمل میں مطابقت کا عمدہ نمونہ بن کر لوگوں کو نیکیوں اور فضائل کی طرف رغبت دلائے برائیوں اور برائیوں کے نتائج سے خبردار کرے تاکہ وہ ان برائیوں سے حذر اور پرہیز کریں۔ طالب علمی کے زمانہ میں ان امور کی کماحقہ بجا آوری کے لئے علمی اور عملی استعداد پیدا کرنا ان پر لازم ہے۔

ہندوستان میں مسلمانوں نے انگریزی اور علوم جدیدہ کے اسلامی مدارس اور ادارے قائم کئے ہیں۔ ان کا مقصد مسلمان طالب علموں میں اپنے مسلمان ہونے کے شعور کو بیدار رکھنا ہے اور بس۔ ورنہ موادِ تعلیم اور طریق تعلیم میں وہ سرکاری یا اکثریت کے مدارس سے کسی طرح مختلف نہیں۔ ان کے پیش نظر صرف سرکاری یا یونیورسٹی کے امتحانات میں زیادہ سے زیادہ اپنے طلبا کو کامیاب کرانا ہوتا ہے تاکہ انہیں سرکاری یا پبلک اداروں میں اچھی تنخواہ پر ملازمت مل سکے اور اگر وہ آزاد پیشے جیسے ڈاکٹری، انجینیرنگ، آڈیٹری، وکالت جرنلزم وغیرہ اختیار کریں تو انہیں ان میں اچھی مہارت ہو۔ اخلاق فاضلہ یا بلند کردار یا سیرت کی تکوین کے لئے ان کے نظام تعلیم یا نصاب تعلیم میں کوئی گنجائش نہیں۔

لیکن مدارس دینیہ کے قیام کا مقصد قوم کی اصلاح و بہبودی کے لئے قیادت اور رہبری کی صلاحیت رکھنے والے افراد کی تکوین اور تربیت ہے۔ علوم جدیدہ کے محصلین اور مدارس اسلامیہ کے منتسبین بھی قومی اصلاح اور بہبود اور قیادت کے مدعی ہوتے ہیں۔ لیکن ان دونوں گروہوں میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ مؤخر الذکر کے پیش نظر صرف قوم من حیث المجموع ہے اور دوسری قوموں کے موازنہ اور مقابلہ میں اپنی قوم کی دنیوی ترقی اور خوشحالی ہے اور بس۔ افراد کے احوال و معاملات کی اصلاح اور درستی کے وہ

درپے نہیں ہوتے۔ مدارس دینیہ سے نکلنے والے مصلحین اور
قائدین کے پیش نظر افراد اور اشخاص ہیں جن کے مجموعے سے
قوم تشکیل پاتی ہے۔ افراد اچھے ہوں تو قوم بھی اچھی ہے۔ افراد
برے ہیں تو قوم بھی بری ہے۔ اگر ایک فرد بھی برائی کرتا ہے تو
بعض صورتوں میں ساری قوم کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔
ایک فرد کے اعمال کی برائی سے قوم بدنام ہو جاتی ہے۔ سه

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کہہ را منزلت ماند' نہ مہہ را

قرآن کریم نے اسی حقیقت کی طرف اس آیت کریمہ میں
اشارہ کیا ہے: واتقوا فتنة لا تصيبن الذين
ظلموا منكم خاصة واعلموا ان الله شديد العقاب
(۸:۲۵) اور اس فتنے سے بچتے رہو جو اگر اٹھا تو اس کی زد صرف
انہیں پر نہیں پڑے گی جو تم میں ظلم کرنے والے ہیں بلکہ سبھی اس کی
لپیٹ میں آجائیں گے اور جان لو کہ اللہ بدعملیوں کی سزا دینے میں
سخت ہے۔ اسی سے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی اہمیت
اور من رأى منكم منكرا فليغيره بيده (تم میں جو کوئی
کسی برائی کو دیکھے تو چاہئے کہ وہ اس برائی کو بدل ڈالے۔ الحدیث)
کی ضرورت واضح ہو جاتی ہے۔

غرض ان علماء مدارس دینیہ کا اولین مقصد یہ ہے
کہ اسلامی نہج پر افراد قوم کی تربیت اور تہذیب اخلاق ہو۔ امر
بالمعروف اور نہی عن المنکر، فضائل اعمال کی ترغیب اور اعمال
سیئہ اور رذائل سے نفرت دلا کر افراد قوم کو بلند کردار کا
حامل بنایا جائے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلعم کے طریقے پر انہیں
گامزن کیا جائے۔

اگر فی زمانہ یا کچھ مدت سے ایسا نہیں ہو رہا ہے تو یہ قصور
اور کوتاہی ہے جس کا سبب مدارس دینیہ کے اساتذہ اور طلبہ
کی غفلت اور اپنے فرائض سے بے پروائی ہے۔ یہی نہیں' بلکہ
اپنے مقصد وجود سے انحراف اور روگردانی اور عملاً انکار ہے۔
کیا اس موقعہ پر ان وعیدوں کے ذکر کی ضرورت ہے جو ان علماء کے
متعلق جو ساکت عن الحق یا اپنے فرائض سے غافل ہیں۔

یہ جماعت جو علوم دینیہ میں بصیرت رکھنے والی ہے اور
جس کی سیرت کی تکوین تقویٰ سے ہوئی ہو قوم کی رہبری و رہنمائی
نہ کرے تو وہ لوگ جو دین سے ناواقف ہیں جنہیں دین کی بصیرت
حاصل نہیں اور جن کی اصول تقویٰ پر تربیت نہیں ہوئی قوم کی
قیادت اور امامت کے مدعی ہو جائیں گے۔ کیونکہ کارخانۂ قدرت
میں خلا محال ہے۔ صرف جدید علوم اجتماعیہ' ملکی قانون کے اصول
وجزئیات' سائنس اور ٹکنالوجی یا موجودہ اصول و طریق تجارت
وصنعت پر جن کا مبلغ علم منحصر ہے' جن کی کائنات علم میں مادہ
اور مادیات کے ماوراء' علوم اخرویہ یا روح و روحانیات کی
کوئی گنجائش نہیں اس قوم مسلم کی کس طرح اور کیسی قیادت
کریں گے۔ ممکن ہے وہ نیک نیت ہوں لیکن وہ قوم مسلم کی رہبری
کی صلاحیت سے محروم ہیں۔

امام یا خلیفہ کی غیر موجودگی میں امت کا بھی یہ فرض ہے
کہ وہ اپنی قیادت اور رہبری کا منصب اسی کو سونپے جس میں
اسکی اہلیت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان الله يأمركم
ان تؤدوا الامانات الى اهلها (۴:۵۸)۔

خدا تمہیں حکم دیتا ہے کہ جو جس کی امانت ہو وہ اس کے حوالے کر دیا کرو۔ جو جس بات کا حقدار ہو اس کے حق کا اعتراف کر دیا کرو۔ جو چیز جسے ملنی چاہئے وہ اس کے حوالے کر دو۔ وارث کا حق ہو، یتیم کا مال ہو۔ قرضدار کا قرض ہو، امانت رکھنے والے کی امانت ہو۔ اہلیت رکھنے والے کے لئے منصب اور عہدہ ہو۔ اگر معاوضہ کے ساتھ یا بلا معاوضہ کسی کام کے انجام دینے کا ذمہ لیا ہو تو اپنی صوابدید اور پوری استطاعت کے مطابق ذمہ دارانہ طریقہ پہ اپنا فرض ادا کیا جائے۔ جب طلبہ کا امتحان لیا جائے تو کسی رو رعایت یا ناراضی و کراہت کا لحاظ کئے بغیر امتحان دینے والے کو اس کا واجبی درجہ دینا، اول کو آخر اور آخر کو اول نہ کرنا۔ کوئی چیز ہو اور کوئی صورت ہو لیکن جو جس کا حق ہے اور جو جس کا اہل ہے وہ اسے ملنا چاہئے۔ یہ آیت کریمہ ان تمام جزئیات پہ حاوی ہے، اس لئے امت پہ واجب ہے کہ وہ صرف قیادت کی اہلیت رکھنے والوں کو اپنا قائد اور راہنما بنائے۔

اسلامی تصور کے مطابق دین کا مقصد یہ ہے کہ لوگ اللہ اور اس کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقہ پہ اس دنیا میں اپنی زندگی گزاریں۔ شیطانی وسوسہ کے باعث جب آدمؑ کے قدم ڈگمگائے تو خدا کا حکم ہوا اهبطوا بعضكم لبعض عدو ولكم في الارض مستقر ومتاع الى حين فتلقى آدم من ربه كلمات فتاب عليه انه هو التواب الرحيم، قلنا اهبطوا منها جميعا فاما يأتينكم مني هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون، والذين كفروا وكذبوا بآيٰتنا اولٰئك اصحاب النار هم فيها خٰلدون۔
(۲: ۳۷-۳۹)

خدا نے حکم دیا یہاں سے نکل جاؤ، تم میں سے ہر کوئی دوسرے کا دشمن ہے۔ اب تمہیں جنت کی جگہ زمین میں رہنا ہے اور ایک خاص وقت تک اس سے فائدہ اٹھانا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ آدم نے اپنے پروردگار کے القاء سے چند کلمات معلوم کر لئے۔ پس اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی، اور بلاشبہ وہی توبہ قبول کرنے والا رحمت والا ہے۔ پھر ہم نے حکم دیا اب تم یہاں سے نکل چلو لیکن یاد رکھو جب کبھی ایسا ہوگا کہ ہماری جانب سے تم پہ راہِ حق کھولی جائے گی ہدایت آئے گی تمہارے لئے دو ہی راہیں ہونگی۔ جو کوئی ہدایت کی پیروی کرے گا اس کے لئے کسی طرح کا خوف نہیں، کسی طرح کی غمگینی نہیں یعنی سعادت و کامیابی ہوگی اور جو کوئی اس ہدایت کا انکار کرے گا اور ہماری نشانیاں جھٹلائے گا وہ ہمیشہ عذاب میں رہنے والا دوزخی ہوگا۔ پیغمبروں کے ذریعہ یہ ہدایت اس دنیاوی زندگی کے لئے تھی جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے۔ آخر میں خاتم النبیین کو بھیج کر ہدایت کی تکمیل کی گئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر کافۃ الناس کی طرف مبعوث کیا۔ ان کی کتاب ہدایت کو ذکری للعالمین، تمام اگلی کتابوں کا مصدق اور مہیمن اور فیہا کتب قیمہ کے اوصاف سے متصف کیا۔ اب نہ کسی نئے نبی کی ضرورت رہی، نہ کسی نئی کتاب ہدایت کی۔ اگلے صحف اور زبر اور کتب کی اہمیت اب صرف یہ رہ گئی ہے کہ ان سے اسلام سے پہلے انسان کی مذہبی زندگی کی تاریخ معلوم

ہوتی ہے اور بس ۔ جہاں تک احکام اور ھدایت کا تعلق ہے اب ماجاء بہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کارفرمائی اور فرمان روائی ہے ۔

جب دنیاوی زندگی ہی میں عمل کے لئے دین اور دین اسلام کی ضرورت ہے ان الدین عند اللہ الاسلام تو جس کی دنیاوی زندگی دین اسلام کے مطابق ہوگی وہی دنیا اور آخرت میں فیروز و فیروزمندی سے بہرہ ور ہے اور جس کسی کی زندگی اسلام سے دور ہوگی وہ خسر الدنیا والآخرۃ ہوگا قوم مسلم کی فطرت ہی کچھ اس طرح واقع ہوئی ہے کہ دین اس کے قوام میں داخل ہے فأقم وجهك للدين حنيفا فطرت الله التى فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اكثر الناس لا يعلمون" (۳۰:۳۰) پس تم ادھر ادھر نہ ڈگمگاؤ ۔ ایک طرف ہو کر دین پر قائم ہو جاؤ، فطرت الٰہی پر قائم ہو جاؤ جس پر اس نے بنی آدم کو بنایا، فطرت الٰہی بدلتی نہیں۔ یہی دین قیم ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ راغب اصفہانی نے قیم کے معنی مقدم لامور معاشھم ومعادھم یعنی لوگوں کے امور معاش و معاد، دنیوی زندگی، اور آخرت کی زندگی کا دین متکفل ہے ۔ دین اسلام کی پابندی سے ہی قوم مسلم کی تکوین ہوتی ہے۔ اگر دین کی پابندی نہ ہو تو وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن مسلم نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ صاحب ایمان اور صاحب تقویٰ ہے تو اس کے لئے دنیا اور آخرت میں فوز عظیم کی اٹل بشارت حاصل ہے الذین امنوا و کانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا فی الآخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ ذلک ھو الفوز العظیم (۱۰:۱۳)

دوسری قوموں نے اپنے دینی احکام کو جن کا دور منسوخ ہو گیا تھا عملاً ترک کر دیا تو انہوں نے دنیوی ترقی کی، یورپ روس اور امریکہ اور چین کی دنیوی ترقی ان کے اپنے دین سے عملاً انحراف ہی کی مرہون منت ہے لیکن قوم مسلم نے اللہ اور اللہ کے ذکر سے روگردانی کی تو دنیا بھی ہاتھ سے گئی اور ان کی معیشت بھی تنگ ہو گئی ومن اعرض عن ذکری فان لہ معیشۃ ضنکا۔ آخرت میں ان کا کیا حال ہوگا وہ اللہ ہی جانے نسوا اللہ فنسیھم (۹:۶۷) انہوں نے اللہ کو بھلایا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا نیز فرمایا غرتھم الحیٰوۃ الدنیا فالیوم ننساھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا (۷:۵۱) دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈالے رکھا تو جس طرح انہوں نے اس دن کا آنا بھلا دیا تھا آج وہ بھی بھلا دئے جائیں گے۔ غرض قوم مسلم کی سعادت اور فلاح اسلام کی پابندی ہی سے ممکن ہے اور اس کی صحیح راہبری اور قیادت صرف دین میں تفقہ اور بصیرت رکھنے والے اور صاحبان تقویٰ ہی کر سکتے ہیں۔

دین میں تفقہ اور بصیرت حاصل کرنے کے لئے ہمارے مدارس دینیہ کے علماء کو اور طلبہ کو بھی زیادہ توجہ اور امعان نظر کے ساتھ فقہ، اصول فقہ، فلسفۂ تشریع اسلامی جس کو شاہ ولی اللہ نے علم اسرار الدین سے تعبیر کیا ہے اور تاریخ تدوین فقہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ طالب تفقہ فی الدین کو ان پانچ علوم کا جامع ہونا ضروری ہے ۔

(۱) علم کتاب اللہ (۲) علم سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (۳) علماء سلف کے اقوال و آراء کا علم خواہ کسی مسئلہ میں ان کا اجماع ہو یا ان کی آراء باہم مختلف ہوں۔
(۴) اجتہاد اور قیاس کا علم۔ قیاس کتاب و سنت سے کسی حکم کے استنباط اور استخراج کرنے کا طریقہ ہے جس پر عمل کی حاجت اس وقت ہوتی ہے جب کتاب و سنت میں وہ حکم صراحۃً نہ ملے۔
(۵) عربی زبان کا علم۔

احکام اسلامی کا پہلا مصدر اور مرجع کتاب اللہ ہے پس طالبان تفقہ کو احکام قرآن کا پورا پورا علم حاصل ہونا چاہئے نہ صرف جزئی احکام اور ان کے محل و موقع سے واقف ہوں بلکہ شریعت کے کلیات اور اسکے مقاصد بھی اچھی طرح سمجھ لیں، قرآن کریم میں تقریباً پانچ سو آیات احکام ہیں۔ ان آیات کے اسباب نزول، ان میں ناسخ و منسوخ، مجمل و مفسر، عام اور خاص، مطلق و مقید، محکم و متشابہ اور اس تفسیر سے جو سنت اور آثار صحابہ و تابعین میں مروی ہے بخوبی واقف ہوں۔ آن سے ثابت ہونے والے احکام کی نوعیت: کراہت، تحریم، اباحت استحباب اور وجوب کا علم بھی ضروری ہے۔ یہ تمام آیات حفظ کئے جائیں اور چونکہ قرآن کریم میں آیات احکام منتشر اور بکھرے ہوئے ہیں بعض متقدمین علماء نے اسی لئے تمام قرآن کے حفظ کو ضروری قرار دیا ہے تاکہ آیات احکام کا سیاق پیش نظر رہے۔ اس زمانے میں بھی الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ نے اپنے کلیۃ القرآن الکریم والدراسات الاسلامیہ میں طلبہ کے داخلہ کی دیگر شرائط کے علاوہ امیدواران داخلہ کے لئے حافظ قرآن کریم ہونا لازمی شرط قرار دیا ہے۔ آیات احکام کی تفسیر میں، احکام القرآن للجصاص، احکام القرآن لابن العربي وأحکام القرآن القرطبی اور صاحب نور الانوار کی تفسیرات احمدیہ مفید کتابیں ہیں۔ زیادہ بصیرت کے لئے علوم القرآن میں سیوطی کی الاتقان اور زرقانی کی مناہل العرفان بھی کارآمد ہونگی۔

احکام اسلامی کا دوسرا مصدر اور مرجع سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہے۔ کتاب اللہ کی دراسۃ میں جو امور ذکر کئے گئے ہیں ان کے علاوہ صحیح، حسن، اور ضعیف کی پہچان اور مسند اور مرسل کا علم ساری تفصیلات کے ساتھ ضروری ہے تعلیم حدیث کی یہ غایت ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و فعلی و تقریری سنت کا علم تام حاصل ہو کہ جب کوئی واقعہ پیش آئے تو یہ کہا جا سکے کہ اس واقعہ کے متعلق نص سنت کیا ہے، یا یہ کہا جا سکے کہ سنت میں اس کے متعلق کوئی نص موجود نہیں۔ فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ احادیث احکام تقریباً تین ہزار ہیں۔ ان احادیث کا ازبر ہونا بھی رسوخ علم کے لئے لازم ہے۔ صحاح ستہ میں اکثر احادیث صحیحہ پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان میں منحصر نہیں ہیں۔ ایسے احادیث کے مجموعے بھی پائے جاتے ہیں جن میں بترتیب ابواب فقہ صحاح ستہ کی تمام حدیثیں جمع کی گئی ہیں۔ کتاب التاج الجامع الاصول السنۃ اسی قسم کی کتاب ہے۔ متقدمین نے علم سنت کے سلسلے میں بڑی محنت کی اور جدوجہد کی۔ علم مصطلح الحدیث، علم علوم الحدیث، علم اسماء الرجال، علم الجرح والتعدیل میں کتابیں تالیف کیں۔ ان کا مطالعہ بھی طریق روایت،

روایت کے درجے اور راویوں کے مراتب سمجھنے میں بہت کارآمد ہیں۔ آیات قرآن کریم کی شان نزول کی طرح احادیث کے محل اور موقع کا جاننا بھی ضروری ہے۔

تیسرا مصدر شریعت، اجماع ہے۔ ضروری ہے کہ ائمہ مجتہدین کے مذاہب و آراء سے اچھی طرح آگاہی ہو تا یہ معلوم ہو کہ کن امور میں یہ سب متفق تھے اور کن امور میں مختلف، جن امور میں متفق تھے ان کی متفقہ رائے کے خلاف کوئی رائے نہ اختیار کی جائے۔ ان کے اختلاف کی صورت میں کوئی نئی رائے قائم کرنے کے بجائے ان میں سے کسی ایک رائے کو ترجیح دیجائے۔

چوتھا مصدر شریعت قیاس ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ قیاس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کے حجت ہونے کی کیا دلیلیں ہیں؟ اس کے کیا ارکان ہیں؟ ہر رکن کی کیا شرطیں ہیں؟ کتاب وسنت کے علل منصوصہ کیا ہیں؟ اگر علل منصوصہ نہیں ہیں تو کتاب وسنت سے کس طرح استخراج علل کیا جاسکتا ہے؟ وہ کیا مصالح ہیں جن کا شریعت نے اعتبار کیا ہے؟ قیاس و اجتہاد کرنے کی اہلیت کے شروط کیا ہیں؟ ان تمام امور کے جاننے سے طالب علم تشریع اسلامی کی روح، اصول اور مقاصد سے آگاہی حاصل کرسکیگا۔

الفقہ المقارن کو بھی نصاب میں داخل کیا جائے تو باہمی اختلافات کی توجیہہ سمجھ سکیگی اور اختلافات کی تلخی دور ہو گی اور یہ واضح ہو جائے گا کہ ائمہ مجتہدین میں سے ہر ایک نے جو بھی رائے قائم کی امانت و دیانت کے ساتھ کسی نہ کسی نص پر ہی اپنی رائے کی بنیاد رکھی۔ حنفیوں کے لئے امام شافعی کی کتاب الام، اور شافعیوں کے لئے شمس الائمہ سرخسی کی کتاب المبسوط کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اس سے استدلال و استخراج احکام میں طالب العلموں کی عمدہ تربیت ہو گی۔ قاضی ابن رشد اندلسی کی کتاب "بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد" اور کتاب المیزان للشعرانی اس باب میں عمدہ اور مفید کتابیں ہیں۔

پانچواں علم جو تفقہ فی الدین کے لئے ضروری ہے، وہ عربی زبان کا علم ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ طالب علم کلام عرب کے تمام الفاظ و محاورات پر عبور حاصل کرے لیکن اس قدر یقیناً ضروری ہے کہ ان تمام الفاظ و محاورات اور اسالیب بیان کا علم ہو جن کا کتاب وسنت میں استعمال ہوا ہے۔ یہ علم اس لئے ضروری ہے کہ عربی ہی وہ زبان ہے جس میں اللہ کی آخری شریعت نازل ہوی۔ اللہ اور اللہ کے رسول نے صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اسی زبان میں مخاطب فرمایا۔ جو شخص اس زبان کا علم نہ رکھتا ہو وہ شارع کے منشاء کو نہیں جان سکتا۔

ان پنجگانہ علوم سے پہلے تصحیح عقائد کا التزام ہونا چاہئے، کیونکہ عقیدہ کا فساد احکام عملیہ کے علم میں فساد کا باعث ہوگا۔ اللہ کی ذات وصفات، رسولوں کے امتیازی اوصاف رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا۔ ملائکہ کتب منزلہ، اعجاز قرآن، بعث بعد الموت، یوم الحساب والجزاء تقدیر خیر وشر، ان سب کے متعلق اعتقاد درست رہے۔ اس کے بعد یہ واضح کیا جائے کہ اسلام کا مقصد ساری انسانیت کی صلاح و فلاح ہے جو اس کے تمام انفرادی اور اجتماعی، مادی ذہنی اور روحانی حالات کو شامل اور اس کے حاضر و مستقبل پر حاوی ہے اور یہ کہ امت مسلمہ امت وسط ہے جو تمام انسانوں

کے لئے اسی طرح شاہد جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
اس امت کے لئے شاہد ہیں، یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔
اس میں کسی قسم کی پیشی اسلام سے خروج اور اس سے انحراف
کے مرادف ہے ادخلوا فی السلم کافۃ اور أفتؤمنون
ببعض الکتاب وتکفرون ببعض اس کے شاہد ہیں۔

قوم مسلم کی قیادت کے لئے تفقہ فی الدین کے ساتھ تقوی
کی شرط بھی لازم ہے۔ تقوی کے لغوی معنی بچنے اور احتراز کے ہیں،
اس سے مراد ہر ضرر پہنچانے والے امر سے چاہے وہ فعل ہو یا
ترک احتراز اور حذر کیا جائے۔ کفر اور کبائر سے احتراز، صغائر
پر اصرار سے احتراز، مشتبہ اور مشکوک امور سے احتراز، فضول
اور لایعنی امور سے (جو اگرچہ مباحات میں شامل ہیں) احتراز،
ہوائے نفس کی پیروی سے احتراز، غیر اللہ کے خوف اور رجا
سے احتراز، ذکر اللہ سے توجہ ہٹانے والی، غافل کرنے والی
چیزوں سے احتراز، بلکہ غیر اللہ کے خیال وتصور سے احتراز،
یہ تمام تقوی کی جزئیات ہیں جن میں ادنیٰ درجہ کفر وکبائر سے
اجتناب اور اعلیٰ درجہ غیر اللہ کے خیال وذکر سے اجتناب ہے۔

دین میں تفقہ سے علم کا اکتساب ہوتا ہے لیکن صرف
علم کے حاصل ہو جانے سے یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ اس
علم پر بہر حال عمل بھی ہوگا۔ اکثروں کا حال تو یہ ہے ؎

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی

یہ درحقیقت ایمان کا نقص ہے۔ ہم میں سے شاید
ہی کوئی ہوگا جو ارکان وفرائض اسلام میں سے کسی کا انکار
کرتا ہو لیکن ان ارکان کی پابندی اور ادائیگی کا التزام
بہت قلیل ہے۔ صرف علمی اور ذہنی طور پر ان کی فرضیت
کا یقین ہے، دلوں میں یقین نہیں۔ ہمارے دماغ مؤمن
ہیں لیکن ہمارے دل مؤمن نہیں ولمّا یدخل الایمان
فی قلوبکم (۱۴ : ۴۹) اسی حقیقت کا بیان ہے۔

دلوں میں ایمان داخل ہونے کے لئے تعلیم کتاب و
حکمت کافی نہیں۔ اس کے لئے تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب
کی ضرورت ہے یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم
الکتاب والحکمۃ (۳ : ۱۶۴) میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے طریق تبلیغ رسالت کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ تزکیہ ہی طریق
تقوی ہے۔ احوال قلب کے مبصرین، وساوس نفس اور امراض
روحانی کے معالجین کی نگرانی، رعایت اور تربیت کے بغیر
تقوی کی کیفیت کا پیدا ہونا بظاہر اسباب دشوار ہے۔ ایک
لمحہ کی غفلت بھی خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہے۔ ؎

رفتم کہ خار از پاکشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم وصد سالہ راہم دور شد

اس ایک لمحہ کی غفلت کا تدارک صرف توبہ وانابت
اور استغفار سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ موضوع اس قدر
وسیع ہے کہ اس موقع پر کسی تفصیل کی گنجائش نہیں، اور
یوں بھی اس موضوع کا تعلق علم وگفتار سے کہیں بہت
زیادہ کیفیت عمل وکردار سے ہے۔

تقوی کی تربیت اور اخلاق فاضلہ کی تکوین کے لئے
ہر ہر طالب علم پر انفرادی طور پر توجہ ضروری ہے۔

امراض جسمانی کے معالج ہر ہر مریض کے مرض کی تشخیص اور علاج علیحدہ کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ سب بیماریوں کا ایک ہی مرض تشخیص کرکے سبھوں کا ایک ہی دوا سے علاج کیا جائے۔

تعلیم کے ساتھ تربیت کی ضرورت ایک حقیقت ہے جس کا کسی کو انکار نہیں، لیکن وہ اس قدر آشکارا حقیقت ہے کہ اس کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی ہے۔ قرآنی اصطلاح میں تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیہ ضروری ہے۔ کبھی اسی کو شریعت وطریقت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور کبھی فقہ وتصوف سے۔ اسی لئے صدیوں قبل سے یہ مقولہ زبان زد خاص وعام ہے من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق۔

اس تمام سمع خراشی سے مقصود یہ ہے کہ ہمارے مدارس دینیہ میں تعلیم کے ساتھ تربیت، کتاب وسنت کی تعلیم کے ساتھ تزکیۂ نفس وتصفیۂ قلب یا تعلیم شریعت کے ساتھ ساتھ سلوک طریقت کو بھی ضروری اہمیت دی جائے۔ شریعت کا تعلق اعمال ظاہری سے ہے اور طریقت ان اعمال میں قصد ونیت کی تصحیح ہے جس کا تعلق دل سے ہے۔

ظاہر وباطن میں ہم آہنگی اور قول وفعل میں مطابقت اسی تعلیم وتقوی سے ممکن ہوگی۔ قوم کے رہنماؤں اور رہبروں کو اس ہم آہنگی اور مطابقت کی جس قدر ضرورت ہے محتاج بیان نہیں۔ قوم ایسے ہی قائدوں کا احترام کرے گی۔ خلاف وشقاق مرتفع ہوگا۔ اگر ایسے قائد نصیب ہوجائیں تو تنازع للبقاء اور کشمکش حیات کے معرکہ میں قوم صفا کانہم بنیان مرصوص ہوگی۔

سورۂ صف میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: یاایہا الذین اٰمنوا لم تقولون مالاتفعلون ۰ کبر مقتا عند اللہ أن تقولوا مالاتفعلون ۰ ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانہم بنیان مرصوص اے مومنو! تم کس لئے وہ باتیں کہتے ہو، جو تم کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند اور مکروہ بات ہے کہ جو تم کہو اس کو نہ کرو۔ اللہ کو ان لوگوں سے محبت ہے جو اس کی راہ میں صف باندھ کر لڑتے ہیں۔ گویا وہ سیسہ پلائی ہوی دیوار ہیں۔

ان آیتوں میں قول وفعل کی مطابقت کا مطالبہ قول وفعل کے باہمی تضاد پر اظہار کراہت اور ناپسندیدگی اور پھر بطور نتیجہ اس طرح صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوی دیوار ہیں اسکی راہ میں لڑنے والوں سے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اقرار محکم ہے۔ اس ترتیب پر غور کرنے والوں کیلئے بڑی بصیرت کا سامان ہے ——— اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ما جاء به النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع سے ہمارے ظاہر کو درست کرے اور سنوارے اور ہمارے باطن کا تصفیہ اور تزکیہ کرے اور ہم سبھوں کو توفیق تقوی کرامت کرے آمین بحرمۃ سید المرسلین وخاتم النبیین اللھم اٰتہ الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ الرفیعۃ وابعثہ مقاما محمود الذی وعدتہ وارزقنا شفاعتہ یوم القیمۃ انک لاتخلف المیعاد۔ ربنا ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ ومن تبعہم باحسان الی یوم الدین۔



انسان اپنے مافی الضمیر و مُدعا کو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے کبھی حرکات و اشارات سے کام لیتا ہے، کبھی مختلف قسم کی آوازوں سے اور کبھی کلمات اور الفاظ موضوعہ سے۔ اگر زبان سے مراد وسیلۂ اظہار مافی الضمیر ہی ہے تو حرکات و اشارات اور مختلف آوازوں کی بھی زبان ہے۔ یہ تعریف حیوانات کی بولیوں اور زبانِ حال پر بھی صادق آتی ہے اور ع

خموشی معنئ دارد کہ در گفتن نمی آید

ان زبانوں میں حرکات و اشارات کی زبان ہی عالمگیر زبان ہے کیونکہ وہ فطری ہے یا فطرت سے زیادہ مناسبت و مطابقت رکھتی ہے۔ مختلف قوموں اور نسلوں کے افراد جب اتفاقاً اکھٹے ہو جاتے ہیں، ظاہر ہے کہ ان سبھوں کی بولیاں بھی علٰحدہ علٰحدہ ہوتی ہیں اور وہ حرکات و استعارات کی زبان کے ذریعہ اپنے مدّعا کو ایک دوسرے پر ظاہر کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں۔

یہ زبان سب سے زیادہ قدیم بھی ہے کیونکہ ابتداءً جب انسان اپنی فطرت سادہ پر قائم تھا اس کی ضرورتیں محدود تھیں۔ اس کا متخیلہ محسوس دنیا کو چھوڑ کر کوئی نئی خیالی دنیا آباد نہیں کر رہا تھا۔ اس کو اپنے مادی ماحول سے باہر کسی بات سے تعلق نہ تھا، اس کی خوشیاں بھی مادی لذتوں تک محدود تھیں جیسے اس کا غم صرف جسمانی الم سے آشنا تھا۔ وہ انسان کی طفولیت کا دَور تھا وہ صرف لذت والم کا خوگر تھا۔ لذت والم کے اظہار کے لئے الفاظ و کلمات موضوعہ کی ضرورت نہ تھی۔ بچّوں کو اپنی ضرورتیں بہم پہنچانے کے لئے الفاظ و کلمات کا محتاج ہونا نہیں پڑتا۔ اس زبان کے متکلم اور سامع دونوں ایک دوسرے کا مفہوم سمجھ لیتے ہیں اور سمجھنے میں عموماً غلطی نہیں کرتے۔

جب انسان طفولیت کے دَور سے گذرنے لگا تو اس کی حاجتوں اور ضرورتوں میں اضافہ ہونے لگا۔ اسکی زندگی میں آہستہ آہستہ تکلفات پیدا ہونے لگے اور تکلفات لوازمِ حیات بنتے گئے، مادی دنیا کے ساتھ ساتھ ایک خیالی دنیا کا شعور پیدا ہونے لگا اور بڑھتی ہوئی عقل نے معاملاتِ زندگی کو پیچیدہ تر بنا دیا۔ حرکات و اشارات کی زبان ناکافی ثابت ہونے لگی۔ الفاظ و کلمات کی زبان وضع کی گئی جو مسائل حیات کی طرح کبھی واضح اور کبھی مبہم تھی۔ انسان کو اپنی وضع کی ہوئی زبان پر اس قدر اعتماد ہونے لگا کہ اس نے رفتہ رفتہ حرکات و اشارات کی زبان کا استعمال بیشتر اوقات ترک کر دیا۔ یہ زبان فطرت کا عطیہ تھی اور الفاظ و کلمات موضوعہ کی زبان انسانی ذہن و دماغ کا شاہکار تھی۔ انسان اپنے شاہکار کے

مقابلے میں فطرت کی بخششوں کو حقیر اور ہیچ سمجھتا اور
چھوڑ دینا چاہتا ہے لیکن اس سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔
الفاظ و کلمات کی فراوانی کے باوجود اپنے مافی الضمیر کے ادا
کرنے میں آج بھی حرکات و اشارات کا محتاج ہے کیونکہ بسا
اوقات حرکات و اشارات ہی سے اس کے الفاظ و کلمات کا
مفہوم متعین ہوتا ہے۔

جب ہم کوئی بات سنتے ہیں تو فوراً ہمارا ذہن اپنے
تمام سابقہ معلومات و تجربات کا خزانہ ہمارے سامنے کھول دیتا ہے،
اور ہم اس خزانے میں تلاش کرنے لگتے ہیں کہ آیا اس بات کے مفہوم
موضوعہ سے پوری پوری مشابہت رکھنے والا کوئی مفہوم اس
میں پایا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر پایا جاتا ہے تو ہم کہنے والے کی
بات اچھی طرح سمجھ لیتے ہیں۔ اگر صرف ادھوری یا ادنیٰ مشابہت
والا کوئی مفہوم پایا جاتا ہے تو بھی ہم سمجھتے ہیں لیکن پوری
طرح نہیں سمجھتے۔ لیکن ایسا سمجھنے میں غلط فہمی کا بہت زیادہ
امکان رہتا ہے۔ اگر اس ذہنی خزانہ میں اس بات سے مشابہت
رکھنے والا کوئی مفہوم نہیں پایا جاتا تو ہم کہنے والے کی بات
بالکل نہیں سمجھتے۔

اگر کسی اندھے کے سامنے کسی رنگ کا ذکر کیا جائے
تو وہ کیا سمجھیگا؟ کسی بہرے کو ہم آوازوں کا فرق کیسے
سمجھا سکتے ہیں۔ اندھے کے خزانۂ ذہنی میں رنگوں سے متعلق
کوئی معلومات نہیں کہ وہ ان کے حوالے سے کسی خاص رنگ کا
ادراک کرے۔ اسی طرح بہرے کے خزانۂ ذہنی میں آوازوں کا
کوئی علم نہیں کہ وہ ان کے حوالہ سے لحن داؤدی اور صوت الحمیر
میں امتیاز کر سکے۔ ایسے شخص کے سامنے جس کو کسی قسم کے درد
سے سابقہ نہیں پڑا درد سر یا درد جگر کا بیان بے معنی اور
عبث ہے ؎ عاشق نہ شدی محنت الفت نہ کشیدی

کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

آزادی کی فضا میں آزادی کی نعمتوں اور خوشیوں
سے متمتع ہونے والے کو احساس غلامی کے درد و کرب کا
کیا اندازہ ہو سکے گا ؎

تو اے کبوتر بام حرم چہ می دانی
طپیدن دل مرغاں کہ در قفس باشند

غرض ہمارے سامنے جب کوئی بات کہی جاتی ہے تو ہم اپنے
سابقہ معلومات و تجربات کے حوالہ ہی سے اس کو سمجھتے اور
سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

فہم صحیح کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ متکلم اور سامع کے پیش نظر
ایک ہی موضوع یا واقعہ یا محکی عنہ ہو اور انکی ایک ہی پہلو
یا حیثیت پر نظر ہو۔ کلام کی سچائی اور جھوٹ کا یہ معیار
بتایا گیا ہے کہ اگر کلام واقعہ یا محکی عنہ کے مطابق ہے، تو سچ
ہے، ورنہ جھوٹ ہے۔ ہر کلام جس کا جھوٹ یا سچ دریافت
کیا جا سکتا ہے ایک محکی عنہ یا واقعہ کا وجود ضروری ہے۔ اگر
سامع کے پیش نظر وہی محکی عنہ اور اس کی وہی حیثیت
نہیں ہے جو متکلم کے پیش نظر ہے تو ظاہر ہے کہ سامع متکلم کی
بات نہیں سمجھ سکتا اور اگر کچھ سمجھتا بھی ہے تو غلط سمجھتا ہے۔
محکی عنہ کبھی محسوس و مشہود اور متعین ہوتا ہے اور کبھی غیر
محسوس اور غیر مشہود اور غیر متعین ہوتا ہے۔ کبھی اس کا وجود

ذہنی اور کبھی ذہنی اور خارجی دونوں۔

غلط فہمی سے بچنے کی دو اہم شرطیں ہیں پہلی شرط معلومات و تجربات میں یکسانی ہے اور دوسری یہ کہ دونوں کے پیش نظر ایک ہی واقعہ یا موضوع و محکی عنہ ہو اور اس کی ایک ہی حیثیت ملحوظ ہو۔

معلومات و تجربات کی یکسانی عموماً ایک سوسائٹی کے افراد، ایک ماحول میں رہنے والوں، ایک قسم کی روایات کے حاملین اور کائنات کی مختلف چیزوں پر ایک ہی زاویۂ خیال سے نظر کرنے والوں میں پائی جاتی۔ اسی لئے افرادِ قوم میں باہمی ہمدردی بھی ہوتی ہے جو اکثر ہم خیالی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ہمدردی کا مفہوم صرف یہ نہیں کہ افراد ایک ہی درد یا الم میں مبتلا ہوں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کے اندر عاطفہ، شعور اور وجدان میں مشارکت ہو، اگر یہ مشارکت مفقود ہو تو اس کا لازمی نتیجہ غلط فہمی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ مختلف قوموں کے لوگ باہم ایک دوسرے کی باتیں سمجھتے ہیں لیکن یہ باتیں عموماً وہی ہوتی ہیں جو ان میں مشترک ہوتی ہیں، جو امور کسی قوم کے ساتھ مختص ہوتے ہیں ان کو دوسری قوموں کے افراد پوری طرح نہیں سمجھتے ایسے موقعہ پر قیاس و استدلال سے کام لیا جاتا ہے اور کون کہہ سکتا ہے کہ ان کا قیاس بہرحال صحیح ہے۔ امور علمیہ میں غلط فہمی نہیں ہوتی، اس لئے کہ ان کا موضوع کسی قوم کے ساتھ مختص نہیں ہے۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ طبعیات یا ریاضیات یا علم کیمیا میں قوموں اور ملکوں کی جیسی تقسیم ہے۔ یا انگریزی ریاضیات، فرانسیسی یا جاپانی یا ہندی ریاضیات

سے مختلف ہے۔ ان علوم کا موضوع عالمگیر ہے محسوس و مشہود ہے۔ ہر علم کا موضوع، مادہ کے مختلف احوال و عوارض میں سے کوئی ایک یا چند احوال و عوارض ہیں عند الضرورۃ ان کا صحیح تصور مشاہدہ اور تجربہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ سائنس کے مسائل کے باب میں سبھوں کے نزدیک ایک ہی موضوع ہو اور اس کے ایک ہی پہلو پر ان کی نظر ہو۔ چوں کہ مادہ کی شکلیں محسوس و مشہود اور متعین بھی ہیں ایک ہی موضوع اور اس موضوع کے ایک ہی پہلو کے ملحوظ رکھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ علوم سائنس کے علاوہ دیگر علوم مثلاً دینیات، فلسفہ، تاریخ وغیرہ میں غلط فہمیاں اور اختلافات پائے جاتے ہیں، کیونکہ ان علوم کا موضوع غیر مادی، غیر محسوس غیر مشہود اور غیر متعین بھی ہے۔ عدم تعین کی وجہ سے اس بات کے زیادہ امکانات ہیں کہ سب کے پیش نظر ایک ہی موضوع نہ ہو اور ہو بھی تو ایک ہی حیثیت یا پہلو ملحوظ نہ ہو اور اگر یہ بھی ممکن ہو تو زاویۂ خیال کا ایک ہی ہونا بسا مشکل ہے۔ آرٹ اور شاعری کا موضوع غیر محسوس اور غیر متعین بھی ہے فلسفہ اور تاریخ اجتماعی علوم ہیں اور بہت بڑی حد تک دینیات بھی لیکن آرٹ اور شاعری انفرادی اور شخصی تاثرات ہیں وبس۔

تاریخ فلسفہ، سماجیات اور بڑی حد تک دینیات میں بھی یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ شخصی و ذاتی جذبات و احساسات سے قطع نظر کرکے حقائق کما ہی کا بیان کیا جاتا ہے۔ شاعر اور فنکار ایسا دعویٰ نہیں کرتے، ترجمانی

جذبات وبیان واردات ایکطرف، توصیفی شاعری میں بھی انہیں تصویروں کو پیش کیا جاتا ہے، جو شاعر کے ذہن میں ہیں۔ شاعر کو اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اس کی اپنی ذہنی تصویر واقعہ کے مطابق یا دوسروں کی ذہنی تصویر کے مماثل ہے یا نہیں۔ وہ اپنی معشوقہ کی شبیہہ پیش کرتا ہے تو دہن کو نقطۂ موہوم، ابرو کو تیغ، مژگاں کو نیزہ، نظر کو تیر کہتا ہے؟

شاعر کے ادعاء الفت کے جواب میں بے درد معشوق کی تنقید کو کسی شاعر نے نظم کیا ہے جو اختلاف نقطۂ نظر کی ایک عمدہ مثال ہے ؎

میں نے کہا کہ دعویٰ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کسقدر غلط،

تاثیر آہ وزاری شبہای تار غلط
آوازۂ قبول دعائے سحر غلط

سوزِ جگر سے ہونٹھ پہ بتخالہ افترا
شورِ فغاں سے جنبشِ دیوار ودر غلط

ہاں سینہ سے نمائشِ داغِ دروں غلط
ہاں آنکھ سے تراوشِ خونِ جگر غلط

آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجیئے
عشقِ مجاز وچشمِ حقیقت نگر غلط

بوس وکنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہار پاکبازیِ ذوقِ نظر غلط

لو صاحب آفتاب کہاں اور ہم کہاں
احمق نہیں نہ سمجھیں ہم اسکو اگر غلط

سینہ میں اپنے جانتے ہو تم کہ دل نہیں
ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے ان کی کمر غلط

کہنا ادا کو تیغ خوشامد کی بات ہے
سینہ کو اپنے اسکی سمجھنا سپر غلط

مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جانِ عزیز پیشکشِ نامہ بر غلط

مشاہدۂ کائنات سے شاعر کے ذہن میں جو صورتیں منطبع ہوتی ہیں یا جو تاثر ہوتا ہے شاعر انہیں کو بیان کرتا ہے، اسی لئے شعر کے متعلق صدق وکذب کا سوال کبھی پیدا نہیں ہوتا۔ جھوٹ اور سچ کی کسوٹی پہ شعر کو پرکھا نہیں جاسکتا۔ شعر کو جانچنے کا صرف ایک معیار ہے اور وہ تاثیر ہے۔ البتہ شاعر کی تصویر ذہنی اور تاثر ان پہ دلالت کرنے والے کلمات اور تعبیرات میں مطابقت کا ضرور لحاظ ہوتا ہے، جس قدر مطابقت ہوگی اسی قدر صداقت اور صلیت ہوگی۔

متکلم کی عبارتوں کا مفہوم بسا اوقات اس کے تیور اس کے حرکات واشارات سے متعین ہوتا ہے اور اگر ان سے قطع نظر کرلیا جائے تو غلط فہمی کا بہت زیادہ امکان رہتا ہے۔ تحریروں کا مفہوم سیاق وموقعۂ کلام سے واضح ہوتا ہے اور سیاق سے ہٹانے کے بعد بسا اوقات کلام کا مفہوم بدل جاتا ہے۔ اسی طرح شاعر کا مافی الضمیر اور شعر کا مفہوم شاعر کے تیور اور اس کے ماحول اور پس منظر سے بھی متعین ہوتا ہے جس کے زیر اثر اس نے وہ شعر کہا ہے۔ مثلاً ؎

کون ہوتا ہے حریف مئے مردافگن عشق

ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد (غالب)

دوسرے مصرع کے لفظ مکرر میں یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ پہلے مصرع کی تکرار ہو۔ اول مرتبہ سوال کے انداز میں، اور دوسری مرتبہ اظہارِ حسرت کے ساتھ کہ اب کوئی حریف مئی مرد افگنِ عشق نہ رہا۔

فلسفی مورخ اور علماء کے اس ادعاء کے باوجود کہ وہ صرف ان حقائق کی تصویروں کو پیش کرتے ہیں جو ان کے اپنے ذہن سے باہر خارج میں بھی موجود ہیں۔ جب ان کے کلام کے صحیح فہم کے لئے ان کے ماحول، پس منظر، طرز ادا کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے تو پھر شاعر کے کلام کے فہم و شعور کے لئے اس کے ماحول، پس منظر اور طرز ادا اور اسکی نفسی اور ذہنی کیفیتوں کا علم کس قدر ضروری ہوگا جب کہ وہ حقائق کی اپنی ہی ذہنی تصویریں پیش کرتا ہے اور اپنے ہی عواطف و جذبات اور وجدان کی ترجمانی کرتا ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہیجان جذبات کے وقت ذہن کو ان کیفیات کا شعور نہیں رہتا کیونکہ غلبۂ جذبات کے وقت اس کے قوای عقلیہ و ذہنیہ مضمحل ہو جاتے ہیں اور جذبات ان قوتوں کو کمزور کرکے ان پر اپنا ایک خاص نقش بٹھا دیتے ہیں۔ جب جذبات میں سکون اور ہیجان میں کمی ہوتی ہے تو ان ہنگامہ خیزیوں کی واقعی کیفیتوں کو اگرچہ وہ شعوری طور پر نہیں جانتا مگر تحت الشعور میں ان کی دھندلی تصویریں ضرور موجود رہتی ہیں۔ جب مناسب محرکات ذہنی پیدا ہوتے ہیں تو وہ شعوری طور پر انہیں یاد کرکے لطف اندوز ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ شاعر دوسروں کو محظوظ کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنی لطف اندوزی کے لئے شعر کہتا ہے۔ اسی لئے ؎

نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پروا
گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

ہم اپنے عالم رنج و مصیبت کی تفصیلات کو رنج و مصیبت کے ختم ہو جانے کے بعد یاد کرکے لذت پاتے ہیں، ان کی تکرار سے لطف حاصل کرتے ہیں۔ اگر سننے والے مل جائیں تو بصد شوق سناتے ہیں حالانکہ یہ وہ تفصیلات ہیں جو اپنے وقوع کے وقت بہت ناگوار اور مکروہ تھیں مصیبتیں جب نازل ہو رہی ہوں تو وہ ہم سے اس قدر نزدیک ہوتی ہیں کہ گویا ہماری ذات کا جزو ہو گئی ہیں۔ علم و شعور کے لئے عالم و معلوم کے درمیان جو مغائرت لازمی ہے وہ مفقود رہتی ہے۔ اسی لئے ان کا بیان یا ترجمانی دشوار ہے لیکن جب مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں یا ہونے لگتی ہیں تو مغائرت پائی جانے لگتی ہے، اور ہم ان کا اندازہ کرسکنے کے قابل ہوتے جاتے ہیں۔ ہیجان جذبات کے ہنگامے بھی ایک نوع کی مصیبت ہیں۔ ان کی یاد تازہ کرنے میں ذہن تحت الشعور کی دھندلی تصویروں میں رنگ و روغن لگا کر انہیں اجاگر کرتا اور ان سے لذت پاتا ہے۔

فہم صحیح کی دو اہم شرطیں پہلے بتائی جا چکی ہیں۔ یعنی سامع اور متکلم دونوں کے معلومات و تجربات کی نوعیت میں یکسانی اور دونوں کے پیش نظر ایک ہی موضوع کا ہونا۔ پس شعر کے صحیح مدلول کا فہم تام حاصل کرنے اور شاعر کے اشارات کو سمجھنے کے لئے لازم ہے کہ شعر سننے والا اپنے ذہن میں اپنے

لئے بھی وہی ماحول اور کیفیات پیدا کرے جو شاعر کے ذہن میں ہیں اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ شعر سننے والا بھی جذبات کے ویسے ہی ہنگاموں سے آشنا نہ ہو چکا ہے اور جب تک کہ اس کا نقطۂ نظر بھی شاعر ہی کا نقطۂ نظر نہ ہو۔ بالفاظِ دیگر شاعر سے پوری پوری ہمدردی نہ ہو۔ مولانا روم نے اپنے دردِ اشتیاق کی شرح و بیان کے لئے دلِ صد پارہ کی طلب ظاہر کی ؎

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

عربی کے ایک شاعر نے ایسی ہمدردی ایک مرغِ غزلخواں میں پائی۔

رب ورقاء هتوف فی الضحی
ذات شجو صدحت فی فنن

(بسا اوقات ایک کبوتر نالہ کناں بوقت چاشت شاخِ شجر پر غمزدہ نغمہ سنج ہے۔

ذکرت الفا و عیشا سالفا   فبکت حزنا فهاجت حزنی

(اپنی گذری ہوئی زندگی اور بچھڑے ہوئے محبوب کی یاد کی اور غم و حزن میں رویا اور میرے درد و غم کو برانگیختہ کیا)

فبکائی ربما أرقها
و بکاها ربما أرقنی

(میرے رونے نے کبھی اس کی نیند اڑا دی اور اس کے رونے نے کبھی میری نیند اڑا دی۔

ولقد تشکو فما افهمها
ولقد اشکو فما تفهمنی

(وہ شکوہ سنج ہے اور میں اس کا شکوہ نہیں سمجھتا میں شکوہ کرتا ہوں تو وہ میرے شکوے کو نہیں سمجھتا۔

غير أني بالجوى أعرفها
وهي أيضا بالجوى تعرفني

(لیکن میں اس کی سوزشِ عشق سے اس کو پہچانتا ہوں اور وہ بھی میری سوزش سے مجھے پہچانتا ہے۔)

اسراها بالبکا مولعة
ام سفاها البين ماجرعنی

(یہ بتاؤ کہ کیا وہ اس لئے روتا ہے کہ اس کو رونے کا شغف ہے یا یہ بات ہے کہ فراقِ محبوب نے اس کو بھی وہی گھونٹ پلائے ہیں جو مجھے پلائے ہیں۔)

ایک اردو شاعر نے تو عندلیب کو دعوت دی ؎

آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار، میں چلاؤں ہائے دل

بار بار شاعر اپنے جذبات و عواطف کے ہنگاموں کی یاد اس لئے کرتا ہے کہ ؎

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

شاعر جب شعر کہتا ہے تو مقصود یہ نہیں ہوتا کہ دوسروں تک اپنے جذبات و عواطف کی تبلیغ کرے۔ کیونکہ جذبات و احساسات ایسی چیزیں نہیں کہ ان کی تبلیغ کی جا سکے یا کوئی انہیں دوسروں کو سمجھا سکے بلکہ وہ تو اپنے ذہن میں شعوری طور پر اپنے جذبات کے ہنگاموں کی تحت الشعوری دھندلی صورتوں

کو دوبارہ پیدا کر کے لذت حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اسی لئے مقطع میں اس کا خطاب اپنی شعوری ذات سے ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جذبات کے ہنگامے آنی و فانی ہیں۔ عارضی ہیں۔ نمودار ہوتے ہیں اور مٹ جاتے ہیں لیکن اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں اور یہ اثر جو دیرپا ہے ان ہنگاموں کی یاد دلاتا رہتا ہے۔ شاعر انہیں یاد کرتا ہے۔ ان میں حسن کا ادراک کرتا ہے۔ اسکی نظر میں وہ حسین ہیں کیونکہ وہ مٹ چکے ہیں۔ ان کی یاد حسین ہے کیوں کہ وہ مٹے ہوؤں کی یادگار ہے اور بقول اقبال ع:

وہی حسین ہے حقیقت زوال ہے جسکی

یہی وجہ ہے کہ ہر اچھا شعر درد انگیز ہے۔ کوئی مانے یا نہ مانے لیکن یہ واقعہ ہے کہ انسان درد انگیز کیفیات و احوال کی یاد سے لطف حاصل کرتا ہے۔ فنون لطیفہ کے تمام شعبوں میں چاہے وہ موسیقی ہو یا مصوری یا شاعری بظاہر درد و غم ہی روح کو لذت بخشتے ہیں۔ مثنوی مولوی رومیؒ کے تمام دفتر ؎

بشنو از نے چوں حکایت میکند - وز جدائیہا شکایت می کند

ہی کی شرح و بیان ہیں۔ وہی آواز زیادہ مرغوب ہے جس میں زیادہ سوز و گداز ہے۔ وہی راگ زیادہ مطبوع خاطر ہیں جو زیادہ درد انگیز ہیں۔ وہی گیت زیادہ محبوب ہیں جو دل میں رقت پیدا کرتے ہیں۔ غرض شاعر ان حسین ہنگاموں کو شعوری طور پر اپنے ذہن میں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اسکی اس کاوش و کوشش کا نتیجہ شعر ہے۔

جس طرح بھوکے کی بھوک کا اندازہ ہم اپنی بھوک سے کرتے ہیں اور بھوکا ہمیں اپنی بھوک کی یاد دلاتا ہے، اسی طرح شاعر بھی جب شعر کہتا یا سُناتا ہے تو ہمیں اپنے ہنگامۂ جذبات کی یاد دلاتا ہے جس کی نوعیت شاعر کے ہنگامۂ جذبات کی سی ہو۔ کبھی کبھی ایسے شعر بھی سنے جاتے ہیں کہ سننے والے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس شعر میں سننے والے ہی کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے۔ گھنٹوں وہ شعر وردِ زبان رہتا ہے اور سکون دل کا باعث ہوا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے
(غالبؔ)

یہ شعر کی تاثیر ہے اور شعر کی تعریف میں حالیؔ نے اسی تاثیر کا ذکر کیا ہے۔

یقیناً ہر شاعر کے ہر شعر میں تاثیر ہے لیکن ہر شخص کے حق میں ہر وقت ہر شعر شعر نہیں ہے، وہ دوسروں کے حق میں اسی وقت شعر ہے جب اس کا ان پر بھی ویسا ہی اثر ہو جیسا کہ شاعر پر ہوا۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب شعر سننے والا اپنے ذہن میں جذبات کے ہنگاموں کی یاد تازہ کرے اور ان میں حسن کا ادراک کرے۔ اگر وہ خود ان ہنگاموں سے ناآشنا ہے تو اس پر شعر کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ ممکن ہے وہ شعر کی عروضی صنعت اور بدائع لفظی و معنوی کی طرف متوجہ ہو تو ایسی صورت میں شعر کا خون ہو جاتا ہے۔ مدرسوں میں عام طور پر شعر کے ساتھ یہی سلوک کیا جاتا ہے، اس کو دیکھ کر ایک شاعر نے "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" کہہ کر ماتم کیا تھا۔ ہم کو کوئی شعر بے اثر نظر آتا ہے تو اس میں نہ تو شاعر کا قصور ہے نہ شعر کا نقص بلکہ شعر کے سننے والے کے دل کی بے حسی کی دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ ان ہنگاموں سے کبھی آشنا نہیں ہوا ع لذت می نشناسی بخدا تا نہ چشی۔



تصنیف

قدوۃ السالکین شیخ الشیوخ حافظ القرآن

حاجی الحرمین مولانا سید شاہ محی الدین عبداللطیف قادری

المعروف حضرت قطب ویلور

قدس سرہٗ

Scanned with CamScanner

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غایۃ التحقیق

تصنیف: از قدوۃ السالکین شیخ المشائخ حافظ القرآن حاجی الحرمین مولانا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری نقوی

حضرت قطب ویلور قدس سرہ

ترجمہ و تلخیص:- مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی

استاذ دارالعلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

کتاب غایۃ التحقیق کا تعارف

حضرت قطب ویلور قدس سرہ ایک بلند پایہ عالم و فاضل مصلح و مبلغ اور بالغ النظر مفکر و مصنف ہونے کے علاوہ مرشد روحانی اور شیخ طریقت بھی تھے جن کی ذات گرامی سے تقریباً سات لاکھ نفوس نے تربیت باطنی و احسانی کی سعادت و برکت پائی۔ آپ کی مایۂ ناز شاہکار تصنیف جواھر الحقائق منظر عام پر آئی تو اس میں بیان شدہ حقائق و معارف اور دقائق و غوامض موضوع بحث بن گئے۔ چنانچہ پیارم پیٹ کی ایک ذی علم شخصیت مولانا ٹیپو حسین کے سوالات اور استفسارات پر حضرت قدس سرہ نے یہ گراں قدر علمی و تحقیقی کتاب غایۃ التحقیق سپرد قلم کی جس میں آپ نے سائل مذکور اور دیگر سائلین کے سوالات کے جواب مرحمت فرماتے ہوئے خصوصیت کے ساتھ مسئلۂ وحدت الوجود کو عقلی و نقلی دلائل سے مدلل و مشرح فرمایا ہے۔

یہ کتاب ایک سو بائیس سال قبل ۱۲۸۰ھ میں مدراس کے مطبع مظہر العجائب میں چھپی ہے لیکن اب نایاب ہے۔ اس کا ایک نسخہ کتب خانۂ لطیفیہ میں محفوظ ہے۔ اصل کتاب ترجمۂ تلخیص کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے تاکہ اہل علم براہ راست مصنف کی تحریروں سے استفادہ کرسکیں۔

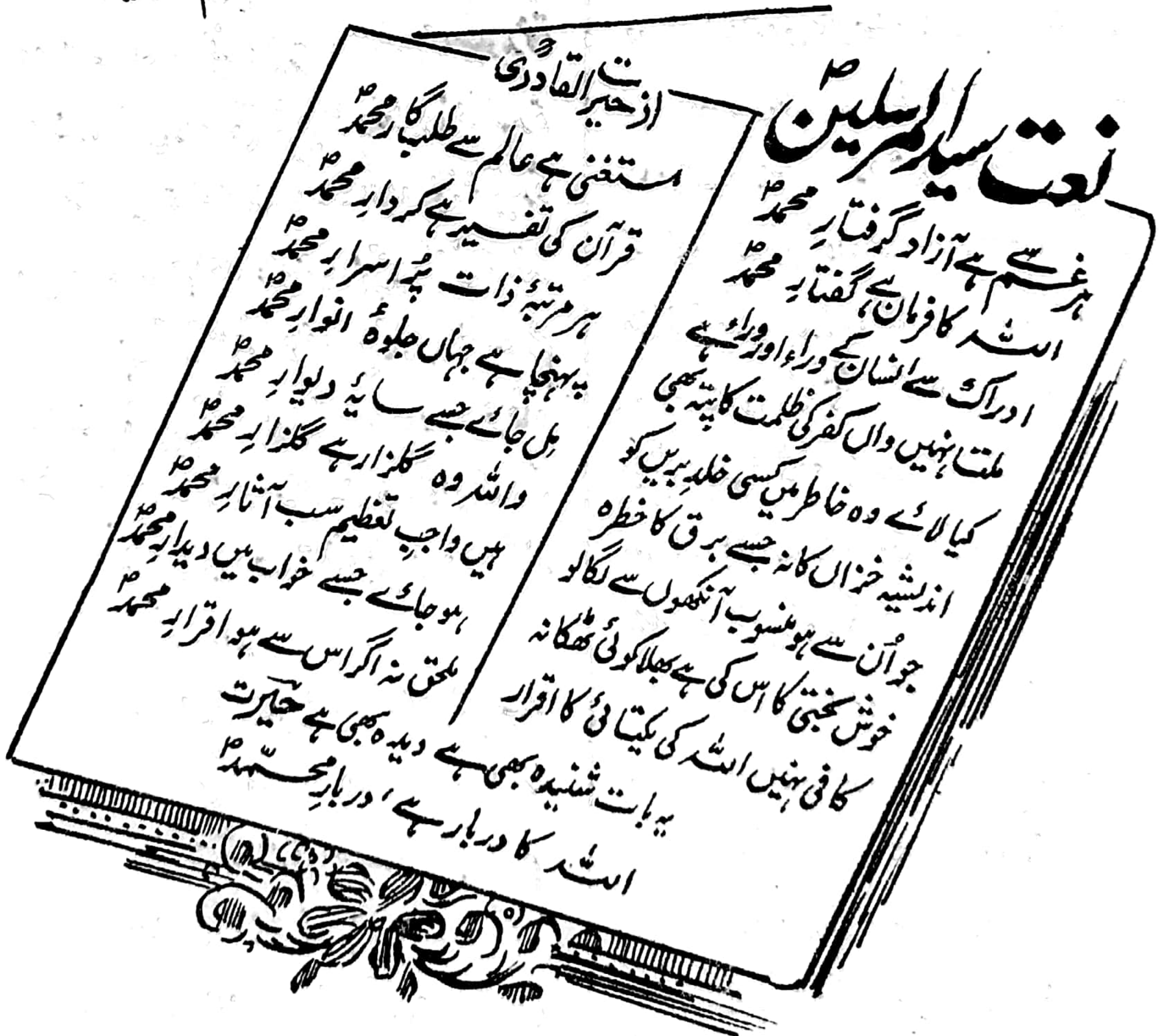
حضرت قطب ویلور نے اس کتاب میں درج ذیل سوالات و موضوعات پر انتہائی موثر فاضلانہ و محققانہ روشنی ڈالی ہے:-

- مسئلہ وحدت الوجود موافق قرآن و سنت اور مطابق عقیدۂ اہل سنت و جماعت ہے یا نہیں؟
- علماء متکلمین کے انکار مسئلۂ وحدت الوجود کی وجہ
- مسئلہ وحدت الوجود دلائل شرعیہ سے ثابت ہونے کی صورت میں اس کے منکر کو کافر یا فاسق قرار دینا ضروری ہے یا نہیں۔
- مسئلۂ وحدت الوجود کشف و الہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں کے لئے حجت ہے یا نہیں۔
- صاحب کشف کو اپنا الہام قرآن و حدیث پہ پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں۔
- کیا تصوف کے دقیق و غامض مسائل عوام الناس سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔
- کیا مسائل تصوف کا سمجھنا کسی عالم متبحر و شیخ کامل کی ذات سے منسلک ہے۔
- کیا اکثر مسائل صوفیہ ظاہر شریعت کے خلاف ہیں۔
- متقدمین میں کون کون وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

- مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے درمیان تطبیق۔
- وجودیہ اور شہودیہ کے مابین واقع شدہ اختلاف۔ ائمہ اربعہ کے فقہی اختلاف کے مانند ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

کتاب ہٰذا کا موضوع کس قدر دقیق اور نازک ہے، یہ حقیقت ذی علم اور اہل تصوف سے پوشیدہ نہیں، لہٰذا جہاں کہیں مصنف کے خیالات کی ترجمانی میں گنجلک سی کیفیت محسوس ہو تو یہ بات اس نفس خطاکار کے قلم کی جانب منسوب کی جانی چاہئے کیونکہ حضرت قطبؒ ویلور قدس سرہ کا دامن ذہولات علمی سے پاک و صاف ہے۔

بشیر الحق ادیونی احسن اللہ حالہ و مآلہ
استاذ، دار العلوم لطیفیہ



غایۃ التحقیق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا و مسلمًا دریں ایام از قریہ پیارم پیٹ استفسائے رسید، حاصلش آنکہ مسئلہ وحدۃ الوجود کہ از وی عینیت حق و خلق لازم می آید۔ و صاحب تحفہ مرسلہ و صاحب لمعات وغیرہما غیریت را اعتباری میگویدحق است یا باطل و موافق شریعت و مطابق عقیدۂ اہل سنت و جماعت است یا نہ۔ اگر مطابق عقیدۂ اہل سنت باشد چرا علماء متکلمین ہمچو قاضی عضد و سعد الدین تفتازانی و ملا علی قاری وغیرہم تضلیل و تکفیر قائلانِ ایں مسئلہ نمودہ و عرفاء مشہورین ہمچو علاؤ الدولہ سمنانی و خواجہ محمد باقی و امام ربانی مجدد الف ثانی وغیرہم رد و انکار ایں مسئلہ فرمودہ اند۔

درصورت ثبوت ایں مسئلہ بدلائل شرعیہ منکر آں کافر یا فاسق گردیدن ضروری ہست یا نہ۔

و درصورت ثبوت آں بکشف و الہام بر دیگراں حجت می تواند شد یا نہ۔

و صاحب کشف را عرض کشفِ خود بر قرآن و حدیث لازم ہست یا نہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیا و مسلمًا ان دنوں قریہ پیارم پیٹ سے ایک استفتاء موصول ہوا جس کا ماحصل یہ ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود جس سے حق و خلق کی عینیت لازم آتی ہے اور صاحب تحفہ مرسلہ و صاحب لمعات وغیرہما غیریت کو جو اعتباری کہتے ہیں، یہ حق ہے یا باطل اور موافق شریعت اور عقیدۂ اہل سنت و جماعت کے مطابق ہے یا نہیں۔ اگر عقیدۂ اہل سنت و جماعت کے مطابق ہے تو پھر کیوں اس مسئلہ میں علماء متکلمین مثلاً قاضی عضد و سعد الدین تفتازانی اور ملا علی قاری وغیرہم نے وحدت الوجود کے قائلین کی تکفیر و تضلیل فرمائی اور مشہور صوفیا، مثلاً علاؤ الدولہ سمنانی اور خواجہ محمد باقی اور امام ربانی مجدد الف ثانی وغیرہم نے اس مسئلہ کا انکار اور تردید کیوں کی ؟

مسئلہ وحدت الوجود دلائل شرعیہ سے ثابت ہونے کی صورت میں اس کے منکر کو کافر یا فاسق قرار دینا ضروری ہے یا نہیں۔

اور اگر کشف و الہام سے ثابت ہونے کی صورت میں دوسروں پر حجت ہوسکتا ہے یا نہیں۔

اور صاحب کشف کو اپنا کشف قرآن و سنت پر پیش کرنا ضروری ہے یا نہیں۔

ونیز استفتائے دیگر از انجا رسید حاصلش آنکہ دریں جا چند کس رد و انکار مسئلۂ وحدت الوجود می نمایند و طعن و تشنیع و تضلیل و تکفیر شیخ محی الدین ابن عربی و ملا نور الدین جامی و سائر قائلان وحدت الوجود می کنند ایں طعن و تشنیع و تضلیل و تکفیر مردم را میرسد یا نہ۔

و اکثر مسائل صوفیہ صافیہ برخلاف ظاہر شریعت اند یا نہ۔

و اخفاء غوامض و دقائق آنہا از عوام الناس لازم ہست یا نہ۔

و اظہار و بیان اصطلاحات عرفاء ذوی الاحترام بر ذات عالم متبحر و شیخ مستقل موقوف ہست یا نہ۔

و معانی آیہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید، وان اللہ علی کل شیئ محیط و حدیث خلق الانسان علی صورتہ وغیرھا و ماوراء تاویلات کتب اعتقادی کہ نزد عرفا متحقق ہست بجا ہست یا نہ۔

و حدیث انا من نور اللہ و کل شیئ من نوری و انا عرب بلا عین و انا احمد بلا میم وغیرھا صحیح اند یا نہ۔

و قائلان مسئلۂ وحدۃ الوجود در متقدمان کدام کدام اند۔

جواب

ونیز ایک اور فتویٰ بھی وہیں سے موصول ہوا۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ چند افراد مسئلہ وحدۃ الوجود کا رد و انکار کر رہے ہیں، اور شیخ محی الدین ابن عربی اور مولانا نور الدین جامی اور تمام قائلان وحدۃ الوجود کی تکفیر و تضلیل و لعن طعن کر رہے ہیں، ان لوگوں کی طعن و تشنیع اور تکفیر و تضلیل ان لوگوں کو پہنچتی ہے یا نہیں۔

کیا صوفیہ صافیہ کے اکثر مسائل ظاہر شریعت کے خلاف ہیں؟

اور ان کے دقائق و غوامض کا عوام الناس سے پوشیدہ رکھنا لازم ہے یا نہیں۔

اور کیا عرفاء ذوی الاحترام کی اصطلاحات کا اظہار و بیان عالم متبحر اور شیخ مستقل پر موقوف ہے۔

اور معانی آیت "نحن اقرب الیہ من حبل الورید" اور "ان اللہ علی کل شیئ محیط" اور حدیث "خلق الانسان علی صورتہ" وغیرہا اور کتب اعتقادی کی تاویلات جو صوفیہ کے نزدیک محقق اور ثابت ہیں وہ صحیح ہیں یا نہیں۔ اور حدیث "انا من نور اللہ و کل شیئ من نوری و انا عرب بلا عین اور انا احمد بلا میم وغیرہا صحیح ہیں یا نہیں۔

اور متقدمین میں کون کون وحدت الوجود کے قائل ہیں۔

جواب

جواب ۱ سوال اول آنکہ مسئلہ وحدۃ الوجود حق ہست۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی در فتویٰ خود می فرماید۔ وحدۃ الوجود حق و مطابق واقع ہست چراکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ براں قائم ہست چنانچہ در رسالہ "ادلۃ التوحید" شیخ علی مہایمی گجراتی مشروح و مبسوط ہست۔

وایں فتویٰ بتمامہ پس از جواب سوالات در اسناد مرقومۃ الذیل خواہد آمد، وصوفیہ آنچہ عالم را عین حق گفتہ اند۔ مراد ازاں عینیت بجمیع وجوہ نیست بلکہ عالم بوجہی عین و بوجہی غیر بود۔

چنانچہ زید کہ فردے ہست از نوع انسان بوجہ حقیقت عین نوع بود و بوجہ تعین غیر۔

مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی در "الطاف القدس" می نگارد، ظہور نسبتے است میان ظاہر و مظہر و حکم ایں نسبت غیر حکم سائر نسبتہا است،

چہ ظاہر عین مظہر بجمیع اعتبار نیست و غیر او نیز بجمیع اعتبار نہ مانند نوع انسان بہ نسبت افراد انسان اگر نوع عین ایں فرد بودے من جمیع الوجوہ بایستی کہ ایں فرد بر فرد دیگر محمول شدی۔ چنانکہ نوع محمول می شود و اگر غیر ایں فرد بودے من جمیع الوجوہ بایستی کہ ہذا انسان صحیح نشدی۔ چنانکہ ہذا حجر صحیح نیست نوع انسان و نوع فرس بہ نسبت حیوان۔ و حیوان و شجر بہ نسبت نامی، و نامی و جماد بہ نسبت جسم و جسم و مجرد بہ نسبت جوہر، و جوہر و عرض بہ نسبت وجود عام ہیں

جواب ۱ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسئلہ وحدت الوجود حق ہے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اپنے فتوے میں لکھتے ہیں کہ وحدت الوجود حق اور مطابق واقع ہے، کیونکہ دلائل عقلیہ و نقلیہ اس پہ قائم ہیں۔ چنانچہ اس کی مدلل و مفصل بحث شیخ علی مہائمی گجراتی کی کتاب ادلۃ التوحید میں ہے۔

اور یہ پورا فتویٰ سوالات کے جواب کے بعد مذکورالذیل اسناد میں آئے گا، اور صوفیائے عالم کو جو عین حق کہا ہے اس سے عینیت جمیع وجوہ سے مراد نہیں ہے، بلکہ عالم ایک وجہ سے عین اور ایک وجہ سے غیر ہے مثلاً زید، نوع انسان کا ایک فرد ہے حقیقت کے اعتبار سے عین نوع اور تعین کے لحاظ سے غیر۔

مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی "الطاف القدس" میں لکھتے ہیں۔ ظہور، ظاہر اور مظہر کے درمیان ایک نسبت ہے اور اس نسبت کا حکم دوسری تمام نسبتوں کے حکم سے علیحدہ ہے۔

کیونکہ ظاہر جمیع اعتبار سے عین مظہر نہیں ہے، اور اسی طرح جمیع اعتبارات سے غیر عین نہیں ہے۔ مانند نوع انسان بہ نسبت افراد۔ اگر انسان ہر اعتبار سے اس فرد کا عین نوع ہوتا تو ضروری ہو جاتا کہ یہ فرد دوسرے فرد پر محمول ہو۔ جیسا کہ نوع محمول ہوتا ہے اور اگر اس فرد کا غیر ہر اعتبار سے ہوتا تو ہذا انسان صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ ہذا حجر صحیح نہیں ہے۔ نوع انسان و نوع فرس، حیوان کی نسبت سے اور حیوان و شجر نامی کی نسبت سے اور نامی و جماد، جسم کی نسبت سے اور جسم و مجرد جوہر کی نسبت سے اور جوہر و عرض وجود عام کی نسبت سے

حال وارد، پس بدیہی ست کہ دریں مواضع مصداق حمل و مصداق تغایر ہر دو یافتہ می شود، دریں صورت احکام ہر دو قبیل را گنجائش بود. عقول قاصرہ گاہے آنرا از قبیل عین شئ گیرند من جمیع الوجوہ، چوں بعض لوازم عینیت یافتہ نشود نقص آں عقیدہ کنند و گاہ آنرا از قبیل غیر تراشند من جمیع الوجوہ چوں بعض لوازم غیریت بدست نیاید متحیر مانند عقول سلیمہ دانند کہ نسبتی ست غیر نسبت عینیت و غیریت ہر چہ از خصوصیات اشیا ناشی شدہ ساحت وجود عام از غبار آں پاک ست چنانکہ سواد بشرہ و قصر قامت و لکنت زبان نوع انساں را ملوث نمی سازد، ہر چند ایں اسود و اقصر و الکن انساں ست و ہر چہ از مرتبہ اطلاق من حیث المطلقیت سر بر آوردہ بخصوصیات نسبت نتواں کرد، چنانکہ نوع بودن و کلی بودن و مطلق بودن باین فرد نسبت نتواں کرد، ہر چند مطلق در مقید ست چوں دریں انواع مختلفہ خواص متنوعہ بدست می آید عقل بدستاویز ان امور متغایرہ بحکم الاشیاء تعرف باضدادہا بہ ثبوت انواع شتّٰی جزم کند و ہر یکے را از دیگری می شناسد بخلاف وجود عام کہ غیر وی چیزے محسوس و معقول نیست تا عقل را در وے تصرف بود و از غیر باز شناسد معہذا لطافت در لطافت و بساطت در بساطت است، بجز حیرت چیزے بدست عقل نیاید ازیں جا

یہی حکم رکھتا ہے۔ پس یہ تو امر بدیہی ہے کہ ان مواضع میں مصداق حمل اور مصداق تغایر دونوں پائے جاتے ہیں، اس صورت میں ہر دونوں قسم کے احکام کی گنجائش ہے عقول قاصرہ اس کو کبھی ہر اعتبار سے عین شیٔ قرار دیتی ہیں اور جب بعض لوازم عینیت نہیں پائے جاتے تو مذکورہ عقیدہ کو ناقص قرار دیتی ہیں اور کبھی اسکو من جمیع الوجوہ غیر قرار دیتی ہیں۔ اور جب بعض لوازم غیریت موجود نہ پائیں تو حیران و متحیر رہ جاتی ہیں، عقول سلیمہ جانتی ہیں کہ نسبت عینیت و غیریت کے علاوہ بھی ایک نسبت ہے اشیاء کی خصوصیات سے جو کیفیت پیدا ہوتی ہے ان کے غبار سے وجود عام کا میدان پاک ہے جیسا کہ جلد کی سیاہی، کوتاہ قامتی اور زبان کی لکنت نوع انسان کو ملوث نہیں کرتی اگرچہ کہ یہ سیاہ رنگ کوتاہ قد اور صاحب لکنت انسان ہی ہے اور جو کچھ اطلاق کے مرتبہ سے من حیث المطلقیت ظاہر ہوا ان کو خصوصیات کی نسبت نہیں کر سکتے جیسا کہ نوع ہونا، کلی ہونا اور مطلق ہونا اس فرد کی طرف نسبت نہیں کر سکتے ہر چند کہ مطلق مقید میں ہے۔ جب ان انواع مختلفہ میں خواص متنوعہ حاصل ہوتے ہیں تو عقل امور متغایرہ کی دستاویز سے بحکم الاشیاء تعرف باضدادہا۔ مختلف انواع کے ثبوت کا یقین کر لیتی ہے اور ہر ایک کو دوسرے سے پہچانتی ہے۔ برخلاف وجود عام کے۔ کیونکہ وجود عام کے سوا کوئی چیز محسوس و معقول نہیں کہ اس میں عقل تصرف کرے اور غیر سے ایک کو دوسرے سے امتیاز کرے۔ اس کے ساتھ لطافت میں لطافت اور بساطت میں بساطت ہے۔ حیرت اور تحیر کے سوا کوئی چیز عقل کو حاصل نہیں ہوتی۔ یہی

است کہ معقولیاں درمیان جوہر و عرض حقیقت مشترک اثبات نکردہ و وجود عالم را جنس اعلیٰ نشمردہ اند منشاء آں عدم حضور وجود عام ہست نزد عقل ایشاں انتہیٰ۔

و نیز مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی در مکتوب مدنی می طرازد۔ الصوفیۃ حیث قالوا العالم عین الحق ما ارادوا نفی الموجودات الخاصۃ الحاصلۃ من تنزل الوجود الی مراتب شتّٰی بل ارادوا افادۃ معنی التنزل والظہور فکما ان المعقولی یقول زید وعمرو واحد یعنی بہ التماثل فی النوع لا الاتحاد من کل وجہ ویقول الانسان والفرس واحد یعنی الاشتراک فی الحیوانیۃ ویقول الشجاع والاسد واحد یعنی المشابہۃ فی الشجاعۃ فکذٰلک الصوفیون یقولون العالم عین الحق یعنون تعنیۃ کلیۃ فی الوجود المنبسط وقیام الوجود المنبسط بالحق الاول جل مجدہ لا نفی التمایز بالکلیۃ قال قائلہم انتہیٰ۔

ہر مرتبہ از وجود حکمے دارد
گر حفظ مراتب نکنی زندیقی

وانچہ صاحب تحفۃ المرسلہ و ملا نورالدین عبدالرحمٰن جامی و دیگر صوفیہ غیریت را اعتباری گفتہ اند مراد ازاں اعتبار واقعی و حقیقی است نہ اعتبار معتبر چنانچہ مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی در مکتوب

سبب یہ ہے کہ اہل معقولات نے جوہر اور عرض کے درمیان میں کوئی حقیقت مشترک ثابت نہیں کی اور وجود عام کو جنس اعلیٰ میں شمار نہیں کیا۔ اس کی وجہ انکی عقلوں میں وجود عام حاضر نہیں ہے۔

نیز شاہ ولی اللہ دہلوی "مکتوب مدنی" میں رقمطراز ہیں۔ صوفیا نے جب عالم کو عین حق قرار دیا تو وجودات خاصہ کی نفی نہیں کی۔ وہ (وجودات خاصہ) جو مختلف مراتب میں وجود کے تنزل سے حاصل ہوتے ہیں، بلکہ انہوں نے تنزل وظہور کے معنی کے بیان کا ارادہ کیا۔ جیسا کہ ایک معقولی زید اور عمر کو ایک کہتا ہے تو اس سے اسکی مراد یہ ہوتی ہے کہ یہ دونوں ایک نوع ہیں، نہ یہ کہ زید اور عمر ہر اعتبار سے ایک ہیں اور جب انسان اور گھوڑے کو ایک کہتا ہے تو اسکی مراد حیوانیت میں اشتراک ہے۔ اور جب بہادر اور شیر کو ایک کہتا ہے تو اسکی مراد شجاعت میں مشابہت ہے بالکل اسی طرح صوفیاء عالم کو عین حق کہتے ہیں تو ان کی مراد وجود منبسط میں تعین کلیہ ہے اور یہ کہ وجود منبسط کا قیام حق جل مجدہٗ سے (وجود اول) ہے اور اسمیں ایک دوسرے کا غیر ہونے کی نفی نہیں ہے۔

کسی نے کہا:
وجود کا ہر مرتبہ ایک حکم رکھتا ہے
اگر تو حفظ مراتب نہ کرے تو زندیق ہے

صاحب تحفۃ المرسلہ اور ملا نورالدین عبدالرحمان جامی اور دیگر صوفیائے کرام نے غیریت کو جو اعتباری کہا ہے اس سے مراد اعتبار واقعی وحقیقی ہے نہ کہ اعتبار کرنے والے کا اعتبار۔ شاہ ولی اللہ دہلوی مکتوب مذکور میں لکھتے ہیں

میگوید لا یقال الصوفیة یلتزمون ان
الحقائق الامکانیة اعتبارات واضافات لاحقة
بالوجود لانا نقول الصوفیة یقولون بان
النار غیر الماء والماء غیر الهواء وان الانسان غیر
الفرس وان کان الوجود یشملها کلها فلا
جرم انهم ارادوا بالاعتبارات والاضافات
معنیً لا یزاحم هذا التغایر الذی یکون منشأً
لاختلاف الاحکام والآثار وهذا المعنی هو
الذی یعبر عنه بان الکثرة حقیقیة والوحدة
اعتباریة اذ لا نعنی بحقیقة الکثرة الا تمایز
الاحکام واختلاف الآثار وتغایر الحقائق التی
هی الموجودات الخاصة (ای لا نعنی) لا اختلافها
فی اصل الوجود وعدم رجوعها الی الوجود الواحد
المنبسط علی هیاکل الموجودات کلا۔ انتہیٰ

ونیز مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی در مکتوب
مذکور میگوید وکذالک کلام مولانا عبد الرحمٰن
الجامی عندی مسلم فان مقصوده نفی تاصل
الحقائق بحبالها وانها اعتبارات واضافات
(پیوستگیها ومتعلقات آنها) الوجود الحق بمعنی
ان الوجود ظهر فیها وتعین بها لا بمعنی الفرق
الاعتباری۔ انتہیٰ۔

ازہمیں عینیت وغیریت حقیقی خبر می دہد آنچہ
زبدۃ العارفین سید شاہ کمال الدین قدس سرہ می گوید:

ایسا نہیں کہنا چاہیئے کہ صوفیاء اس بات کو لازم قرار
دیتے ہیں کہ تمام حقائق ممکنہ وجود کے ساتھ ہونے والے
اضافات واعتبارات ہیں کیونکہ صوفیاء جب کہتے ہیں
کہ آتش غیر آب اور آب، غیر ہوا اور انسان غیر فرس ہے
اگرچہ کہ وجود ان تمام کو شامل ہے، اس بات میں شک نہیں
کہ اعتبارات واضافات سے ان کی مراد ایک ایسا امر
ہے جو تغایر کے مزاحم نہیں ہے اور یہی تغایر احکام و آثار
کے اختلاف کا سبب ہے۔ یہی وہ معنی ہے جس کی تعبیر
یوں کی گئی ہے کہ بے شک کثرت حقیقی ہے اور وحدت اعتباری
ہے۔ کثرت کے حقیقی ہونے سے ہماری مراد صرف احکام میں
امتیاز اور آثار میں اختلاف اور اُن حقائق میں تغایر
ہے جو وجوداتِ خاصہ ہیں۔ اس سے ہماری مراد یہ نہیں
کہ اصلی وجود میں حقائق مختلف ہیں اور یہ کہ حقائق وجود
واحد کی طرف رجوع نہیں ہوتے۔ وہ وجود واحد ہیاکل
موجودات پر منبسط ہے، یہ ہرگز ہماری مراد نہیں۔

ونیز مولانا شاہ ولی اللہ دہلوی مکتوب مذکور میں لکھتے
ہیں اسی طرح مولانا عبد الرحمٰن جامی کا کلام میرے نزدیک مسلم ہے
کیونکہ ان کا مقصود حقائق اور ان کے متعلقات کے اصلی
ہونے کی نفی ہے اور یہ کہ حقائق اور ان کے متعلقات
وجودِ حق کے اعتبارات واضافات ہیں (جس سے ان کی مراد
یہ ہے کہ) وجود ان حقائق میں ظاہر ہوا اور ان حقائق
سے متعین ہوا، یہ کہنا مقصود نہیں کہ وجود حق اور ان حقائق
میں فرق اعتباری ہے۔ زبدۃ العارفین سید شاہ کمال الدین قدس سرہ

شخص دسے عکس میں یعنی جہاں بیچ رب
عکس دسے شخص میں رب میں جہاں یہ عجب
شخص ہے باطن سو ذات عکس ہے ظاہر صفات
برزخ جامع مرات احمد والا لقب
نیست میں دستا ہے ہست ہست میں دستا ہے نیست
کر نہیں باور تو دیکھ شکل سراو حطب
صوفیہ کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ
خلق نہ ہو جائے حق عبد نہ ہو جائے رب
عطر کو کہنا شراب آب کو کہنا سراب
خوب کو کہنا خراب کذب ہے اے بے ادب
کر تو حقیقی دوئی عالم و حق میں ثبوت
ورنہ حقائق کے بیچ لاف نکر موند لب
وحدت مطلق میں لیک جاں سبھ بوجھ دیک
عالم و اللہ ہے ایک سب سو وہی وہ سو سب
ظاہر و باطن وہی واجب و ممکن وہی
کافر و مومن وہی دیر و حرم روز و شب

وصاحب "فیض عام" نیز در صفحۂ چہل و نہم درمیان حق و خلق، قائل نسبت عینیت و غیریت است چنانچہ در جواب سوال یازدہم خواہد آمد و ایضاً صاحب "فیض عام" در صفحۂ پنجاہ و سیوم می گوید، قطب المقربین شیخ محی الدین ابن عربی فتوحات کی اٹھاونویں باب میں لکھا ہے: انہ لیس للعبد فی العبودیۃ نھایۃ حتی یصل الیھا ثم یرجع

شخص دسے عکس میں یعنی جہاں بیچ رب
عکس دسے شخص میں رب میں جہاں یہ عجب
شخص ہے باطن سو ذات عکس ہے ظاہر صفات
برزخ جامع مرات احمد والا لقب
نیست میں دستا ہے ہست ہست میں دستا ہے نیست
کر نہیں باور تو دیکھ شکل سراو حطب
صوفیہ کا یاد رکھ قاعدۂ کلیہ
خلق نہ ہو جائے حق عبد نہ ہو جائے رب
عطر کو کہنا شراب آب کو کہنا سراب
خوب کو کہنا خراب کذب ہے اے بے ادب
کر تو حقیقی دوئی عالم و حق میں ثبوت
ورنہ حقائق کے بیچ لاف نکر موند لب
وحدت مطلق میں لیک جاں سبھ بوجھ دیک
عالم و اللہ ہے ایک سب سو وہی وہ سو سب
ظاہر و باطن وہی واجب و ممکن وہی
کافر و مومن وہی دیر و حرم روز و شب

اور صاحب "فیض عام" بھی (۴۹ ویں صفحہ میں) حق اور خلق کے درمیان نسبت عینیت و غیریت کے قائل ہیں چنانچہ گیارہویں سوال میں اس کا ذکر آئے گا و نیز صاحب فیض عام ۵۳ ویں صفحہ میں ذکر کرتے ہیں کہ فتوحات کے ۲۸ ویں باب میں قطب المقربین شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے، بندے کو بندہ بننے میں نہایت نہیں ہے۔ تا اس نہایت کو پہنچ کر رب ہو جاوے۔

ربا کما انه لیس للرب حد ینتهی الیه ثم یعود عبدا فالربّ ربٌّ غیر نهایة والعبد عبد غیر نهایة یعنی بندے کو بندہ پنے میں نہایت نہیں ہے تا اس نہایت کو پہنچ کر رب ہو جاوے جیسا حد نہیں ہے رب کو تا اس حد تک پہنچ کر بندہ ہو جاوے۔

• پھر اس صورت میں رب ہے سو رب ہے بلا انتہا اور بندہ ہے سو بندہ ہے بلا نہایت یعنی رب پنے کو اور بندہ پنے کو انتہا نہیں ہے۔ بندہ ہر مقام میں ہمیشہ بندہ ہی ہے اور رب ہر مرتبہ میں ہمیشہ رب ہی ہے۔ پھر کسی بندے کے رب پنے کا اعتقاد کرنا کسی مقام میں ہو کفر ہے۔ اگر کسی بزرگ کے کلام سے ایسی بات سمجھے جاوے تو تیری سمجھ کی غلطی ہے۔ اس بزرگ کی مراد وہ نہیں ہے جو تو نے سمجھا ہے۔ ملحدان صوفی شعار بعضے کلام سے بزرگوں کے یہی الٹی سمجھ لیکر آپ بھی کافر ہوئے، اپنے مریدوں کو بھی کفر میں ڈالے۔ اللہ کی پناہ۔ انتہی۔

پس ازاں باید دانست کہ وجودیہ وشہودیہ ومتکلمین ایں ہر سہ طائفہ از اہل سنت وجماعت اند، حلول واتحاد را کفر می دانند وحلولیہ واتحادیہ را تکفیر می کنند واختلاف اہل سنت چہ در مسائل ظاہر شریعت وچہ در مسائل باطن شریعت مانند اختلاف سنّی ورافضی یا سنّی وخارجی نیست تا تضلیل وتکفیر جانبے از جانب دیگر باشد بلکہ حق دریں اختلاف دایر بود، مجتہد ومقلد جزم باحد الطرفین نمی تواند

جیسا حد نہیں ہے رب کو، تا اس حد تک پہنچ کر بندہ ہو جاوے۔

پھر اس صورت میں رب ہے سو رب ہے۔ بلا انتہا اور بندہ ہے سو بندہ ہے یعنی رب پنے کو اور بندہ پنے کو انتہا نہیں ہے۔ بندہ ہر مقام میں ہمیشہ بندہ ہی ہے اور رب ہر مرتبہ میں ہمیشہ رب ہی ہے۔ کسی بندے کے رب پنے کا اعتقاد کرنا کسی مقام میں ہو کفر ہے۔ اگر کسی بزرگ کے کلام سے ایسی بات معلوم ہو تو یہ تیرے فہم کا قصور ہے۔ اس بزرگ کی مراد وہ نہیں جو تو نے سمجھ لیا۔ صوفیائے ملحدین نے بعض بزرگوں کے کلام سے یہی سمجھ لیکر خود بھی کافر ہوئے اور اپنے مریدین کو بھی کفر میں ڈالے۔ خدا کی پناہ۔

پس اس کے بعد یہ بات جاننی چاہئے کہ وجودیہ شہودیہ اور متکلمین یہ تینوں اہل سنت وجماعت کے گروہ ہیں اور حلول واتحاد کو کفر سمجھتے ہیں اور فرقہ حلولیہ واتحادیہ کی تکفیر کرتے ہیں اور اہل سنت کے اختلاف چاہے وہ ظاہر شریعت کے مسائل کے اندر ہوں یا باطن شریعت کے مسائل میں ہوں، سنّی ورفضی یا سنّی خارجی کے اختلاف کے مانند نہیں ہیں کہ ایک دوسرے کی تضلیل وتکفیر کی جائے بلکہ حق ان مختلف اقوال میں منحصر ہے۔ مجتہد اور مقلد

ساخت اگر نظر بدلیل یک طرف راجح شود، طرف دیگر را ضلال و گمراہی نباید پنداشت۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی در مکتوب موسومہ مولوی نوراللہ کہ در اسناد مرقومۃ الذیل خواہد آمد، می فرماید کہ ما مردم را کہ بعد از زوال خلاف پیدا شدہ ایم جزم باحد الطرفین نمی تواند شد۔ پس سبیل ما مردم این است کہ چنانچہ در مذاہب اربعہ حق را دایر می انگاریم و می گوییم، کہ مثلاً مذہب حنفیہ صواب یحتمل الخطا ست و مذہب شافعی و مالکی و غیر ایشاں خطا یحتمل الصواب است ہمچنیں دریں دو مذہب توحید وجودی و توحید شہودی اگر نظر بدلیل یک طرف راجح شود آں طرف دیگر را ہم ضلال و گمراہی نباید انگاشت۔

ونیز در وے می نگارد۔ حاصل کلام آنکہ اختلافی کہ درمیان است بسبب تفاریق توحید وجودی و توحید شہودی واقع شدہ مانند اختلاف سنّی و رافضی و خارجی نیست کہ تضلیل و تکفیر احد الجہتین از جانبین باشد۔ بلکہ مانند اختلاف مذاہب اربعہ است۔ انتہیٰ۔

و شیخ الہند در نوع ششم باب دہم "مدارج" می فرماید جزم کردن بیک جانب و ترجیح آں و تعصب نمودن دراں مناسب طریقۂ اختلاف نیست۔

ونیز در وے می نگارد، در امر مختلف فیہ عیب یک دیگر نباید کرد و ہر یکے را بحال خود باید گذاشت فربکم اعلم بمن ھو اھدی سبیلا۔ انتہی۔

ان دو باتوں میں سے کسی ایک بات کا یقین نہیں کر سکتے اگر ایک قول کی دلیل زیادہ راجح ہو تو دوسرے قول کو گمراہی و ضلالت نہیں سمجھنا چاہئے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولوی نوراللہ کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں فرماتے ہیں جو ذیل کے اسناد میں آرہا ہے۔ ہم لوگ جو اس اختلاف کے بعد پیدا ہوئے ہیں طرفین میں سے کسی ایک کا یقین نہیں کر سکتے۔ پس ہم لوگوں کے لئے یہی راہ باقی رہ گئی ہے کہ جس طرح مذاہب اربعہ میں حق کو دائر سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مثلاً مذہب حنفیہ درست ہے لیکن خطا کا احتمال ہے اور مذہب شافعی و مالکی اور ان کے علاوہ دوسرے مذاہب خطا ہیں لیکن درست ہونے کا احتمال رکھتے ہیں بالکل یہی حال مذہب توحید وجودی اور مذہب توحید شہودی کا ہے اگر انہیں سے ایک دلیل کی وجہ سے راجح ہو تو دوسرے کو گمراہی و ضلالت نہیں سمجھنا چاہئے ـــ ونیز اسی مکتوب میں لکھتے ہیں، حاصل کلام یہ ہے کہ توحید وجودی اور توحید شہودی کے فرق کی وجہ سے امت کے درمیان جو اختلاف رونما ہوا وہ سنّی و رافضی یا سنّی و خارجی کے اختلاف کے مانند نہیں ہے کہ جانبین سے ایک دوسرے کی تکفیر و تضلیل کریں بلکہ یہ اختلاف مذاہب اربعہ کے اختلاف کے مانند ہے ـــ اور شیخ الہند مولانا شاہ عبدالحق دہلوی "مدارج" کے دسویں باب کے چھٹے نوع میں فرماتے ہیں۔ ایک جانب کا یقین کرنا اور اسی کو ترجیح دینا اور اس میں تعصب کا اظہار کرنا۔ اختلاف کا مناسب طریقہ نہیں ہے۔

ونیز اسی میں رقمطراز ہیں کہ اختلافی امر میں ایک دوسرے پر عیب لگانا نہیں چاہئے اور ہر ایک کو اپنے اپنے

ازیں بیان ہویدا شد کہ مسئلہ وحدۃ الوجود
حق و موافق شریعت و مطابق عقیدۂ اہل سنت
است۔

جواب ۲ سوال دویم آنکہ در علماء سطحیان
متکلمین ہمچو قاضی عضد و تفتازانی و ملا علی قاری
وغیرہم پئے بواقع نبردہ بے تعمیق و تحقیق انکار مسئلہ
وحدۃ الوجود کردہ اند اما محققین و ائمۂ متکلمین ہمچو امام
حجۃ الاسلام محمد غزالی و امام فخر الدین رازی وغیرہما
از قایلان ایں مسئلہ اند مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی در
فتوای خود کہ در اسناد خواہد آمد می فرماید علماء متکلمین
را انکار ایں مسئلہ ہمکے از دو وجہ ہست اول آنکہ بریں
مسئلہ بسبب کمال دقت و باریکی شبہات عقلیہ و نقلیہ
بسیار وارد می شوند در نظر انہا حل ان شبہات میسر نشدہ
ناچار بانکارش آمدند ایں ہست حال سطحیان از
متکلمین۔

دوم آنکہ ایں مسئلہ از اسرار است شرایع
و ادیان موقوف بر دانستن ایں مسئلہ نیست بلکہ عوام
را تلقین ایں مسئلہ موجب انفتاح باب الحاد ہست
و اباحت شرور و فساد ہست و مداہنت در امتثال
تکلیفات میکرد و پس بیان ایں مسئلہ بنا بر دقت
و باریکی آں ممنوع و محذور ہست و امساک لسان
ازاں واجب دانند چنانچہ حدیث شریف وارد است

حال پر چھوڑ دینا چاہیئے فربکم اعلم بمن ہو اہدی سبیلا
تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ زیادہ ہدایت کے راستہ پہ کون ہے۔

اس بیان سے یہ بات ظاہر ہو گئی کہ مسئلہ وحدۃ الوجود
حق ہے اور شریعت کے موافق اور عقیدۂ اہل سنت کے مطابق ہے۔

جواب ۲ سوال دوم کا جواب یہ ہے کہ سطحی علماء و متکلمین
مثلاً قاضی عضد و تفتازانی اور ملا علی قاری وغیرہ
اس حقیقت کے درپے نہیں ہوئے اور بغیر تحقیق و تعمیق کے
مسئلہ وحدت الوجود کا انکار کئے ہیں لیکن ائمہ متکلمین و
محققین مثلاً امام حجۃ الاسلام محمد غزالی اور امام فخر الدین رازی
وغیرہ اس مسئلہ کے قائلین میں سے ہیں۔ مولانا شاہ عبد العزیز
دہلوی اپنے فتوی میں لکھتے ہیں جس کا ذکر اسناد میں ہوگا۔ علمائے
متکلمین کے انکار مسئلہ وحدت الوجود کی دو وجہ ہیں اول
یہ کہ اس مسئلہ پہ کمال دقت و باریکی کی وجہ سے بے شمار عقلی
و نقلی شبہات وارد ہوتے ہیں اور ان شبہات کا حل میسر ہونے
کی وجہ سے ناچار اس مسئلہ کا انکار کیا ہے۔ یہ حالت سطحی
متکلمین کی ہے۔

دوم یہ کہ اس مسئلہ کا تعلق اسرار سے ہے۔ شرائع
اور ادیان اس مسئلہ کے جاننے پر موقوف نہیں ہیں بلکہ عوام
کو اس مسئلہ کی تعلیم دینا الحاد کا دروازہ کھولنے اور شرور
و فساد کو مباح کرنے اور احکام شرعیہ کی پابندی میں مداہنت
و بے پروائی کرنے کا باعث ہے۔ پس اس مسئلہ کی نزاکت
و باریکی اور دقت کی وجہ سے اسکا اظہار و بیان ممنوع
ہے لہٰذا اس باب میں خاموشی کو واجب جانتے ہیں جیسا کہ

اذا ذکر القدر فامسکوا، واذا ذکر اصحابی فامسکوا واذا ذکر النجوم فامسکوا معلوم شد کہ تفصیل وتفتیش وتحقیق درامثال این مسئلہ دقیق منجر بضلال واضلال می کرد واین ہست حال محققان متکلمین ومعہذا این جماعہ در تصانیف خود ایماء اجمالی این مسئلہ دادہ اند کالغزالی والرازی وغیرہما من آئمۃ ہذا الفن، اگر تفصیلش منظور باشد کتاب "تنبیہ المحجوبین" مطالعہ باید کرد۔

ونیز در روے می نگارد، بدانند کہ علماء متکلمین کہ اعتماد بر اقوال آنہاست انکار صریحش نکردہ اند بلکہ سکوت ورزیدہ اند وازبیان آن دم درکشیدہ اند للوجہ الذی ذکرناہ آری مقلدان علماء متکلمین سکوت ایشاں را انکار گماں کردہ اند مثل تفتازانی وقاضی عضد ودیگر متاخرین لیکن معلوم ہست کہ دریں باب مقتدایان امام غزالی وامام رازی وامثال آنہا اند نہ متاخرین، انتہیٰ

پس دریں مسئلہ معتبر قول محققین و ائمۂ متکلمین ہست نہ قول سطحیان متکلمین و در عرفاء جمہور صوفیہ قایل مسئلۂ وحدۃ الوجود اند وبعضے قایل وحدۃ الشہود۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی در مکتوب موسومہ مولوی نوراللہ کہ در اسناد مرقومۃ الذیل خواہد آمد، می طرازد۔

حدیث میں وارد ہے "جب قدر کا ذکر کیا جائے تو خاموش رہو۔ اور جب میرے اصحاب کا ذکر ہو تو خاموش رہو، اور جب نجوم کا ذکر ہو تو خاموش رہو"۔ معلوم ہوا کہ ایسے دقیق مسائل میں تحقیق وتفصیل کے درپے ہونا گویا خود کے لئے گمراہی اور اوروں کیلئے گمراہی وضلالت کا سبب بنتا ہے یہی محقق متکلمین کا حال ہے۔ اس کے ساتھ اس جماعت نے اپنی کتابوں میں اس مسئلہ پر اجمالاً روشنی ڈالی ہے، جیسے غزالی رازی اور ان کے علاوہ اس فن کے دیگر ائمہ۔ اگر اس مسئلہ کی تفصیل وضاحت مطلوب ہو تو کتاب "تنبیہ المحجوبین" کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

ونیز شاہ صاحب اسی مکتوب میں لکھتے ہیں، جاننا چاہئے کہ علماء متکلمین نے جن کے اقوال پر اعتماد کیا جاتا ہے اس مسئلہ کا صریح انکار نہیں کیا ہے بلکہ سکوت اختیار کیا اور خاموش رہے۔ چنانچہ اس کا سبب یہی ہے جو ہم نے ذکر کیا (کمال دقت شبہات کثیرہ اور موجب الحاد) ہاں علمائے متکلمین کے مقلدین مثلاً تفتازانی اور قاضی عضد و دیگر متاخرین نے ان کے سکوت کو انکار سمجھ لیا لیکن معلوم ہے کہ اس باب میں غزالی ورازی اور ان جیسوں کی اقتدا کی جائے نہ کہ متاخرین کی ــــ پس اس مسئلہ میں محققین اور ائمۂ متکلمین کا قول ہی معتبر ہے نہ کہ سطحی متکلمین کا۔ اور عرفاء میں جمہور صوفیاء مسئلۂ وحدۃ الوجود کے قائل ہیں اور بعض وحدت الشہود کے۔ مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی، مولوی نوراللہ کے نام لکھے ہوئے مکتوب میں فرماتے ہیں جو ذیل میں ذکر کئے جانے والے اسناد میں مذکور ہوگا۔

کہ ہمیں مذہب را یعنی مذہب وحدۃ الوجود را صوفیہ بسیار و علماء نامدار اختیار کردہ اند و دریں باب رسائل وکتب نوشتہ اند۔ عمدۂ آنہا از قادریہ شیخ اکبر محی الدین ابن العربی و شیخ صدر الدین قونوی و شیخ عبدالکریم جیلی و شیخ عبدالرزاق جھجانوی و شیخ امان پانی پتی رحمہم اللہ۔

و از کبرویہ مولانا جلال الدین رومی و شمس الدین تبریزی رحمہما اللہ۔

و از سہروردیہ شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ و از حضرات چشتیہ سید محمد گیسو دراز و سید جعفر مکی رحمہما اللہ۔ و از نقشبندیہ خواجہ باقی باللہ و عبید اللہ احرار و مولانا نور الدین جامی و مولانا عبدالغفور لاری و علیٰ ہذا القیاس شیخ عبدالرزاق کاشی شمس الدین فنباری و قیصری و سعید الدین فرغانی، وغیر ایشاں۔ گذشتہ اند و تصانیف ایں بزرگاں موجود و مشہور است چنانچہ بملاحظۂ آں صاحب درآمدہ باشد و جماعۂ دیگر آں ہمہ اشارات را بر تاویل حکایت (ای حکایت عین الشی) یا سکر حمل نمودہ انکار وحدۃ الوجود کردہ اند و گفتہ اند کہ وحدۃ الوجود در بعض اوقات بنظر سالک می آید نہ آنکہ در حقیقت باشد چنانچہ در روشنی آفتاب ہمہ ستارہا بے نور می شود و بنظر نمی آید حالانکہ در نفس الامر موجود اند و نور ہم دارند لیکن در وقت نہار بسبب غلبہ نور آفتاب نور ایں ہا مضمحل می گردد ہمچنیں است

اسی مذہب یعنی وحدۃ الوجود کو بہت سے صوفیاء اور نامور علماء اختیار کئے ہوئے ہیں اور اس باب میں رسائل وکتب لکھے ہیں جن میں سے معتمد و مستند سلسلہ قادریہ میں سے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ صدر الدین قونوی اور شیخ عبدالکریم جیلی اور شیخ عبدالرزاق جھجانوی اور شیخ امان پانی پتی رحمہم اللہ۔

اور کبرویہ میں سے مولانا جلال الدین رومی اور شمس الدین تبریزی رحمہما اللہ

اور سہروردیہ میں سے شیخ فرید الدین عطار رحمہ اللہ اور حضرات چشتیہ میں سے سید محمد گیسو دراز اور سید جعفر مکی رحمہما اللہ اور نقشبندیہ میں سے خواجہ باقی باللہ اور عبید اللہ احرار اور مولانا نور الدین جامی اور مولانا عبدالغفور لاری اور اسی طرح شیخ عبدالرزاق کاشی شمس الدین فنباری اور قیصری اور سعید الدین فرغانی اور ان کے علاوہ اور بھی گذرے ہیں اور ان بزرگوں کے تصانیف موجود اور مشہور ہیں۔ یہ آپ کے ملاحظہ میں آئی ہونگی۔

اور دوسری جماعت نے ان کے تمام اشارات کو تاویل حکایت یا سکر پہ حمل کرتے ہوئے وحدت الوجود کا انکار کیا ہے، اور کہا ہے کہ وجود کی وحدت بعض اوقات سالک کی نظر میں آتی ہے حالانکہ حقیقت میں وہ نہیں ہے۔ جس طرح آفتاب کی روشنی میں تمام ستارے بے نور ہو جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے حالانکہ نفس الامر میں ان کا وجود ہے اور روشنی بھی رکھتے ہیں لیکن دن کے وقت میں نور آفتاب کے غلبہ کی وجہ سے

حال چراغ پیش مشعل پس کسانیکہ بتوحید صرف رہ زدہ اند توحید ایشان محض درشہود و در نظر است بے آنکہ در وجود باشد وہمین است مذہب شیخ علاؤالدولہ سمنانی و جماعتے دیگراز قدماء و مذہب امام ربانی و اتباع ایشان واین حضرات ہم در اثبات ایں عقیدہ برسائل و مصنفات بسیار پرداختہ اند۔ انتہی۔

اکنوں باید دانست کہ دریں مسئلہ اگرچہ شیخ سمنانی مخالف شیخ است معہذا مادح شیخ است چنانچہ صاحب نفحات دراحوال شیخ می فرماید، شیخ سمنانی قدس اللہ تعالیٰ روحہ بہ بزرگی وکمال حضرت شیخ رضی اللہ عنہ دربسیارے ازحواشی فتوحات اعتراف نمودہ ست چنانکہ درخطاب وے نوشتہ کہ ایھا الصدیق وایھا المقرب وایھا الولی ایھا العارف الحقانی وایں حواشی حالا بخط وی برکنار فتوحات موجود است انتہی۔

و امام ربانی نیز باوجود مخالفت درمکتوب صد وشصتم جلد اول طائفہ وجودیہ راعلی تفاوت درجات الوصل والکمال واصل کامل می فرمایند۔ و درمکتوب دوبست وشصت وششم جلد اول شیخ را از اولیاء مقبولان می گوید، و درمکتوب ہفتاد وہفتم جلد سیوم شیخ را در اولیای کبائر بینند۔

ان کا نور مضمحل ہو جاتا ہے اور یہی حال مشعل کے سامنے چراغ کا ہے' اور جن لوگوں نے توحید خالص کی راہ اختیار کی ہے ان کی توحید صرف شہود میں اور نظر میں ہے، نہ کہ وجود میں۔ اور یہی مذہب شیخ علاؤالدولہ سمنانی اور متقدمین میں سے ایک دوسری جماعت کا ہے اور یہی امام ربانی اور ان کے متبعین کا مذہب ہے' اور ان حضرات نے بھی اس عقیدہ کے اثبات وثبوت میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

اس مقام پر یہ بات قابل غور ہے کہ شیخ سمنانی اس مسئلہ میں اگرچہ کہ شیخ کے مخالف ہیں لیکن اس کے باوجود وہ شیخ کی تعریف اور مدح میں رطب اللساں ہیں۔ چنانچہ صاحب نفحات شیخ ابن عربی کے حالات میں لکھتے ہیں شیخ سمنانی نے فتوحات کے حواشی میں بہت جگہ ابن عربی کی بزرگی اور ان کے کمال کا اعتراف کیا ہے' چنانچہ ان لفظوں میں ان سے مخاطب ہیں۔ اے صدیق' اے مقرب' اے ولی اور اے عارف حقانی۔ اور یہ حواشی آج بھی ان ہی کے خط سے فتوحات کے حاشیہ میں موجود ہیں۔

و نیز امام ربانی مخالفت کے باوجود مکتوبات کے جلد اول اور مکتوب نمبر ۱۶۰ میں فرماتے ہیں کہ یہ طائفہ' وجودیہ وصل وکمال کے مختلف درجوں اور مرتبوں پر فائز ہیں۔

اور جلد اول کے ۲۶۶ ویں مکتوب میں شیخ ابن عربی کو اولیائے مقبول میں گر دانتے ہیں اور جلد سوم کے ۷۷ ویں مکتوب میں شیخ کو اولیائے کبار میں شمار کرتے ہیں۔

ومولانا شاہ ولی اللہ دہلوی در "ہمعات"
طریق شیخ را بوصف قدم الصدق توصیف کردہ و
در "انتباہ" شیخ را از شیوخ سلسلۂ خود شمردہ است
و در مکتوب مدنی برصحت کشوف وحدۃ الوجود و
وحدۃ الشہود رفتہ و میان این ہر دو مسئلہ تطبیق دادہ
است بلکہ بر سہو و فلتۂ علمیہ شیخ شیوخ خود شیخ
مجدد اعتراف نمودہ است حیث قال قد وقع
عندنا ان المکشوفین صحیحان جمیعا لکن
القول ای قول المجدد بان وحدۃ الشہود
علی ھذا المعنی ای ان العالم عکوس الاسماء
والصفات انطبعت فی مرایا الاعدام المقابلۃ
لتلک الاسماء الصفات لم یقل بہ الشیخ ابن
العربی سھو بل الشیخ واتباعہ بل الحکماء
ایضا یقولون بھا۔ انتہی۔

ونیز در وے می گوید وبالجملہ فالقول بان
حقایق الممکنات عکوس الاسماء المنطبعۃ
فی الاعدام المقابلۃ لہا لیس مخالفا لکلام
الشیخ ابن عربی واتباعہ وکم لھم من تصریح
او تلویح بھذا المعنی وقد اومانا الی اوجہ
المسئلۃ فلاحاجۃ الی نقل کلامھم والاطناب
بسرد تصریحاتھم والقول بان حقائق
الممکنات ھی الاسماء بمعنی ان الاسماء ھی
المتأصلۃ فی الوجود ولھا ظل فی الطرف

اور مولانا شاہ ولی اللہ دہلویؒ "ہمعات" میں شیخ
کے طریق کو راہ صدق کے وصف سے متصف کیا ہے، اور
"انتباہ" میں شیخ کو اپنے سلسلہ کے شیوخ میں شامل کیا ہے۔

مکتوب مدنی میں وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے کشف
کی صحت کا اعتراف کرتے ہوئے دونوں مسئلوں کے درمیان
تطبیق دی ہے بلکہ شیخ مجدد نے اپنے شیخ شیوخ کے
سہو اور لغزش علمی کا اعتراف کیا ہے (شاہ ولی اللہ دہلوی
نے کہا) ہمارے نزدیک یہ بات ثابت ہے کہ یہ دونوں کشف
صحیح ہیں (یعنی وحدت الوجود، وحدت الشہود) تو ایسی
صورت میں مجدد کا یہ کہنا سہو ہے کہ ابن عربی نے اس معنی میں
وحدت شہود نہیں کہا کہ عالم یعنی ممکنات، اسماء وصفات
کے عکس ہیں جو عدم کے آئینوں میں منطبع ہیں۔ اور
یہ آئینے ان اسماء وصفات کے مقابل ہیں۔ اس بات کے
قائل نہ صرف شیخ اور ان کے متبعین بلکہ حکماء بھی ہیں۔

ونیز اسی میں لکھتے ہیں۔ حاصل کلام بس یہ
کہنا شیخ اور ان کے متبعین کے خلاف نہیں کہ تمام حقائق
ممکنات اسماء کے عکس ہیں جو عدم (کے آئینوں) میں منطبع
ہیں اور جو (آئینے) اسماء کے مقابل ہیں۔ اس معنی ومفہوم
کے تصریحات وتلویحات ان کے کلام میں ہیں۔ ہم اس مسئلہ
کے کئی وجوہ کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے اقوال اور
تصریحات کو نقل کر کے کلام کو طول دینے کی ضرورت نہیں۔

اور شیخ اکبر کا یہ کہنا شیخ مجدد کے قول کے
مخالف نہیں کہ حقائق ممکنات ہی اسماء ہیں۔

المقابل یسمی باعیان الممکنات او بمعنی ان المعارف له ربا من الاسماء وهو حقیقته التی یرجع الیها لیس مخالفا لکلام الشیخ المجدد ولو شئنا لاقمنا براهین کثیرة من کلامه فمحل کلام الشیخ انه وجد بعض مقال الشیخ ابن العربی واتباعه فحمله علی ما یخالف وجدانه وتلك فلتة علمیة لا منزلة کشفیة والفلتات لا یخلو منها العلماء ولا یضر علو مقامهم ان یوجد فی بعض کلامهم قلیلا فلتة انتهی۔

بالجملہ اسباب طعن بسیار اند صاحب نفحات در احوال شیخ می فرماید کہ اعظم اسباب طعن طاعنان در وے کتاب فصوص الحکم است وہمانا کہ منشاء طعن طاعناں یا تقلید و تعصب ہست یا عدم اطلاع مصطلحات وی با غموض معانی وحقائقی کہ در مصنفات خود درج کردہ ہست و آں مقدار حقائق و معارف کہ در مصنفات وی بتخصیص در فصوص و فتوحات اندراج یافتہ ہست در ہیچ کتاب یافتہ نشود واز ہیچ کس ازیں طائفہ ظاہر نشدہ ہست' وایں فقیر (مولانا جامی) از خدمت خواجہ ابونصر پارسا قدس سرہ چنین استماع دارد کہ می گفت کہ والد من (یعنی خواجہ محمد پارسا) می فرمود کہ فصوص جان ہست و فتوحات دل۔ وہر جا کہ والد بزرگوار ایشاں در کتاب فصل الخطاب قال بعض کبراء العارفین گفتہ است۔

اس معنی میں کہ بے شک اسماء ہی وجود میں اصل ہیں اور جن کو اعیان ممکنات کہا جاتا ہے وہ طرف مقابل میں ان اسماء کے ظل و عکس ہیں یا اس معنی میں کہ ہر عارف کا اسم رب ہے اور وہ اسم ہی اس عارف کی حقیقت ہے جس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو مجدد کے کلام ہی سے ان کے خلاف دلائل و براہین قائم کر سکتے ہیں مجدد کے کلام کا سبب یہ ہے کہ شیخ ابن عربی اور ان کے متبعین کے کلام میں بعض اقوال ایسے پائے جاتے ہیں جن کا مصداق انہوں نے اپنے وجدان کے خلاف قرار دیا۔ یہ کشف کی بات نہیں ہے بلکہ لغزش علمی ہے۔ علمائے کرام علمی لغزشوں سے خالی نہیں ہیں اس قسم کی قلیل لغزشوں سے انکے علو مقام کو نقصان نہیں پہنچتا۔

حاصل کلام اسباب طعن بہت ہیں صاحب نفحات شیخ ابن عربی کے حالات میں لکھتے ہیں' آپکے متعلق طعن زنوں کے طعن و تشنیع کا سب سے عظیم سبب کتاب فصوص الحکم ہے۔ اس مقام پہ طعنہ زن لوگوں کی طعن و تشنیع کا منشأ یا تو تقلید و تعصب ہے یا ان کی اصطلاحات سے ناواقفیت یا ان حقائق و معانی کی مشکلات ہیں جو انہوں نے اپنی تصنیفات میں درج کی ہیں۔ حقائق و معارف کی جو مقدار انکی کتابوں میں اور بالخصوص فتوحات اور فصوص الحکم میں پائی جاتی ہیں کسی اور کتاب میں نہیں پائے جاتے اور اس گروہ میں سے کسی شخص سے بھی یہ چیزیں ظاہر نہیں ہوئیں اور اس فقیر (مولانا جامی) نے خواجہ ابونصر پارسا قدس سرہ کو اسطرح فرماتے ہوئے سنا کہ میرے والد (خواجہ محمد پارسا) کہا کرتے تھے کہ "فصوص" جان ہے اور "فتوحات" دل ہے اور جہاں کہیں بھی انکے والد بزرگوار نے کتاب "فصل الخطاب"

مراد بآن حضرت شیخ است قدس سرہٗ ۔
انتہی

ازیں بیان ہویدا شد کہ دریں اختلاف اہل سنت معتبر قول محققین و ائمۂ متکلمین و جمہور صوفیہ است ۔

میں قال بعض کبراء العارفین کہا ہے۔ اس سے مراد شیخ ابن عربی قدس سرہٗ ہیں ۔

اس بیان سے ظاہر ہوا کہ اہل سنت کے اس اختلاف میں محققین و ائمۂ متکلمین اور جمہور صوفیاء کا قول ہی مستند ہے ۔

(بقیہ ان شاء اللہ اگلے شمارہ میں ملاحظہ کیجئے ۔)

نعت شریف

یہ نعتِ شریف علامہ اقبالؒ کے کسی مطبوعہ مجموعہ میں نہیں پائی جاتی ھے

دلدادۂ ہوائے فصلِ بہار ہوں میں
ہمہ اشتیاق ہوں میں ہمہ انتظار ہوں میں

یہ کچھ اس ادا سے اڑ کر میں سوئے دام آیا
صیاد کہہ رہا ہے تیرا شکار ہوں میں

نازک مزاجیاں تو میرے جنوں کی دیکھو
زنجیر جوئے موجِ بادِ بہار ہوں میں

کیا کام لے رہا ہوں اے خضر زندگی سے
جاں در ہوائے ذوقِ خوابِ مزار ہوں میں

گلگیر کے ستم کا کھٹکا نہیں ہے مجھ کو
اے بزمِ زندگانی شمعِ مزار ہوں میں

واماندگی کرشمہ اپنا اسے نہ سمجھے
لذت چشِ خراشِ ہر نوکِ خار ہوں میں

اے اشکِ چشمِ پرخوں یہ ربط چھٹ نہ جائے
میری بہار تو ہے تیری بہار ہوں میں

زادِ عمل نہیں ہے محشر کا سامنا ہے
ہاں اے لبِ شفاعت امیدوار ہوں میں

اے راز میم پردے محشر تلک ہیں سارے
تو خود کہے گا اک دن لو آشکار ہوں میں

زاہد نہیں جو مجھ کو جنت کی آرزو ہو
اے خاکِ پاکِ یثرب تیرا غبار ہوں میں

صدقے ہوں جس پہ گلشن نکلا وہ پھول تجھ سے
اے گلستانِ یثرب تیرا نثار ہوں میں

اقبال عشق کی یہ ساری کرامتیں ہیں
صدقے ہوں سو تبسم جب اشکبار ہوں میں

منقول از اخبار وطن لاہور نمبر ۸ جلد ۴ یوم جمعہ ۲۶ فروری ۱۹۰۴ء مطابق ۸ ذی الحجہ ۱۳۲۱ھ

پیش کردہ: سید وجیہہ المنعی سقاف زمرۂ ثالثہ متعلم دار العلوم لطیفیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخزن السلاسل

بارھویں قسط

تصنیف انیف

قدوۃ السالکین عمدۃ الکاملین حضرت مولٰنا سید شاہ ابو الحسن ثانی قادری قدس سرہ

مترجم

مولانا محمد حسین صاحب ایم-اے

استاذ دار العلوم لطیفیہ

(مکانِ حضرت قطبِ ویلور)

مخزن السلاسل سے صد لطیفیہ کے دس خرقوں کے سلاسل ترجمہ کے ساتھ پیش کئے جا رہے ہیں۔ صاحب مخزن السلاسل نے ایک سو اکانوے سلاسل میں اپنے نبیرۂ خاص حضرت مولانا سید شاہ عبد اللطیف قادری بیجاپوری ثم ویلوری کو اجازت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

الحمد للہ آپ کی اولاد امجاد (یعنی بزرگان مکان حضرت قطب ویلور) میں ایکسو اکانوے سلاسل میں اجازت و خلافت کا سلسلہ جاری ہے۔

مترجم محمد حسین غفرلہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اما الخرق الصدیقیۃ فعشرۃ

احدھما لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن من السید نعمۃ اللہ وھو من ابیہ الشاہ ابوالحسن وھو من الشاہ کمال الدین وھو من الشاہ احمد وھو من الشاہ محمد وھو من الشاہ عالم وھو من الشاہ آدم وھو من الشاہ چمن وھو من بدیع الدین شاہ مدار وھو من الشیخ طیفور الشامی وھو من الشیخ امین الدین الشامی وھو من الشیخ عبد اللہ علمدار وھو من افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

خرقہائے صدیقیہ دس ہیں :-

ان میں سے پہلا خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے سید نعمت اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد شاہ ابوالحسن سے اور انہوں نے شاہ کمال الدین سے اور انہوں نے شاہ احمد سے، اور انہوں نے شاہ محمد سے اور انہوں نے شاہ عالم سے اور انہوں نے شاہ آدم سے اور انہوں نے شاہ چمن سے اور انہوں نے بدیع الدین شاہ مدار سے اور انہوں نے شیخ طیفور شامی سے اور انہوں نے شیخ امین الدین شامی سے اور انہوں نے شیخ عبد اللہ علمدار سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلے اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور آپؐ نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے۔

الثانیۃ

لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن من خالہ السید اسمٰعیل بن السید میران وھو من ابیہ السید میران وھو من السید عبد اللہ وھو من ابیہ السید وجیہ الدین حیدر علی الثانی وھو من حاجی حمید المعروف بالشیخ محمد غوث وھو من الشیخ ظہور حاجی حضور وھو من ابی الفتح ہدایۃ اللہ سرمست وھو من الشیخ قاضن

دوسرا خرقہ

فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنے ماموں سید اسمٰعیل بن سید میراں سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید میراں سے اور انہوں نے سید عبد اللہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید وجیہ الدین حیدر علی ثانی سے اور انہوں نے حاجی حمید سے جو شیخ محمد غوث کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ظہور حاجی حضور سے اور انہوں نے ابی الفتح ہدایت اللہ سرمست سے اور انہوں نے شیخ قاضن

وھومن الشیخ عبدالوھاب وھومن الشیخ عبدالرؤف وھومن الشیخ محمود وھومن الشیخ عبدالغفار وھومن الشیخ محمد وھو من الشیخ علی وھومن الشیخ جعفر احمد وھومن الشیخ ابراھیم وھومن الشیخ عبداللہ وھومن السید تاج الدین عبدالرزاق وھومن ابیہ سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین القطب الربانی المحبوب السبحانی محی الدین ابی صالح السید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی وھومن الشیخ احمد الاسود الدینوری وھومن ممشاد علو الدینوری وھومن ابی العباس النھاوندی وھومن الشیخ عبداللہ محمد بن الخفیف وھومن الشیخ ابی محمد احمد بن حسن الجزیری وھومن سید الطائفۃ ابی القاسم الجنید البغدادی وھومن الشیخ ابی سعد الحراز وھومن الشیخ لبشر حافی وھومن الشیخ ابی رجاء العطاء وھومن الشیخ فضیل بن عیاض وھومن الشیخ منصور السلمی وھومن الشیخ محمد بن المسلم الزاھد وھومن الشیخ محمد بن جبیر الموقلی وھومن الشیخ ابی محمد بن جبیر مطعم وھومن افضل بنی آدم لبعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھومن خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین

سے اور انہوں نے شیخ عبدالوہاب سے اور انہوں نے شیخ عبدالرؤف سے اور انہوں نے شیخ محمود سے اور انہوں نے شیخ عبدالغفار سے اور انہوں نے شیخ محمد سے اور انہوں نے شیخ علی سے اور انہوں نے شیخ جعفر احمد سے اور انہوں نے شیخ ابراہیم سے اور انہوں نے شیخ عبداللہ سے اور انہوں نے شیخ تاج الدین عبدالرزاق سے اور انہوں نے اپنے والد سلطان السالکین غوث المسلمین امام المتصرفین رئیس المحبوبین قطب ربانی محبوب سبحانی محی الدین ابی صالح سید عبدالقادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی سے اور انہوں نے شیخ احمد الاسود الدینوری سے اور انہوں نے ممشاد علو الدینوری سے اور انہوں نے ابی العباس النہاوندی سے اور انہوں نے شیخ عبداللہ محمد بن خفیف سے اور انہوں نے شیخ ابی محمد احمد بن حسن الجزیری سے اور انہوں نے سید طائفہ ابی القاسم جنید بغدادی سے اور انہوں نے شیخ ابی سعد الحراز سے اور انہوں نے شیخ لبشر حافی سے اور انہوں نے شیخ ابی رجاء العطا سے اور انہوں نے شیخ فضیل بن عیاض سے اور انہوں نے شیخ منصور السلمی سے اور انہوں نے شیخ محمد بن المسلم الزاہد سے اور انہوں نے شیخ محمد بن جبیر الموقلی سے اور انہوں نے شیخ ابی محمد بن جبیر مطعم سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین

محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحٰبہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین ۔

محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ و اصحابہ وسلم اور آپ نے بواسطہ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے ۔

الثالثة

لبسها الفقیر شاہ ابو الحسن من خالہ السید اسمٰعیل بن السید میران وھو من ابیہ السید میران وھو من ابیہ السید عبد اللہ و ھو من السید وجیہ الدین حیدر علی الثانی وھو من حاجی حمید المعروف بالشیخ محمد غوث وھو من الشیخ ظھور حاجی حضور وھو من ابی الفتح ھدایۃ اللہ سرمست وھو من الشیخ قاضن و ھو من الشیخ حسام الدین السلامی وھو من بدیع الدین شاہ مدار وھو من الشیخ طیفور الشامی وھو من الشیخ امین الدین الشامی وھو من الشیخ عبد اللہ علمدار وھو من افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین ۔

تیسرا خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنے ماموں سید اسمٰعیل بن سید میراں سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید میراں سے اور انہوں نے اپنے والد سید عبد اللہ سے اور انہوں نے سید وجیہ الدین حیدر علی ثانی سے، اور انہوں نے حاجی حمید سے جو شیخ محمد غوث کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ظہور حاجی حضور سے اور انہوں نے ابی الفتح ہدایت اللہ سرمست سے اور انہوں نے شیخ قاضن سے، اور انہوں نے شیخ حسام الدین السلامی سے اور انہوں نے بدیع الدین شاہ مدار سے اور انہوں نے شیخ طیفور شامی سے اور انہوں نے شیخ امین الدین شامی سے اور انہوں نے شیخ عبد اللہ علمدار سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیا بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے بواسطہ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے ۔

الرابعۃ لبسھا الفقیر شاہ ابوالحسن من ابن عم امہ السید نور اللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من السید محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من ابیہ السید حسن وھو من ابیہ السید عبد الغفور وھو من ابیہ السید احمد وھو من ابیہ السید راجو وھو من ابیہ السید محمد بن عبد اللہ الملقب بشاہ عالم من عبد اللہ وھو من ابیہ السید برہان الدین ابی محمد عبد اللہ المشھور بقطب العالم وھو من الشیخ ابی الفتوح احمد بن عبد اللہ الشیرازی وھو من عمہ غیاث الدین ابی الفضائل محمد وھو من ابیہ الامام نور الدین ابی الفتوح وھو من ابیہ مولانا مخلص الدین ابی الخیر وھو من خالہ الشیخ روح الدین عبد الرقیب وھو من ابیہ الشیخ معین الدین ابی ذر عبد اللہ الکشلی وھو من ابیہ الشیخ جنید الکشلی وھو من ابیہ الشیخ روزبہ بن علی وھو من جدہ الشیخ بندار الرازی وھو من ابیہ الشیخ علی المشھور بالخراسانی وھو من ابیہ دہ روز وھو من ابیہ ابی القاسم محمود وھو من ابیہ ابی نصر محمد وھو من ابیہ ابی عبد اللہ محمد وھو من ابیہ ابی الفضل عبد الرحمان وھو من ابیہ ابی بکر احمد البکری وھو من ابیہ عبد اللہ

چوتھا خرقہ اس کو فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ کے چچیرے بھائی سید نور اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے اپنے والد سید حسن سے اور انہوں نے اپنے والد سید عبد الغفور سے اور انہوں نے اپنے والد سید احمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید راجو سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد بن عبد اللہ سے جن کا لقب انکے گھر والوں کی طرف سے شاہ عالم تھا اور انہوں نے اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبد اللہ سے جو قطب عالم مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ابی الفتوح احمد بن عبد اللہ الشیرازی سے اور انہوں نے اپنے چچا غیاث الدین ابی الفضائل محمد سے اور انہوں نے اپنے والد امام نور الدین ابی الفتوح سے اور انہوں نے اپنے والد مولانا مخلص الدین ابی الخیر سے اور انہوں نے اپنے ماموں شیخ روح الدین عبد الرقیب سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ معین الدین ابی ذر عبد اللہ الکشلی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ جنید الکشلی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ روزبہ بن علی سے اور انہوں نے اپنے دادا شیخ بندار الرازی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ علی سے جو خراسانی مشہور تھے اور انہوں نے اپنے والد دہ روز سے اور انہوں نے اپنے والد ابی القاسم محمود سے اور انہوں نے اپنے والد ابی نصر محمد سے اور انہوں نے اپنے والد عبد اللہ محمد سے اور انہوں نے اپنے والد ابی الفضل عبد الرحمٰن سے اور انہوں نے اپنے والد ابی بکر احمد البکری سے اور انہوں نے اپنے والد

وھو من عبد الرحمان وھو من ابی القاسم وھو من ابیہ محمد وھو من ابیہ افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

عبد اللہ سے اور انہوں نے عبد الرحمٰن سے اور انہوں نے ابی القاسم سے اور انہوں نے اپنے والد محمد سے اور انہوں نے اپنے والد افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحابہ وسلم سے اور انہوں نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے۔

الخامسۃ

الخامسۃ لبسھا الفقیر شاہ ابو الحسن من ابن عم امہ السید نور اللہ وھو من ابیہ السید علی محمد وھو من السید محمد وھو من ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من السید شیر محمد بن احمد وھو من جدہ السید عرب شاہ وھو من ابیہ السید محمد زاھد وھو من اخیہ السید محمد بن عبد اللہ الملقب بشاہ عالم من عند اللہ وھو من ابیہ السید برھان الدین ابی محمد عبد اللہ المشھور بقطب العالم وھو من الشیخ ابی الفتوح احمد بن عبد اللہ الشیرازی وھو من الشیخ شھاب الدین ابی حفص عمر السھروردی وھو من ابیہ الشیخ شرف الدین ابی عبد اللہ محمد السھروردی وھو من ابیہ الشیخ

پانچواں خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ کے چچیرے بھائی سید نور اللہ سے پہنا اور انہوں نے اپنے والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے سید شیر محمد بن احمد سے اور انہوں نے اپنے دادا سید عرب شاہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد زاھد سے اور انہوں نے اپنے بھائی سید محمد عبد اللہ سے جنکا اللہ کی طرف سے شاہ عالم لقب تھا اور انہوں نے اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبد اللہ سے جو قطب عالم مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ابی الفتوح احمد بن عبد اللہ شیرازی سے اور انہوں نے شیخ شہاب الدین ابی حفص عمر السہروردی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ شرف الدین ابی عبد اللہ محمد سہروردی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ شہاب الدین عبد المحمود

شہاب الدین عبد المحمود السہروردی وھو من ابیہ الشیخ جمال الدین السہروردی وھو من ابیہ الشیخ عماد الدین محمد السہروردی وھو من ابیہ الشیخ شہاب الدین ابی حفص عمر بن محمد بن عبداللہ السہروردی وھو من عمہ الشیخ ضیاء الدین ابی النجیب عبد القاھر بن عبداللہ بن محمد السہروردی وھو من عمہ الشیخ وجیہ الدین ابی حفص عمر بن محمد السہروردی وھو من ابیہ الشیخ محمد بن عبداللہ المعروف بعمویہ وھو من سعید وھو من ابیہ حسین وھو من ابیہ القاسم وھو من ابیہ النصر وھو من القاسم وھو من محمد وھو من عبداللہ وھو من ابیہ عبدالرحمٰن وھو من القاسم وھو من ابیہ محمد وھو من ابیہ افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ روح الامین۔

سہروردی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ جمال الدین سہروردی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ عماد الدین محمد سہروردی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ شہاب الدین ابی حفص عمر بن محمد بن عبداللہ سہروردی سے اور انہوں نے اپنے چچا شیخ ضیاء الدین ابی النجیب عبد القاہر بن عبداللہ بن محمد سہروردی سے اور انہوں نے اپنے چچا شیخ وجیہہ الدین ابی حفص عمر بن محمد سہروردی سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ محمد بن عبداللہ سے جو عمویہ مشہور تھے اور انہوں نے سعید سے اور انہوں نے اپنے والد حسین سے، اور انہوں نے اپنے والد قاسم سے اور انہوں نے اپنے والد نصر سے اور انہوں نے قاسم سے اور انہوں نے محمد سے اور انہوں نے عبداللہ سے اور انہوں نے اپنے والد عبدالرحمٰن سے اور انہوں نے قاسم سے اور انہوں نے اپنے والد محمد سے اور انہوں نے اپنے والد افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے اور انہوں نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے۔

السادسہ لبسہا الفقیر شاہ ابوالحسن
من ابن عم امہ السید نوراللہ وھو من ابیہ
السید علی محمد وھو من السید محمد وھو من
ابیہ السید جلال ماہ عالم وھو من السید
حسن وھو من ابیہ السید عبدالغفور وھو من
ابیہ السید احمد وھو من ابیہ السید راجو وھو
من ابیہ السید محمد بن عبداللہ الملقب بشاہ
عالم من عنداللہ وھو من ابیہ السید برھان
الدین ابی محمد عبداللہ المشھور بقطب العالم وھو
من ابی الفتوح احمد بن عبداللہ الشیرازی وھو
من الشیخ علی بن محمد بن یعیش الواسطی وھو
من الشیخ واسط العراق شھاب الدین ابی العباس
احمد البکر القرشی وھو من الشیخ احمد بن محمد
السکوان وھو من الشیخ احمد بن محمد بن
یعیش وھو من الشیخ حسن بن عمار وھو من
علی بن ادریس وھو من شھاب الدین علی
بن ھیتی وھو من السید ابوالوفاء الکردی
وھو من السید محمد شنبکی الحسنی وھو من
الشیخ ابی بکر الاھوازی وھو من الشیخ محمد
بن سھل التستری وھو من ابیہ الشیخ سھل
بن عبداللہ التستری وھو من ابی رجاء العطا
وھو من ابی علی فضیل بن عیاض وھو من
ابوعتاب منصور بن معمر السلمی الکوفی

چھٹواں خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے اپنی والدہ
کے چچیرے بھائی سید نوراللہ سے اور انہوں نے اپنے
والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے اور انہوں نے
اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے سید حسن
سے اور انہوں نے اپنے والد سید عبدالغفور سے اور انہوں
نے اپنے والد سید احمد سے اور انہوں نے اپنے والد سید راجو
سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد بن عبداللہ سے جنکا لقب
اللہ کی طرف سے شاہ عالم تھا اور انہوں نے اپنے والد سید
برہان الدین ابی محمد عبداللہ سے جو قطب عالم مشہور تھے اور
انہوں نے ابی الفتوح احمد بن عبداللہ شیرازی سے
اور انہوں نے شیخ علی بن محمد بن یعیش الواسطی سے اور
انہوں نے شیخ واسط عراق شہاب الدین ابی العباس
احمد البکر قریشی سے اور انہوں نے شیخ احمد بن محمد
السکوان سے اور انہوں نے شیخ احمد بن محمد بن یعیش
سے اور انہوں نے شیخ حسن بن عمار سے اور انہوں نے
علی بن ادریس سے اور انہوں نے شہاب الدین علی بن ہیتی
سے اور انہوں نے سید ابوالوفاء الکردی سے اور انہوں
نے سید محمد شنبکی الحسنی سے اور انہوں نے شیخ
ابی بکر الاہوازی سے اور انہوں نے شیخ محمد بن سہل
التستری سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ سہل بن
عبداللہ التستری سے اور انہوں نے ابی رجاء العطا سے
اور انہوں نے ابی علی فضیل بن عیاض سے اور انہوں
نے ابوعتاب منصور بن معمر السلمی الکوفی سے اور

وهومن ابی بکر محمد بن المسلم الزاهد
وهومن محمد بن جبیر النوفلی وهومن ابیه
ابی محمد جبیر بن مطعم القرشی وهومن
افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق
امیر المومنین ابی بکر الصدیق وهومن
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع
المذنبین محمد الامین صلی الله علیه
وعلی آله واصحابه وسلم وهومن امر
ذی النور المبین بواسطة روح الامین ۔

اور انہوں نے ابی بکر محمد بن مسلم الزاہد سے
اور انہوں نے محمد بن جبیر النوفلی سے اور انہوں
نے اپنے والد ابی محمد جبیر بن مطعم قرشی سے، اور
انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق
امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع
المذنبین محمد الامین ﷺ صلے اللہ علیہ وعلیٰ
آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے بواسطۂ روح
الامین ذی النور المبین کے حکم سے ۔

السابعة لبسها الفقیر شاه ابو الحسن
من ابن عم امه السید نور الله وهومن ابیه
السید علی محمد وهومن السید محمد وهو
من ابیه السید جلال ماه عالم وهومن
السید شیر محمد بن احمد وهومن جده
السید عرب شاه وهومن ابیه السید محمد
زاهد وهومن اخیه السید محمد بن عبد الله
الملقب بشاه عالم من عند الله وهومن ابیه
السید برهان الدین ابی محمد عبد الله المشهور
بقطب العالم وهومن الشیخ ابی الفتوح احمد
بن عبد الله الشیرازی وهومن السید کمال
الدین یونس بن تاج الدین محمد الشنبکی
الجویزی وهومن ابیه السید تاج الدین

ساتواں خرقہ فقیر شاہ ابو الحسن نے اپنی والدہ
کے چچیرے بھائی سید نور اللہ سے پہنا اور انہوں نے
اپنے والد سید علی محمد سے اور انہوں نے سید محمد سے
اور انہوں نے اپنے والد سید جلال ماہ عالم سے اور انہوں نے
سید شیر محمد بن احمد سے اور انہوں نے اپنے دادا
سید عرب شاہ سے اور انہوں نے اپنے والد سید محمد
زاہد سے اور انہوں نے اپنے بھائی سید محمد بن عبد اللہ
سے جن کا اللہ کی طرف سے شاہ عالم لقب تھا اور انہوں
نے اپنے والد سید برہان الدین ابی محمد عبد اللہ المشہور
قطب عالم سے اور انہوں نے شیخ ابو الفتوح احمد
بن عبد اللہ شیرازی سے اور انہوں نے سید کمال
الدین یونس بن تاج الدین محمد الشنبکی الجویزی
سے اور انہوں نے اپنے والد سید تاج الدین

نصر وھومن ابیه السید عزالدین نصر وھو من الشیخ ابی المکارم وھومن الشیخ نورالدین وھومن الشیخ ناصرالدین بن سلیمان وھو من ابیه الشیخ سلیمان الممشادی وھومن الشیخ لیکن وھومن الشیخ محمد الشبکی الحسنی وھومن الشیخ ابی بکر الاھوازی وھو من الشیخ محمد بن سھل التستری وھومن ابیه سھل بن عبداللہ التستری وھومن ابیه ابی رجاء العطاء وھومن ابی علی فضیل بن عیاض وھومن ابی عناب منصور بن معمر المھلبی الکوفی وھومن ابی بکر محمد الزاھری وھومن محمد بن جبیر النوفلی وھومن ابیه ابی محمد جبیر بن مطعم الصحابی القرشی وھومن افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھومن خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیه وعلیٰ اٰله واصحابه وسلم وھومن امر ذی النور المبین بواسطة الروح الامین۔

نصر سے اور انہوں نے اپنے والد عزالدین نصر سے اور انہوں نے شیخ ابی المکارم سے اور انہوں نے شیخ نورالدین سے اور انہوں نے شیخ ناصرالدین بن سلیمان سے اور انہوں نے اپنے والد شیخ سلیمان الممشادی سے اور انہوں نے شیخ لیکن سے اور انہوں نے شیخ محمد الشبکی الحسنی سے اور انہوں نے شیخ ابی بکر الاہوازی سے اور انہوں نے شیخ محمد بن سہل التستری سے اور انہوں نے اپنے والد سہل بن عبداللہ التستری سے اور انہوں نے اپنے والد ابی رجاء العطأ سے اور انہوں نے ابی علی فضیل بن عیاض سے اور انہوں نے ابی عناب منصور بن معمر المہلبی الکوفی سے اور انہوں نے ابی بکر محمد الزاہری سے اور انہوں نے محمد بن جبیر النوفلی سے اور انہوں نے اپنے والد ابی محمد جبیر بن مطعم الصحابی القرشی سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے ۔

الثامنة لبسها الفقیر شاہ ابوالحسن
من السید محمد المشهور بشاہ حضرۃ الحسینی
وهو من الشیخ عبدالصمد وهو من الشاہ
صبغۃ اللہ وهو من ابی القاسم دہ بیدی وهو
من الخواجہ کلال دہ بیدی وهو من الخواجہ
کاشانی وهو من الخواجہ عبداللہ احرار وهو من
مولانا یعقوب چرخی وهو من الخواجہ بهاء الدین
النقشبندی وهو من الخواجہ امیر السید کلال
وهو من الخواجہ بابا سماسی وهو من الخواجہ
رامستنی وهو من الخواجہ محمود انجیر فغنوی
وهو من الخواجہ عارف دیوگری وهو من الخواجہ
عبدالخالق غجدوانی وهو من الخواجہ یوسف
همدانی وهو من الخواجہ ابی علی الفارمدی وهو
من الخواجہ ابی القاسم الکرگانی وهو من الخواجہ
ابی الحسن الخرقانی وهو من الخواجہ
بایزید البسطامی وهو من الامام جعفر الصادق
وهو من ابیہ الامام محمد الباقر وهو من قاسم
بن محمد بن ابی بکر الصدیق وهو من سلمان
الفارسی وهو من افضل بنی آدم بعد الانبیاء
بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وهو
من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع
المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ
آلہ واصحابہ وسلم وهو من امر ذی النور المبین
بواسطة الروح الامین۔

آٹھواں خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد سے
پہنا جو شاہ حضرت حسینی مشہور تھے۔ اور انہوں نے شیخ
عبدالصمد سے اور انہوں نے شاہ صبغۃ اللہ سے اور
اور انہوں نے ابی القاسم دہ بیدی سے اور انہوں نے
خواجہ کلال دہ بیدی سے اور انہوں نے خواجہ کاشانی سے
اور انہوں نے خواجہ عبداللہ احرار سے اور انہوں نے
مولانا یعقوب چرخی سے اور انہوں نے خواجہ بہاؤالدین
نقشبندی سے اور انہوں نے خواجہ امیر السید کلال سے
اور انہوں نے خواجہ بابا سماسی سے اور انہوں نے خواجہ
رامستنی سے اور انہوں نے خواجہ محمود انجیر فغنوی سے
اور انہوں نے خواجہ عارف دیوگری سے اور انہوں نے
خواجہ عبدالخالق غجدوانی سے اور انہوں نے خواجہ
یوسف ہمدانی سے اور انہوں نے خواجہ ابی علی فارمدی
سے اور انہوں نے خواجہ ابی القاسم کرگانی سے اور انہوں
نے خواجہ ابوالحسن خرقانی سے اور انہوں
نے خواجہ بایزید بسطامی سے اور انہوں نے امام جعفر صادق
سے اور انہوں نے اپنے والد امام محمد الباقر سے اور انہوں
نے قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے
سلمان الفارسی سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء
بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے
خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین
محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم اور
آپ نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے
حکم سے۔

التاسعة لبسها الفقير شاه ابوالحسن من السيد محمد المشهور لبشاه حضرت الحسينى وهو من الشيخ عبدالصمد وهو من الشاه صبغة الله وهو من الشاه وجيه الدين حيدر على الثانى وهو من حاجى حميد المعروف بالشيخ محمد غوث وهو من الشيخ ظهور حاجى حضور وهو من الشيخ ابى الفتح هداية الله سرمست وهو من الشيخ قاضن وهو من الشيخ حسام الدين السلامى وهو من بديع الدين شاه مدار وهو من الشيخ طيفور الشامى وهو من الشيخ امين الدين الشامى وهو من الشيخ عبدالله علمدار وهو من افضل بنى آدم بعد الانبياء بالتحقيق امير المومنين ابى بكر الصديق وهو من خاتم النبيين رسول رب العالمين شفيع المذنبين محمد الامين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وسلم وهو من امر ذى النور المبين بواسطة روح الامين۔

نواں خرقہ۔ فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد سے پہنا جو شاہ حضرت حسینی مشہور تھے اور انہوں نے شیخ عبدالصمد سے اور انہوں نے شاہ صبغۃ اللہ سے اور انہوں نے شاہ وجیہ الدین حیدر علی ثانی سے اور انہوں نے حاجی حمید حضور جو شیخ محمد غوث کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ظہور حاجی حضور سے اور انہوں نے شیخ ابی الفتح ہدایت اللہ سرمست سے اور انہوں نے شیخ قاضن سے اور انہوں نے شیخ حسام الدین السلامی سے اور انہوں نے بدیع الدین شاہ مدار سے اور انہوں نے شیخ طیفور الشامی سے اور انہوں نے شیخ امین الدین الشامی سے اور انہوں نے شیخ عبداللہ علمدار سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین سے صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم اور آپ نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے۔

العاشرة لبسها الفقير شاه ابوالحسن من السيد محمد المشهور لبشاه حضرة الحسينى وهو من الشاه صبغة الله وهو من الشيخ برهان الدين وهو من الشيخ عبد القدوس وهو من ابى البركة الشيخ عيسىٰ بن الشيخ

دسواں خرقہ فقیر شاہ ابوالحسن نے سید محمد سے پہنا۔ جو شاہ حضرت حسینی مشہور تھے اور انہوں نے شاہ صبغۃ اللہ سے اور انہوں نے شیخ برہان الدین سے اور انہوں نے شیخ عبدالقدوس سے اور انہوں نے ابی البرکت شیخ عیسیٰ بن شیخ قاسم سے اور انہوں نے

قاسم وھو من الشیخ لشکر محمد عارف وھو من حاجی حمید المعروف با لشیخ محمد غوث وھو من الشیخ ظھور حاجی حضور وھو من ابی الفتح ھدایۃ اللہ سرمست وھو من الشیخ قاضن وھو من الشیخ حسام الدین السلامی وھو من بدیع الدین شاہ مدار وھو من الشیخ طیفور الشامی وھو من الشیخ امین الدین الشامی وھو من الشیخ عبد اللہ علمدار وھو من افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق وھو من خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم وھو من امر ذی النور المبین بواسطۃ الروح الامین۔

شیخ لشکر محمد عارف سے اور انہوں نے حاجی حمید سے جو شیخ محمد غوث کے نام سے مشہور تھے اور انہوں نے شیخ ظہور حاجی حضور سے اور انہوں نے ابی الفتح ہدایت اللہ سرمست سے اور انہوں نے شیخ قاضن سے اور انہوں نے شیخ حسام الدین السلامی سے اور انہوں نے بدیع الدین شاہ مدار سے اور انہوں نے شیخ طیفور الشامی سے اور انہوں نے شیخ امین الدین الشامی سے اور انہوں نے شیخ عبد اللہ علمدار سے اور انہوں نے افضل بنی آدم بعد الانبیاء بالتحقیق امیر المومنین ابی بکر الصدیق سے اور انہوں نے خاتم النبیین رسول رب العالمین شفیع المذنبین محمد الامین صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم سے اور آپ نے بواسطۂ روح الامین ذی النور المبین کے حکم سے۔

مولوی محمد ابو بکر ملیباری الحنفی
مدرس دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

خوارق حیدریہ

خوارق حیدریہ سے گیارہواں اور بارہواں خارقہ پیش خدمت ہے مفہوم خیز اردو خلاصہ کے ساتھ فارسی متن بھی حاضر ہے جسمیں آپ کے صحیح النسب سادات ہونے کا ثبوت ہے۔

خارقۂ یازدہم ، روزے شیخ اسیر و آزاد شیخ ابراہیم آزادؒ کہ خورشید آسمان معرفت بودہ روزے وقت صبح بعد از نماز فجر در ساعتے کہ آنحضرت مستقبل قبلہ بودہ در ورد و اوراد ، ذکر و اذکار مشغول بود در آں وقتے شیخ ہم حاضر خدمت بودند کہ ناگاہ طلوع آفتاب از فلک روئے نمود چناں کہ شعاع خورشید بر اندام مبارک حضرت شاہ ذیجاہ درخشیدن گرفت۔ اتفاقاً شیخ از مقابلہ نظر بسوے روئے مبارک آں سرور کرد الحق روئے مبارک آنحضرت را طبقے یافت چوں خورشید تاباں خواست کہ بسوئے خد تاباں وجہہ آنحضرت تیز نظر کند نتوانست ہموں زماں ہمچوں نظر کردن در عین نصف النہار بسوئے آفتاب ممکن نے چشم آں بزرگوار از خیرہ وے نور و پُر آب شدن گرفت و خود از رخ الانور آں خورشید فلک وحدت نظر کشیدہ نگاہ بخورشید فلک دنیا کرد مقابل جمال بر کمال آنحضرت چوں سفالے یافت تیرہ و لمعہ روئے آں رابر خورشید خاور غالب یافت شیخ را ازیں حال تعجبے تمام دست داد۔ چوں

گیارھواں خارقہ : شیخ اسیر و آزاد شیخ ابراہیم آزادؒ جو کہ آسمانِ معرفت کے خورشید تھے ایک روز صبح نماز کے بعد شاہ حیدر ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ شاہ حضرت اوراد و اذکار میں مصروف تھے۔ اچانک آفتاب طلوع ہوا۔ اس کی شعاعیں شاہ حضرت کے جسمِ مبارک پر پڑ رہی تھیں۔ شیخ نے شاہ حضرت کے چہرۂ مبارک کو دیکھا تو آپ کے چہرہ کو ایک طبق وسورج کے مانند پایا۔ آپ کے رُخِ انور کی طرف تیزی سے دیکھ نہیں سکے۔ جس طرح آفتاب کو عین نصف النہار کے وقت دیکھنا ممکن نہیں، آپ کی آنکھیں خیرہ بے نور و پُر آب ہوگئیں۔

پھر آپ نے اس خورشید فلک وحدت کی جانب سے نظر ہٹا کر آفتاب فلک نے دنیا کی طرف نظر فرمایا شاہ حضرت کے چہرۂ مبارک کے مقابلہ میں آفتاب دنیا ایک ٹھیکری کے مانند معلوم ہوا۔

آپ کے رخِ انور کی چمک خورشید خاور پر غالب رہی شیخ کو ایسی حالت سے بہت تعجب ہوا۔ اس وقت

شاہ ذیجاہ شیخ را دید کہ در تعجب و حیرت است
گفت شیخا آزیں حال کہ معائنہ کردی و ملاحظہ
فرمودی ہیچ در و تعجب مشو، خورشید کہ جز از
کل اللہ نور السمٰوات والارض باشد ہر آئنہ
خورشید یکہ موصوف بصفت اذا الشمس کورت
باشد غالب باشد ؎

لمعۂ نورِ ذاتِ ربانی ؛ غالباً غالب ہست گردانی
بر سر نور ماہ وہم خورشید ؛ گرچہ تابد ز رنگ لعل و سفید

خارقہ دوازدھم:

روزے در مجلس اقدس شخصے بحضور آں
سرور چنیں وانمود کہ بعضے از سلف چنیں شنیدہ شدہ
کہ بر گوشت و پوست وجود سادات صحیح النسب
و فی الواقعہ بضعہ از گوشت وخوں لحمک لحمی و
دمک دمی باشد آتش کارگر نمی شود بلکہ رنگ موئے
ایشاں ہم متغیر نمی شود۔ بعد ازاں آنسرور بعد از شنیدن
تقریر چنیں فرمود کہ اے حاضران ایں مجلس سخنے کہ ازیں
شخص واقع گردیدہ فی الحقیقت راست است و بزرگان
ماہم میفرمودند کہ ما از سادات صحیح النسب ہستیم و گوشت
و پوست ما قطعہ از جسم جسیم طٰہٰ و یٰسین است پس امروز
می خواہیم بیازمائیم بعد ازاں موئے چند از ریشے مبارک
جدا کردہ در آتش سرخ درخشاں انداخت فی الحال
آں آتش لعل رنگ درخشاں سرد شد۔

شاہ حضرت نے شیخ کی طرف دیکھا تو حیرت و تعجب
میں گھرے ہوئے پایا۔ آپ نے فرمایا اے شیخ جس حالت
کا آپ نے جو معائنہ و ملاحظہ فرمایا اس پر تعجب ہونے کی
کوئی ضرورت نہیں کیونکہ سورج دنیا اللہ نور السمٰوات و
الارض کا جزء ہے۔ اللہ جو سورج کہ اذا الشمس کوّرت کی صفت
سے موصوف ہو وہ اس سورج پر غالب ہوتا ہے ؎

یہ چمک ذات ربانی کا ایک نور ہے۔ غالباً غالب ہی شمار
کریں۔ چاند و سورج کی روشنی لعل و سفید رنگ کا ہے تو بھی
اس پر غالب ہے۔

بارھواں خارقہ:

ایک روز شاہ حضرت کی مجلس میں ایک آدمی آیا اور
اس نے کہا "اسلاف سے اس طرح سنا گیا ہے کہ صحیح النسب
سادات کے گوشت و پوست لحمک لحمی و دمک دمی کا ایک حصہ
ہیں اور ان کے گوشت و پوست پر آگ اثر نہیں کرسکتی بلکہ
ان کے بال کا رنگ بھی متغیر نہیں ہوتا۔"

اس شخص کے بیان کے بعد آپ نے یوں فرمایا "اے
حاضران مجلس جو بات اس آدمی نے کہا ہے حقیقت بر حق
ہے" نیز ہمارے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ ہم سادات صحیح النسب
ہیں اور ہمارا گوشت و پوست بھی طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وسلم
کے جسم جسیم کا ایک حصہ ہے۔ پس آج ہم چاہتے ہیں
کہ یہ آزمائیں۔ پھر آپ نے اپنی داڑھی سے چند بال
جدا کرکے مشتعل آگ پر ڈال دیا۔ تو اسی وقت
آگ سرد ہوگئی۔

قرآن و دیگر کتبِ مذاہب کا تقابلی مطالعہ

از
پی کے موسیٰ کٹی اکلفری
استاذ
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطبِ ویلور

رات میں ہزاروں ستارے آسمان کے مختلف جہات میں رات کی تاریکیوں کے پردے چیر کر چمکتے رہتے ہیں اور ہزاروں مسافرین برّ و بحر کی رہنمائی کرتے ہیں مگر ہر شخص کو یقین ہے کہ ان ستاروں کی رہنمائی و درخشانی کی ضرورت اس وقت تک ہے جب تک آفتاب طلوع نہ ہو۔ اسی طرح اس دنیا کی اصلاح و رہنمائی کے لئے خداوندِ تعالیٰ نے اپنے رحم و فضل سے ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) انبیائے کرام اور تین سو تیرہ (۳۱۳) رسولوں کو بھیجا۔ حضرت ابو البشر آدم علیہ السلام سے شروع ہونے والا یہ طویل سلسلۂ نبوت سرورِ کائنات رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

مذکورہ انبیاء علیہم السلام میں سے ہر ایک نبی اللہ تعالیٰ کے مختار و برگزیدہ بندے تھے جن پر وحیِ الٰہی نازل ہوئی تھی۔ وہ ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے پاک و معصوم تھے اور سارے پیغمبروں نے لوگوں کو دینِ الٰہی کی دعوت و تبلیغ کی اور اپنی اپنی امت کو خدا کا پیغام پہنچایا۔ شرک و الحاد کی گمراہی سے لوگوں کو بچا کر توحید و عبادتِ الٰہی کی راہ بتلاتے رہے۔

وما ارسلنا من قبلك من رسول الّا نوحی الیه انه لا اله الّا انا فاعبدون۔ (الانبیاء)

"ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جس کے پاس ہم نے یہ وحی نہ بھیجی ہو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس میری ہی عبادت کرو۔"

سارے انبیاءِ کرام بندوں تک اللہ کی امانت پہنچانے اور اس کے پیغام کی دعوت دینے میں برابر ہونے کے ساتھ ساتھ وہ فضیلت و مرتبہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے ممتاز، اور جداگانہ خصوصیات و مراتب کے حامل ہیں۔

تلك الرّسل فضّلنا بعضهم علىٰ بعض منهم من كلّم الله ورفع بعضهم علىٰ بعض علی بعض درجات (البقرہ ۲۵۳)

(یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فوقیت بخشی ہے (مثلاً) بعض ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں اور بعضوں کو ان میں درجوں سے سرفراز کیا) ولقد فضّلنا بعض النبیین علىٰ بعض۔ (بنی اسرائیل) ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔)

ان تمام معزّز انبیائے کرام و مرسلین عظام میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف سب سے افضل بلکہ ہر حیثیت سے

اور ہر امر میں سب کے سردار ہیں۔ قال صلی اللہ علیہ وسلم انا سید ولد آدم ولا فخر (الترمذی) "حضور اکرمؐ نے فرمایا میں اولاد آدم کا سردار ہوں اور یہ بات فخر سے نہیں کہتا"۔

آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کسی خاص قوم، یا کسی خاص خاندان کی طرف مبعوث ہوئے تھے اور ان کا دائرۂ رسالت اپنی اپنی قوم تک ہی محدود رہتا تھا یہی وجہ ہے کہ تمام انبیاء نے اپنی اپنی امت کو "یاقوم" یا "یابنی اسرائیل" کے لفظ سے خطاب کیا۔ لیکن حضورؐ ساری قوموں وخاندانوں بلکہ تمام انسانی گروہوں کی طرف رسول بن کر آئے، جس کی وجہ سے آپ کا اسلوب دعوت وارشاد دیگر انبیائے کرام سے بالکل مختلف ہے۔ حضورؐ نے اپنی دعوت میں ساری دنیا والوں سے خطاب فرمایا (یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا) "اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر ہوں"۔

انبیائے سابقین کی دعوت کا نمونہ سورۂ الاعراف کی ۵۹۔ ۶۵۔ ۷۲۔ ۸۰۔ ۸۵ آیات اور المومنون ۴۵۔۴۶ البقرہ ۵۴ مریم ۵۴۔ ۵۵، آیات سے ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام سے لیکر حضرت اشرف المخلوقات سیدنا محمد مصطفیٰؐ تک جتنے پیغمبر دنیا میں آئے وہ سب دین توحید کے حاملین ومبلغین تھے، بلفظ دیگر وہ سارے انبیائے کرام دین اسلام کی دعوت دینے والے تھے۔ عقائد واخلاق اور توحید وعبادت الٰہی، بعث بعد الموت، حشر ونشر، جنت و دوزخ جیسے اصول دیانات میں سب متفق تھے۔ شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (الشوریٰ) "اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا، اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا۔ (اور ان کی امتوں کو یہ کہا تھا) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا"۔

ووصیٰ بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب یا بنی ان اللہ اصطفیٰ لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ (البقرہ) "ابراہیم نے اپنی اولاد کو یہی وصیت کی اور (اس طرح) یعقوب نے بھی (یہی وصیت کی) اے میرے بچو! اللہ تعالیٰ اس دین اسلام کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، لہٰذا تم مرتے دم تک اسلام ہی کی حالت میں رہنا"۔

حضرت یوسف نے یوں دُعا فرمائی:۔

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین (الیوسف ۱۰۱)
اے رب! "مجھ کو اسلام پہ موت دے اور مجھ کو نیک بختوں سے ملادے"۔

لیکن ان ادیان کے درمیان بعض فروعیات میں حسب مصلحت زمانہ کچھ اختلاف وتفاوت رہا (لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا) (المائدہ ۴۸) "ہر ایک کے لئے ہم نے خاص شریعت اور خاص طریقت تجویز کی تھی"۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت ورحمت سے ہر ایک زمانے والوں کی لیاقت وعلمی قابلیت کے مطابق ہر ایک نبی کو اپنے

اپنے زمانہ والوں کی ارشاد و رہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا، چونکہ بنی نوع انسان اپنی معلومات و تجربات کی ترقی کے سنِ بلوغت تک پہنچے۔ اس لئے خداوند تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان کی صلاح و رہنمائی کے لئے سید الکائنات و اشرف المخلوقات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ اور ساری دنیا کی ہدایت کے لئے ایک ایسا دستورِ ابدی نازل فرمایا جو ہر دور کے لئے حیات افزا اور رُوح پرور پیامِ تعمیر و ترقی ہے۔ اس کتاب عظیم کی تروتازگی و رونق و بہار میں گردشِ زمانہ کچھ بھی تغیر و نقصان نہ کرسکا۔ بلکہ دن بدن اس کی عظمت و بہار بڑھتی رہی ہے اور اس کے شیریں اسلوب و روح افروز مضامین و حیرت انگیز چیلنج کے سامنے سائنسی و علمی ترقی یافتہ دورِ حاضر کو بھی سر جھکانا ہی پڑا۔

وہ عظیم الشان کتاب قرآن مجید ہے جس میں نہ اپنوں نے کوئی تحریف و تغیر کیا، اور نہ غیروں کے ہاتھوں سے کوئی ترمیم و تبدیلی ہوئی۔ نہ علماء نے اس میں کوئی حذف و اضافہ کیا۔ یہی وہ کتاب ہے جو صدیاں گزرنے کے باوجود بھی اپنی اصلی صورت میں محفوظ ہے اسی صورت میں جس میں وہ خاتم النبیین نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔

اس عظیم الشان کتاب کا نزول اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ساری قوم دنیا کو حضورؐ کی پیروی و اتباع کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے، کیونکہ ساری انسانیت کے رشد و صلاح کی طرف قیادت کرنے کی لیاقت و قابلیت آج سوائے قرآن شریف کے اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔

تمام مذاہبِ عالم میں آج ایک ایسا زندہ مذہب جو ہر اَوہام و خرافات و تحریفات سے خالی ہو، اگر باقی رہ گیا تو وہ واحد دین اسلام کے سوا اور کوئی نہیں۔

سید الکائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مذاہب قدیمہ و کتبِ ماضیہ پر تھام لینے اور اس کی طرف دعوت دینے والوں کی مثال وہ نوجوان آدمی کی ہے جو نوجوانی میں بھی اپنی ماں کا دودھ ہی پینے پر اصرار و ضد کر رہا تھا، بلکہ یہ دعویٰ بھی کر رہا تھا کہ آدمی یہی غذا ہمیشہ اختیار کرنا چاہئے جس پہ اس کا بچپن گزارا ہے۔ یا وہ نوجوان لڑکی کی مثال ہے جو بچپن کی ایک چھوٹی بوسیدہ لنگوٹی پہ بازار میں چلتی پھرتی ہے اور یہ دعویٰ بھی کرتی ہے کہ یہ لباس اس لئے میں منتخب کرتی ہوں کہ وہ بچپن ہی سے میری عزت و عظمت کی پوشاک تھی۔

آج دنیا کی تمام بڑی بڑی قومیں کسی نہ کسی ایک مذہب کی پابند ہیں۔ ان اکثر اہل مذاہب کسی ایک کتاب کو مقدس اور دستور عمل سمجھتے ہیں، اور ان کتابوں کو کتب الہامی کا درجہ دے رہے ہیں لیکن عجیب بات یہ ہے کہ آج دنیا میں قرآن مجید کے سوا جتنے مذاہب کی مقدس کتابیں موجود ہیں ان میں سے کوئی کتاب اس کی اصلی شکل میں باقی نہیں ہے، اور اکثر کتابوں کا یہ حال ہے کہ ان کے جامعین کی صحیح تاریخ اور نام تک معلوم نہیں، اور تحریف و تبدیل، حذف و اضافہ، تغیر و ترمیم کے اقسام سے کوئی کتاب محفوظ نہیں ہے۔

ان میں سے بعض ایسی ہیں کہ پہلے وہ آسمانی و الہامی تھیں لیکن رفتہ رفتہ وہ انسانی مداخلت سے بدنما ہوگئیں۔

جیسی توراۃ - زبور - انجیل وغیرہ -

اور بعض ایسی ہیں کہ اُن کی اصلی کیفیت آج معلوم نہیں ، ممکن ہے کہ وہ اصل میں آسمانی والہامی تھیں لیکن صدیاں گزرنے سے تحریف وتبدیل، حذف واضافے سے بالکل گندے اور خراب ہوگئیں جیسی (۱) اوستا (AVESTA) جو ایرانی مذہب کے مصلح زردشت (ZOROASTER) کی طرف منسوب کی جاتی ہے -

(۲) رگ وید ، یجروید ، شام وید ، اتھروید - اُپنشد ، شرُوتیانی - دھرم شاستر وغیرہ ، جو ہندو مذہب کی مقدس کتابیں ہیں -

(۳) مہاوستوا ، للت وستر وغیرہ جو بدھ مت کی مقدس کتاب سمجھی جاتی ہیں -

مذکورۂ بالا کتابوں کے مصنفین کون ہیں ؟ وہ کب تصنیف کی گئی ہیں ؟ اُن کے مصنفین کے احوال کیا تھے - ؟ کن کن مقاموں پر کن زمانے میں پیدا ہوئے تھے ؟ اُن کی اصل تعلیمات کیسی تھیں ؟ یہ سب معلوم کرنا آج بالکل ناممکن ہے -

لیکن قرآن شریف کے نزول کی صحیح تاریخ ، اس کی جمع وتدوین ، اس کے پیغمبر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کی صحیح تاریخ ، بلکہ اپنی زندگی کے ہر ہر حالات حدیثوں کی کتابوں میں بسندِ متصل ہمارے پاس موجود ہیں - اس میں کوئی تحریف و تبدیل واقع نہیں ہوئی - اس لئے دنیا کے تمام اہل مذاہب کو حضور اکرم کے اتباع کے سوا کوئی راہِ نجات نہیں ہے -

(قال ﷺ والذی نفسی بیدہ لا یسمع بی احدٌ من ھذہ الامۃ یھودیٌ او نصرانیٌ فلا یؤمن بی الا دخل النار (مسلم) "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں - اس کی قسم جس کے ساتھ میں میری جان ہے ، اس امت میں سے جو بھی مجھے سُن لے خواہ وہ یہودی ہو خواہ نصرانی ، پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے" - وما ارسلنٰک الا کافۃً للناس بشیرا ونذیرا ولکنّ اکثر النّاس لا یعلمون (سبأ ۲۸) -

ہم نے تو آپ کو تمام لوگوں کے واسطے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے (ایمان لانے پر ہماری رضا وثواب کی) خوشخبری سنانے والے اور (ایمان نہ لانے پر ہمارے غضب وعذاب سے) ڈرانے والے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے -

مذکورۂ بالا مذاہب وادیانات کی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کو کیا یہ چیلنج کرنے کی جرأت ہے کہ اگر یہ کلام الٰہی ہونے کے بارے میں شبہ ہے تو اس کے جیسی ایک سورۃ لاؤ اور خدا کے سوا اپنے تمام شہداء کو بھی بلا لو اگر تم اپنے خیال میں سچے ہو" نہیں ہرگز نہیں - کیونکہ یہ وہ حیرت انگیز دعویٰ ہے ، جو ساری انسانی تاریخ میں کسی ایک کتاب نے نہیں کیا اور کرنے کی صلاحیت بھی نہیں ہوگی - کیونکہ یہ وہ زندہ کتاب کی خصوصیت ہے جس کی تمام کلمات و اعراب من عنداللہ ہونے کا کوئی شک شبہ نہیں ہے -

اب دیگر مذاہب کی بعض مقدس کتابوں کا جائزہ لیں :-

توراۃ

توراۃ اللہ تعالیٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی ہوئی کتاب کا نام ہے - وہ ایک عبرانی لفظ ہے -

جس کا اصلی معنی تعلیم و شریعت کے ہیں۔ لیکن وہ کتاب جو آج عہد عتیق (OLD TESTAMENT) کے نام سے مشہور ہے ۳۸ کتابوں کا مجموعہ ہے، جن میں سے پہلے کی پانچ کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں، وہ یہ ہیں :۔

(۱) پیدائش (۲) خروج (۳) احبار
(۴) گنتی (۵) استثناء۔

عہد عتیق کی باقی کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کے انبیاء و قضاۃ و سلاطین و مصلحین کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اہل کتاب کے عقیدے کے مطابق وہ تورات جو حضرت موسیٰؑ پر نازل کی گئی تھی مندرجۂ بالا پانچ کتابوں کا نام ہے۔ اس لئے وہ ان کتابوں کو کتب الہامی اور کتب مقدسہ کا رتبہ دے رہے ہیں۔

مگر عہد عتیق (old Testament) کے منصفانہ مطالعے کے بعد ہر شخص اس ظن غالب پر پہنچا ہے کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تصنیف یا آپ کے زمانے کا مصنف ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضرت موسیٰؑ کے بہت زمانہ کے بعد قلمبند ہوئی ہیں۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ کی وفات کے بعد کے واقعات بھی اس میں درج ہیں۔

عہد عتیق کی عبارات سے چند نمونے :۔

(۱) پس خداوند کے بندہ موسیٰ نے خداوند کے کہنے کے موافق وہیں موآب کے ملک میں وفات پائی۔ اور اس نے اسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل دفن کیا۔ پھر آج تک کسی آدمی کو اس کی قبر معلوم نہیں۔ (استثناء ۳۴: ۵-۶)

(۲) "اب تک بنی اسرائیل میں موسیٰ کے مانند کوئی نبی قائم نہیں ہوا۔ (استثناء ۳۴: ۱۰-۱۱)

اس عبارت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے بہت بعد یہ کتابیں مرتب ہوئی ہیں۔

(۳) "اور بنی اسرائیل جب تک آباد ملک میں نہ آئے چالیس برس تک من[1] کھاتے رہے۔ الغرض جب تک وہ ملک کنعانہ کے حدود تک نہ آئے من کھاتے رہے"۔ (الخروج ۱۶:)

یہ دلالت کرتی ہے کہ اس کتاب کا مصنف وہ شخص ہے جسکی تصنیف سے پہلے بنی اسرائیل کنعان میں پہنچ گئے ہوں، اور من موقوف ہوگیا ہو۔ خدا نے بنی اسرائیل سے من کو موسیٰؑ کی زندگی میں بند نہیں کیا۔ اور وہ اس عرصہ میں کنعان کی سرزمین میں داخل نہیں ہوئے۔

بائبل کے مفسر آدم کلارک لکھتے ہیں :۔
اس درس سے یہ خیال کیا گیا ہے کہ کتاب خروج من کے موقوف ہونے کے بعد لکھی گئی ہے۔ لیکن ممکن ہے کہ عزراء نے یہ الفاظ داخل کرلئے ہوں[2]۔

(۴) منشا کے بیٹے یائیر نے ارغوب کی ساری مملکت جسوریوں اور معکاتیوں کی نواحی تک لے لی۔ اور اس نے جاوث یائیر باسان اس کا نام رکھا جو اس کا نام تھا، وہی نام آج تک ہے۔ (استثنا ۳: ۱۴)

---

[1] من سے مراد وہ آسمانی غذا ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بنی اسرائیل پر اتاری گئی تھی، جس کا ذکر قرآن نے بھی فرمایا ہے۔ ونزلنا علیکم المن والسلوی ۱۲

[2] جلد اول صفحہ ۳۹۹

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا مصنف یا تو سے بہت مدت پیچھے ہوا ہے کیونکہ یا تو نے یہ اصلاع بلاشبہ موسیٰ کے بعد مسخر کئے ہیں۔ تو اس حساب سے ان کتابوں کا مصنف حضرت موسیٰ کا بہت ہی مدت کے بعد ہوا ہے۔

عیسائی فرقے پروٹسٹنٹ کا بڑا محقق ہارن صاحب لکھتا ہے:۔

"یقیناً یہ دونوں فقرے حضرت موسیٰ کے لکھے ہوئے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ ایک فقرہ دلالت کرتا ہے کہ اس کا مصنف اسرائیل کی بادشاہت قائم ہونے کے بعد ہوا ہو۔ اور دوسرا فقرہ خبر دیتا ہے کہ اس کا لکھنے والا یہودیوں کے فلسطین میں قائم ہونے سے کچھ زمانے کے بعد ہو[1]۔

اور بھی بہت سی عبارات ہیں جو کھلی دلالت کرتی ہیں کہ مذکورہ پانچ کتابیں جسکو اصل کتاب حضرت موسیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں حضرت موسیٰ کے بہت مدت بعد کا مرتب ہوئی ہیں لیکن عہد عتیق کے مفسرین یہ بات کہ یہ موسیٰ کی تصنیف نہیں کھلا اقرار کرنے کی بجائے اپنی بیہودہ معذرت پر ہی مصر ہوتے ہیں کہ یہ فقرہ الحاقی ہے یا یہ باب شاید موسیٰ کے بعد داخل کر دیا ہوگا۔

مگر یہ بات کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ توراۃ اس کی اصلی شکل و صورت پر آج دنیا میں کہیں بھی موجود نہیں ہے اور موجودہ تورات تحریف و تبدیل و انسانی مداخلت سے مامون و محفوظ نہیں ہے۔ اور ان میں بہت سی غلطیاں اور متعدد نسخوں کے درمیان اتنے اختلافات ہیں کہ جن کے درمیان جمع کرنا بالکل ناممکن ہو چکا ہے۔

عہد عتیق کے مشہور نسخے:

اہل کتاب کے نزدیک عہد عتیق کے مشہور نسخے تین ہیں:

(۱) نسخہ عبرانی: جو یہودیوں کے اور علماء پروٹسٹنٹ (PROTESTANT) کے نزدیک معتبر ہے۔

(۲) نسخہ یونانی: جو عیسائیوں کے نزدیک پندرہ صدیوں سے ساتویں صدی تک معتبر تھا۔ اس وقت تک عیسائی حضرات عبرانی نسخہ کو تحریف شدہ مانتے تھے۔ یونانی نسخہ آج تک یونانی گرجوں اور مشرقی گرجوں میں معتبر مانا جاتا ہے، یہ دونوں نسخے عہد عتیق کی تمام کتابوں پر مشتمل ہیں۔

(۳) نسخہ سامری: جو سامریوں کے نزدیک معتبر ہے۔ یہ نسخہ درحقیقت عبرانی نسخہ ہے۔ مگر یہ عہد عتیق کی صرف سات کتابوں پر مشتمل ہے۔ یعنی وہ پانچ کتابیں جو موسیٰ علیہ السلام کی جانب منسوب ہیں اور کتاب یوشع، کتاب القضاۃ۔ اس لئے کہ سامری لوگ عہد عتیق کی بقیہ کتابوں کو تسلیم نہیں کرتے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ اس میں عبرانی نسخہ کی نسبت بہت سے الفاظ اور فقرے زائد ہیں جو آج کل اس میں موجود نہیں ہیں اور اکثر محققین علماء پروٹسٹنٹ اس کو معتبر مانتے ہیں۔ عبرانی نسخہ کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہودیوں نے عبرانی نسخہ میں تحریف کر دی تھی[2]۔

نسخوں کے درمیان اختلافات، ان نسخوں کے

---

[1] ازالۃ الشکوک

[2] اظہار حق

درمیان اختلافات اس قدر شدید اور فحش ہیں کہ ان کے درمیان تطبیق ممکن نہیں ہے۔

اختلافات کے چند نمونے:

۱) آدمؑ کی پیدائش سے طوفانِ نوح تک عبرانی نسخے کے اعتبار ۱۶۵۶ء سال کی مدت ہے اور یونانی نسخے کے اعتبار سے ۲۲۶۲ سال اور سامری نسخے کے لحاظ سے ۱۳۰۷ سال ہیں۔

۲) طوفانِ نوحؑ سے ابراہیمؑ کی پیدائش تک عبرانی نسخے کے اعتبار سے ۲۹۲ سال اور یونانی نسخے کے لحاظ سے ۱۰۷۲ سال اور سامری نسخے کے اعتبار سے کل ۹۴۲ سال ہوتے ہیں۔ (۳) ہیکل[1] یعنی مسجد کی عمارت کا مقام عبرانی نسخے کے مطابق کوہ عیبال ہے اور سامری نسخے کے مطابق کوہ جرزیم ہے

توراۃ کے اصلی نسخے کا فقدان

موسیٰ علیہ السلام نے توریت کا نسخہ لکھ کر علماءِ یہود اور بنی اسرائیل کے بڑے لوگوں کے حوالے کرکے اس کی حفاظت کی تاکید کی تھی اور حکم دیا تھا کہ اس کو صندوق شہادت میں رکھا جائے اور ہر سات سال کے بعد عید کے روز بنی اسرائیل کو سنانے کے لئے عوام کے سامنے نکالا جائے، چنانچہ یہ نسخہ اس صندوق میں رکھا دیا اور پہلا طبقہ موسیٰ کی وصیت پر عامل رہا۔ اس طبقہ کے ختم ہو جانے پر بنی اسرائیل کی حالت میں تغیر پیدا ہوا۔ توریت کے سفر استثناء کے ۳۱ باب ۲۴ آیت میں ہے: "اور ایسا ہوا کہ جب موسیٰ اس شریعت کی باتوں کو کتاب میں لکھ چکا اور وہ تمام ہوئیں تو موسیٰ نے لاویوں کو جو خداوند کے عہد کے صندوق کو اٹھاتے تھے فرمایا اس شریعت کی کتاب کو لیکے خداوند اپنے خدا کے صندوق کے ایک بغل میں رکھو تاکہ وہ تمہارے برخلاف گواہ رہے"۔ (استثناء ۳۱: ۲۴)

"پھر رحبعام بادشاہ یہود کے عہد میں ایک بار مصر کا بادشاہ سیسق بنی اسرائیل پر چڑھ آیا۔ وہ بیت المقدس کا تمام سامان لوٹ کرلے گیا جو اس کے باپ حضرت سلیمان علیہ السلام نے تیار کیا تھا اور اس حادثے میں وہ کتاب اور صندوق بھی غارت ہوا۔

_______ مگر عہد عتیق کی کتابوں میں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد سے پہلے ہی جاتی رہی تھی کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ "سلیمان نے جب وہ صندوق کھولا تو بجز دو لوحوں کے اس میں سے کوئی اور چیز نہیں نکلی۔ (السلاطین ۹:۸)

اس عہد سے لیکر یوسیاہ بادشاہ کے عہد تک جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تخمیناً چھ سو چوبیس ۶۲۴ برس پہلے تھا توراۃ کا کہیں پتہ نہ تھا۔ مگر اس کے عہد میں اٹھارویں سال خلیقیاہ سردار کاہن نے دعویٰ کیا کہ میں نے خداوند کے گھر میں توراۃ کی کتاب پائی ہے۔ (کتاب السلاطین: ۲۲)

اس کے بعد یوسیاہ نے تمام قوم کو جمع کرکے یہ کتاب جس میں احکام شرعی تھے سنائے اور اسی کا نام توراۃ تھا اور یہ بھی اس کے بعد بخت نصر کے حادثے میں دنیا سے معدوم ہوگئی۔ پھر ستر ۷۰ برس کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام اور دیگر انبیاء نے

تفصیل کے لئے اظہار الحق، ازالۃ الشکوک وغیرہ مطالعہ کیجئے۔

[1] ہیکل وہ مسجد ہے جس کی تعمیر کرنے کو موسیٰؑ حکم دے تھے۔

احکام شریعت و دستورات عبادات و بعض روایات اپنی یادداشت سے لکھا مگر اس کے بعد انٹیوکس بادشاہ نے سن عیسوی سے ایک سو ستر برس آگے یروشلم پر کئی بار حملہ کیا۔ ایک بار اس نے چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا اور تمام کتابوں کو تلاش کر کے جلا دیا۔

انٹیوکس نے یروشلم کو فتح کر کے عہد عتیق کی کتابوں کے جتنے نسخے اسے ملے پھاڑ کر جلا دئے اور حکم دیا جس کے پاس کوئی کتاب عہد عتیق کی نکلے گی یا وہ شریعت کے رسم بجا لائے گا مارا جاوے گا۔ (مقابین ۱:۱)

اس حادثے میں حضرت عزیر علیہ السلام وغیرہ انبیاء کی تصانیف یا اُن کے بعد جو شمعون صادق نے تخمیناً مسیح کے ۲۹۲ برس قبل یادداشت کے طور پر یا توراۃ کی سنی سنائی باتیں لکھیں۔ اس کو یہود توراۃ سمجھتے تھے۔ وہ بھی سب کچھ اس حادثہ میں تلف ہو گیا اور یہود بالکل دینی کتابوں اور احکام شریعت سے بے بہرہ ہو گئے۔ اس کے بعد یہوداہ مقابیس نے سن عیسوی سے تخمیناً ۱۶۵ برس پہلے حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح یادداشت پر عہد عتیق کی نقل جمع کی۔ پھر یہی نسخہ بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ کے عہد تک بلکہ ان کے بعد تک توراۃ اور کتب انبیاء سمجھا جاتا تھا۔[۱]

یہودیوں کی تحریف تاریخ کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ یہودی ایسی بدمعاش قوم تھی جو یحرفون الکلم عن مواضعہ کے مصداق صحیح اور مجسم مکر و فریب تھی۔ اس لئے اپنی بے پروائی و لا ایمانی سے حسب مصلحت اپنی کتاب مقدسہ میں بھی بار بار تحریف کرتی رہی تھی۔

ڈاکٹر ہمفری نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یہودیوں کے اوہام نے عہد عتیق کی کتابوں کے بعض مقامات پر ایسی تحریف کی ہے کہ پڑھنے والوں کو بآسانی پتہ چل جاتا ہے کہ یہودیوں نے مسیح کی بشارتوں کو بالکل اڑا دیا۔[۱]

انسائیکلو پیڈیا ریس کی جلد ۲ میں بائبل کے بیان میں کہا گیا ہے کہ:۔

ڈاکٹر کنی کاٹ کہتا ہے کہ عہد عتیق کے جو نسخے موجود ہیں وہ وہ ہیں جو ۱۰۰۰ء اور ۱۴۰۰ء کے دوران لکھے گئے ہیں، اس کی دلیل پیش کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ تمام نسخے جو ۱۷۰۰ء یا آٹھویں صدی میں لکھے گئے تھے وہ یہودیوں کی مجلس شوریٰ کے حکم سے ضائع کر دئے گئے تھے۔ اس لئے کہ وہ اُن کے معتبر نسخوں کے سخت مخالف تھے۔ اس واقعہ کے پیش نظر واٹن بھی کہتا ہے کہ جن نسخوں کی کتابت پر ۶۰۰ سال عرصہ گذر چکا ہے وہ کمیاب ہیں اور جو ۷۰۰ یا ۸۰۰ سال قبل لکھے ہوئے ہیں وہ بالکل نایاب ہیں۔[۲]

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریف و ترمیم کا سلسلہ حضورؐ کی بعثت کے بعد بھی جاری ہو رہا تھا۔

زبور

زبور داؤدؑ بھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے عہد عتیق کی کتابوں میں درج کی گئی ہے۔ حضرت داؤدؑ

---

[۱] کتاب وارڈ کیتھولک صفحہ ۱۷-۱۸ [۲] اظہار حق

علیہ السلام کی طرف منسوب کی ہوئی یہ زبور ایک سو
پچاس نغموں کا مجموعہ ہے عہد عتیق کی باقی کتابوں کی طرح
یہ کتاب بھی بے سند و مجہول الاصل ہے۔ کسی ایک صحیح سند
سے یہ بات ثابت نہیں کہ اس کا مصنف کون ہے؟ کس
زمانے میں ایک جلد میں جمع ہوئی؟ ان زبوروں کا نام
الہامی ہے یا غیر الہامی، بعض قدماء کے نزدیک ساری
کتاب زبور، داؤد کی تصنیف ہیں لیکن بعض اس کے
منکر ہیں۔ بعض فرقے کے نزدیک تیس زبور سے زاید ایسے
ہیں کہ جن کا مصنف معلوم نہیں۔

کامٹ کہتا ہے کہ " زبور میں داؤد کی تصنیف
کل پینتالیس زبور ہیں۔ باقی اوروں کی تصنیف
ہیں"۔ نہارن صاحب کہتے ہیں کہ یہود کے علماء متاخرین
اور سب عیسائی مذہب کے مفسرین کا مختار یہ ہے کہ
یہ کتاب کی تصنیف ان شخصوں کی ہے۔ سورس۔ داؤد
سلیمان، اساف، نہمان، اتھان، جدوتھن، قورح کے
تین بیٹے۔

جمع ہونے کی بابت بعض کہتے ہیں کہ داؤد کے
زمانے میں جمع ہوئے اور بعض حزقیاء کے زمانے بتلاتے
ہیں کہ حزقیاء کے دوستوں اور نوکروں نے ان کو جمع
کیا ہے۔ اور بعض مختلف زمانوں میں کہتے ہیں اور ان زبورو
کے ناموں کی بابت بعض کا دعویٰ ہیں کہ الہامی
ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کسی غیر نبی نے اپنی طرف سے ان
کے نام لکھدئے ہیں۔

زبور میں تحریفات و اختلافات

عہد عتیق کی باقی کتابوں کی طرح زبور بھی تحریف و
اختلافات سے لبریز ہے۔

تحریفات کی چند مثالیں

۱) زبور نمبر ۱۰۵ ۔ نسخہ عبرانی کی آیت ۲۸ یوں ہے:۔
"انہوں نے اس کی باتوں سے سرکشی نہیں کی"
اور یونانی نسخہ میں یوں ہے:۔
"انہوں نے اس کے قول کے خلاف کیا"
اب دیکھئے کہ زبور داؤد کے مذکورہ دو نسخہ کے دو
عبارتوں کے درمیان اتنا اختلاف ہے کہ پہلے نسخہ میں نفی
ہے اور دوسرے میں اثبات ہے۔ اس لئے یقیناً یہ دونوں
میں سے ایک غلط اور محرف ہے۔

عیسائی علماء اس جگہ متحیر ہیں۔ چنانچہ ہنری واسکاٹ
کی تفسیر میں ہے کہ: "اس فرق کی وجہ سے بحث طویل ہو
گئی اور ظاہر یہی ہے کہ اس کا سبب کسی حرف کی زیادتی
ہے یا کمی"۔

بہر حال اس تفسیر کے جامعین نے تحریف کا اقرار کر
لیا مگر اس کی تعیین پر وہ قادر نہیں ہیں۔

۲) زبور نمبر ۱۴: آیت ۱۳ کے بعد لاطینی و عربی یونانی
ترجمہ کے ویٹی کن کے نسخہ میں یہ عبارت موجود ہے:
"ان کا گلا کھلی ہوئی قبر ہے، انہوں نے اپنی زبان
سے فریب دیا۔ ان کے ہونٹوں میں سانپوں کا زہر ہے، ان
کے منہ لعنت اور کڑواہٹ سے بھرا ہے۔ (از زبور ۱۴: ۱۳)

یہ عبارت عبرانی نسخہ میں موجود نہیں ہے بلکہ رومیوں کے نام پولس (سینٹ پال) کے خط میں پائی جاتی ہے۔

اب یا تو یہودیوں نے یہ عبارت عبرانی نسخہ سے ساقط کر دی یا عیسائیوں نے اپنے ترجموں میں اپنے مقدس پولس کے کلام کی تصحیح کے لئے بڑھائی ہے[1]۔

آدم کلارک زبور کی آیت مذکورہ کی شرح کے ذیل میں کہتا ہے :-

اس آیت کے بعد ویٹی کن کے نسخہ میں ایتھوپک والے ترجمہ میں اس طرح عربی ترجمہ میں چھ آیات آئی ہیں جو رومیوں کے نام پولس کے خط باب ۳ آیت ۱۲ تا آیت ۱۸ کے اندر موجود ہیں۔

انجیل

خدائے تعالیٰ سے حضرت عیسیٰؑ پر نازل کی ہوئی کتاب کا نام انجیل ہے۔ یہ لفظ یونانی "انکلیون" کا معرب ہے جس کا معنے بشارت و تعلیم کے ہیں۔

وہ کتاب جو عہد جدید (New Testament) سے آج مشہور ہے ۲۷ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ اُن میں سے پہلے کی چار کتابوں کو جن کی ترتیب حضرت عیسیٰؑ کے چار حواریین کی طرف منسوب ہیں انجیل کہی جاتی ہیں یعنی :-

۱) انجیل متی (۲) انجیل مرقس (۳) انجیل لوقا۔ (۴) انجیل یوحنا۔ ان چار انجیلوں میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات و ارشادات بیان کی جاتی ہیں۔

عہد جدید کی باقی کتابوں کے مضامین یہ ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے حواریوں اور شاگردوں کے اعمال جو اعمال رسولوں کے نام سے درج ہیں اور پولس یعقوب پطرس، یوحنا اور یہوداہ کی جانب سے مختلف لوگوں کے نام لکھے ہوئے خطوط، یہ تمام اخیر میں یوحنا کے مکاشفہ کے مطابق انجیل کے جزو بنائے گئے اور بعد میں اُن کو بھی مقدس و الہامی کتابوں کا درجہ دیا گیا۔

انجیل کی اصل زبان

مسیح علیہ السلام اور ان کے ہم عصر اہل فلسطین کی عام زبان آرامی زبان کی وہ بولی تھی جسے سُریانی (Aramaic) کہا جاتا ہے۔ اور حضرت مسیح نے اپنے شاگردوں سے جو کچھ کہا تھا وہ لامحالہ سریانی زبان میں ہوگا۔ مگر عہدِ جدید کے چار انجیلوں میں سے تین بھی یونانی زبان میں لکھی گئی ہیں اور متی کی انجیل عبرانی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اس لئے یہ بات یقینی ہے کہ ان چار انجیلوں میں جو عیسیٰ کی طرف منسوب تعلیمات ہیں وہ عیسیٰ کی زبانی لفظ ہونے کا امکان نہیں بلکہ ان کے کلام کا ترجمہ ہو سکتا ہے۔

اب ان چار انجیلوں کو ملاحظہ کیجئے :-

۱) **انجیل متی** چار انجیلوں میں سے وہ انجیل، جو متی کی طرف منسوب کی جاتی ہے اور عیسائیوں کے نزدیک سب سے قدیم تصور کی جاتی ہے، وہ یقیناً متی کی تصنیف نہیں ہے۔ کیونکہ تمام متقدمین عیسائی اور بے شمار متاخرین اس امر پر متفق ہیں کہ انجیل متی جو عبرانی زبان میں تھی، وہ بعض عیسائی فرقوں کی تحریف کی وجہ سے

[1] اظہار الحق ۱۲

ضائع و نابید ہوچکی ہے اور آج کل کی موجودہ انجیل اس کا ترجمہ ہے اور اس ترجمہ کی سند بھی ان کے پاس موجود نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کے مترجم کا نام بھی یقینی طور پر معلوم نہیں۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۹ میں لکھی گئی ہے

" عہد جدید کی ہر کتاب یونانی میں لکھی گئی ہے سوائے انجیل متی اور رسالہ عبرانیہ کے کیونکہ ان دونوں کی تالیف کا عبرانی زبان میں ہونا دلایل کی بنا پر یقینی بات ہے۔"

ہنری واسکاٹ کی تفسیر کے جامعین کہتے ہیں:

"عبرانی نسخہ کے معدوم ہونے کا سبب یہ ہوا کہ فرقہ ابیونیہ نے جو مسیح کی الوہیت اور خدا کا منکر تھا اس نسخہ میں تحریف کی اور پھر وہ یروشلم کے فتنہ کے بعد ضائع ہوگیا"

بعض کی رائے یہ ہے کہ " ناصری لوگ یا وہ یہودی جو مسیحی مذہب میں داخل ہوگئے تھے انہوں نے عبرانی انجیل میں تحریف کی اور فرقہ ابیونیہ نے بہت سے جملے اس میں سے نکال ڈالے۔ یوسی سبین نے اپنی تاریخ میں آرینوس کا یہ قول نقل کیا ہے کہ متے نے اپنی انجیل عبرانی میں لکھی تھی۔

فرقہ مانی کیز کا مشہور عالم فاسٹس یوں لکھتا ہے کہ: جو انجیل متی کی جانب منسوب ہے اسکی تصنیف ہرگز نہیں ہے۔"

انجیل مرقس انجیل مرقس کے مرتب مرقس کے بارے میں ٹھیک ٹھیک کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی شخصیت کیا ہے؟ البتہ مورخین اس پر متفق ہیں کہ وہ جو کچھ بھی ہو جناب مسیح کے حواریوں اور ساتھیوں میں سے بہر حال نہیں ہے۔ اس نے پطرس کے قتل کے بعد روما میں ان باتوں کو جو اس نے پطرس سے مختلف اوقات میں سنی تھیں بغیر ترتیب کے لکھ ڈالا۔ اندازہ یہ کیا جاتا ہے، کہ جناب مسیح کے شاگردوں میں اسوقت کوئی بھی زندہ نہیں تھا۔

(۳) انجیل لوقا انجیل لوقا کے مرتب بھی جناب مسیح کے کافی بعد کے زمانے کا ہے، اور پولوس (سینٹ پال) کے ساتھیوں میں سے ایک تصور کیا جاتا ہے۔ اس انجیل میں لوقا نے جو کچھ پولس سے سنا اور مرقس کی انجیل میں دیکھا اسے استفادہ کرکے تحریری شکل میں مرتب کردیا۔

(۴) انجیل یوحنا تحریر و ترتیب کے اعتبار سے یہ سب سے آخری انجیل ہے۔ اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ یوحنا وہ یوحنا نہیں ہے جو حضرت مسیح کے شاگرد تھے لیکن بعض کا کہنا ہے کہ یہ افسس کا باشندہ تھا۔ اس کا زمانہ حضرت مسیح کے ۱۱۰ یا ۱۱۵ سال بعد کا زمانہ ہے

" اسٹاڈلن لکھتا ہے کہ: ۔ انجیل یوحنا کی پوری کتاب اسکندریہ مدرسہ کے ایک طالب علم کی تصنیف ہے۔"

ان مذکورہ چاروں انجیلوں میں سے کوئی انجیل بھی سنہ ۷۰ء سے پہلے لکھی ہوئی نہیں ہے۔

" اور اُن میں سے کسی کا لکھنے والا بھی حضرت عیسیٰ کا شاگرد نہ تھا اور اُن میں سے کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا ہے، کہ اس نے عیسیٰ علیہ السلام سے حاصل کردہ معلومات اپنی انجیل میں درج کی ہیں۔ جن ذرائع سے ان لوگوں نے معلومات حاصل

کی ہیں، ان کا کوئی حوالہ انہوں نے نہیں دیا ہے جس سے یہ پتہ چل سکے کہ راوی نے آیا خود واقعات دیکھے اور وہ اقوال سنے ہیں جنہیں وہ بیان کر رہا ہے، یا ایک یا چند واسطوں سے یہ باتیں اسے پہنچی ہیں۔[1]

اناجیل کی بے سندی کی دلیل لارڈ اپنی تفسیر میں کہتا ہے کہ: اناجیل مقدسہ کے مصنفوں کا حال معلوم نہ ہونے کی بنا پر شاہ اناطیوس کے حکم سے (اس زمانہ میں جب قسطنطنیہ کا حاکم تھا) یہ فیصلہ کیا گیا کہ "یہ درست نہیں ہیں، اس لئے دوبارہ صحیح کی گئی ہے"۔

اب ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ انجیلیں درست اور الہامی تھیں اور اس بادشاہ کے عہد میں معتبر سند سے یہ ثابت ہو چکا تھا، کہ متقدمین کے نزدیک یہ حواریوں اور ان کے تابعین کی تصانیف ہیں تو پھر مصنفین کی اس جہالت کے کوئی بھی معنی نہیں ہیں کہ اس کی دوبارہ تصحیح کی جائے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ تک ان کی اسناد ثابت نہیں تھیں۔[2]

ایک ممتاز مسیحی عالم جمی کیڈوکس لکھتا ہے: ۔

"اناجیل اربعہ وہ واحد ذریعہ ہونے کے باوجود جن کے ذریعہ (عیسائی عقائد و تعلیمات) کے خاکے میں رنگ بھرا جا سکتا ہے جو دوسرے ذرائع سے ہمیں حاصل ہوتا ہے، ان اناجیل اربعہ کے مواد سند و اعتبار کے لحاظ سے نہایت مختلف فیہ اور مشتبہ ہے۔ ان (اناجیل اربعہ) میں بے یقینی اور ظن و تخمینی کی کیفیت اس طرح رچی بسی ہوئی ہے کہ (ایک محقق کے لئے) اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ تحقیق و تجسس ترک کر کے یہ اعتراف کر لیا جائے کہ انجیل کو کلام الٰہی ثابت کرنے کا یہ کام ناممکن ہے[3]۔

انجیل میں عیسائیوں کی ترمیم سلوس لکھتا ہے عیسائیوں نے اپنی انجیلوں میں تین بار یا چار مرتبہ ایسی تبدیلی کی جس سے ان کے مضامین بدل گئے۔[4]

انجیل کے انگریزی ترجموں کی حقیقت

مسٹر کارلائل کہتا ہے کہ: "انگریزی مترجموں نے مطلب خبط کر دیا ہے۔ حق کو چھپایا اور جاہلوں کو دھوکا دیا۔ اور انجیل کے سیدھے سادھے مضمون کو پیچیدہ بنا ڈالا، ان کے نزدیک تاریکی روشنی سے بہتر اور جھوٹ سچ سے افضل"۔

مسٹر بروٹن نے جو کونسل کے ارکان میں سے تھے، جدید ترجمہ کرنے کی درخواست کی تھی کیونکہ انگریزی جو ترجمہ مروج ہے وہ غلطیوں سے لبریز ہے اور پادریوں سے کہا کہ تمہارے مشہور انگریزی مترجموں نے عہد عتیق کی عبارتوں میں آٹھ ہزار چار سو اسّی (۸۴۸۰) مقامات میں تحریف کی ہے۔ اسی طرح، وہ بے شمار انسانوں کے عہد جدید سے منحرف ہونے اور جہنم میں داخل ہونے کا سبب بنا ہے۔[5]

بائبل کے قدیم نسخوں کی حقیقت

انجیل کے یونانی ترجمہ کے نسخوں میں سے تین نسخے عیسائیوں کے نزدیک بہت اہم اور قدیم شمار کئے جاتے ہیں۔

۱) کوڈکس اسکندریانوس (Codex Elexnderie)

۲) کوڈکیس واطیکانوس (Codex Veticun.)

۳) کوڈکیس افرمی (Codex Ephraim)

---

[1] تفہیم القرآن [2] اظہار الحق جلد دوم [3] عیسائیت انجیل اور قرآن کی روشنی میں [4] بائبل سے قرآن تک [5] بائبل سے قرآن تک

کوڈکس اسکندریانوس ہورن نے اپنی تفسیر کی جلد ۲ میں اس نسخہ کا حال بیان کرتے ہوئے کہا ہے :۔
"یہ نسخہ چار جلدوں میں ہے ۔ پہلی تین جلدوں میں عہد عتیق کی سچی اور جھوٹی دونوں کتابیں موجود ہیں ۔ جلد ۴ میں عہد جدید اور کلیمنٹ کا پہلا خط جو کرنتھیوں کے نام ۔ اور جھوٹی زبور جو سلیمان کی جانب منسوب ہے"۔

اس نسخے کی قدامت کی بابت مختلف رائیں ہیں بعض بہ چوتھی صدی کا، بعض دسویں صدی کا، بعض ساتویں صدی کا بعض چھٹی صدی کا لکھا ہوا کہتے ہیں ۔

۲) **کوڈکس واطیکانوس** ہورن اس نسخے کی بابت کہتا ہے کہ یہ نسخہ ۳۵۰ء سے قبل لکھا گیا ہے بعض چوتھی صدی میں ۔ مونٹ فاکس اور ویلین جینی کہتے ہیں کہ پانچویں یا چھٹی صدی میں لکھا گیا"۔ عہد عتیق اور عہد جدید کے کسی بھی دو نسخوں میں اتنا فرق موجود نہیں ہے جتنا فرق اسکندریانوس کے کوڈکس اور اس نسخے کے درمیان پایا جاتا ہے ۔

۳) **کوڈکس افریمی** ہورن کہتا ہے : یہ نسخہ ۵۴۲ء سے قبل کا لکھا ہوا ہے ۔ مارش کا کہنا ہے ساتویں صدی میں لکھا گیا ہے ۔

مذکورۂ بالا عبارات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کے بہت پرانے نسخوں پر بھی اعتماد کرنا بالکل ناممکن ہوچکا ہے کیونکہ ان میں بھی اختلافات اور جھوٹیں موجود ہیں ۔

تحریف واختلافات کے اسباب

بائبل میں تحریف واختلافات واقع ہونے کے ہورن صاحب نے چار اسباب بتائے ہیں ۔
۱) کاتب کی غلطی (۲) نسخہ منقول عنہ میں کمی واقع ہونا ۔
(۳) خیالی تصحیح واصلاح (۴) تحریف قصدی
ان چار اسباب میں سے ہر ایک کی بہت مثالیں بھی ہورن نے اپنی تفسیر میں پیش کئے ہیں ۔

کتب مقدسہ میں تحریفات واختلافات کی تعداد

بائبل میں اس قسم کی تحریفات واختلافات کی تعداد میل کی تحقیق کے مطابق تیس ہزار اور کریباخ کی تحقیق کے مطابق ایک لاکھ پچاس ہزار ۔ سب سے آخری محقق شولز کی رائے میں تو ایسے اختلافات کی تعداد ان گنت اور نامعلوم ہیں ۔

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا جلد ۱۹ میں لفظ "اسکرپچر" کے تحت وٹیس ٹن کا قول نقل کیا ہے کہ :۔
"یہ اختلافات دس لاکھ سے زاید ہیں"۔ [۵]

جھوٹی انجیلیں آدم کلارک اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔ "یہ بات محقق ہے کہ بہت سی جھوٹی انجیلیں ابتدائی مسیحی صدیوں میں رواج پا چکی تھیں ۔ اس قسم کی ۷۰ سے زیادہ جھوٹی انجیلیوں کا ذکر پایا جاتا ہے ۔ جن کے بہت سے اجزاء آج بھی موجود اور باقی ہیں"۔

جھوٹے پیغمبر کرنتھیوں کے نام دوسرے خط کے باب : ۱۱ آیت : ۱۲ میں پولس لکھتا ہے :۔
" ایسے لوگ جھوٹے رسول دغابازی سے کام کرنے والے ہیں اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں"۔
آدم کلارک اس مقام کے شرح کرتے ہوئے اپنی تفسیر میں

کہتا ہے:۔ "یہ لوگ بالکل جھوٹے مسیح کے رسول ہونے کا دعویٰ کرتے تھے حالانکہ واقع میں وہ مسیح کے رسول نہ تھے، یہ لوگ وعظ بھی کہتے تھے اور ریاضتیں بھی کرتے تھے، لیکن ان کا مقصد جلبِ منفعت کے سوا کچھ نہ تھا" [۱]

جس طرح عہدِ عتیق کی پانچ کتابیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کی جاتی ہیں اور بھی بہت کتابیں منسوب کی جاتی ہیں، لیکن بعض لوگ اس کی تسلیم نہیں کرتے ہیں، اور عیسیٰ اور ان کے حواریین کی طرف اور بھی بہت اناجیل منسوب ہیں، بعض اُن کی تسلیم کرتے ہیں اور بعض انکار کرنے والے ہیں۔ اس لئے کتبِ مقدسہ کی کسی ایک کتاب کے متعلق ہم یہ یقین نہ کرسکیں کہ فلاں نبی یا فلاں رسول کی طرف اس کتاب کی نسبت صحیح ہے۔ ان کی کسی ایک بات کی بابت ہم یہ نہ کہہ سکیں کہ یہ انسانی مداخلت سے محفوظ و مامون ہے۔

(فویل للذین یکتبون الکتاب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا فویل لھم مما کتبت ایدیھم وویل لھم مما یکسبون) خرابی ہے اُن کو جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے، تاکہ اس پر تھوڑا سا مول لیویں۔ سو خرابی ہے ان کو اپنے ہاتھوں سے لکھنے سے اور خرابی ہے اُن کو اپنی اس کمائی سے"

کیا وہ کتاب قابلِ اعتماد ہوسکتی ہے؟ جو بیشمار غلطیوں سے لبریز ہے ایسی غیر معتبر کتابوں کا جن میں دس لاکھ سے زیادہ غلطیاں موجود ہیں۔ کسی ایک کلام کی بابت کیسے ہم یقین کرسکیں کہ یہ کلام تحریفات سے محفوظ ہے اور ان کتابوں کی صداقت پر ہی کیا یقین ہیں؟ جن کو آج اہلِ کتاب معتبر و مستند سمجھتے ہیں۔ اُن جھوٹی کتابوں میں سے جو ابتدائی صدیوں میں رائج تھیں، ان کتابوں کی صداقت کی تمیز کرنے کا کیا برہان ہے؟ حالانکہ معلوم ہوچکا ہے کہ یہ کتاب بھی جو آج اہلِ کتاب کے پاس معتبر ہیں بے اصل و بے سند ہیں۔ ان کی صداقت کی کوئی سند متصل اہلِ کتاب کے پاس موجود نہیں۔ ایک صدی تک جو کتاب قابلِ اعتماد و واجب التسلیم قرار کی جاتی تھی اُسی کتاب کو دوسری صدیوں میں نہایت مردود، و مشکوک الصحت قرار دی جاتی تھی۔ اس لئے عہدِ عتیق یا جدید کا کوئی کلام اگر قرآن مجید کا مخالف ہوئے، تو وہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیونکہ مندرجۂ بالا تفصیلات سے واضح ہوچکا ہے کہ کتبِ مقدسہ کا کسی ایک کلام بھی تحریفات و تبدیلات کے شبہ سے مامون نہیں ہے۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورِ اکرمؐ کی بشارات اور آپ کی نعت و صفات تورات و انجیل میں موجود ہیں۔

موجودہ عہدِ عتیق و جدید کی کتابوں میں اُن میں سے کوئی بات اگر نہیں پائی جاتی ہے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تحریفات و اغالیط و حذف و اضافات سے سالم و محفوظ نہیں ہیں الذین یتبعون الرسول النبیّ الاُمّیّ الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل۔ (الاعراف: ۱۵۲)

"جو لوگ ایسا رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں"۔

واذ قال عیسی بن مریم یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم مصدقا لما بین یدی من التوراۃ و مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد فلما جاءھم بالبینات قالوا ھذا سحر مبین" یاد کرو عیسیٰ بن مریم کی وہ بات جو اس نے کہی تھی کہ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا رسول ہوں، تصدیق کرنے والا ہوں، اس توراۃ کی جو مجھ سے پہلے آئی ہوئی موجود ہے اور بشارت دینے والا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ مگر وہ جب ان کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آیا تو انہوں نے کہا یہ تو صریح جادو ہے"۔

حضور اکرمؐ کی تشریف آوری کی بشارت

خاتم الانبیاء محمد رسول اللہؐ کی تشریف آوری کی بشارت حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ اور باقی تمام انبیاء کرام بھی برابر سناتے آئے ہیں مگر جس صراحت و وضاحت و اہتمام کے ساتھ حضرت مسیحؑ نے آپ کی آمد کی خوشخبری دی وہ کسی سے منقول نہیں لیکن یہود و نصاریٰ کی مجرمانہ غفلت و متعمدانہ دستبرد نے توراۃ و انجیل کا کوئی صحیح نسخہ باقی نہیں چھوڑا جس سے ہم کو ٹھیک پتہ لگتا ہے کہ انبیاء سابقین خصوصًا حضرت مسیحؑ نے خاتم الانبیاء کی نسبت کن الفاظ اور کن عنوان سے بشارت دی تھی۔ مگر یہ بھی خاتم الانبیاء کا معجزہ سمجھنا چاہئے کہ حق تعالیٰ نے محرّفین کو اس قدر قدرت نہیں دی کہ وہ اس لئے آخری پیغمبر کے متعلق تمام پیشین گوئیوں کو بالکلیہ محو کردیں کہ ان کا کچھ نشان باقی نہ رہے۔ موجودہ بائبل میں بھی بیس سے زیادہ مواضع ہیں جہاں آنحضرتؐ کا ذکر قریب تصریح کے موجود ہے اور عقل و انصاف والوں کے لئے اسی میں تاویل و انکار کی قطعًا گنجائش نہیں۔

کتاب مقدس کی چند پیشین گوئیاں

(۱) استثناء باب ۱۸ : آیات ۱۵-۱۹ میں لکھی گئی ہے:

" خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے یعنی تیرے ہی بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا تم اس کی سننا، یہ تیری اس درخواست کے مطابق ہوگا، جو تو نے خداوند اپنے خدا سے مجمع کے دن حورب میں کی تھی کہ مجھ کو نہ تو خداوند اپنے خدا کی آواز پھر سننی پڑے، اور نہ ایسی بڑی آگ ہی کا نظارہ ہو تا کہ میں نہ مر جاؤں۔ اور خداوند نے مجھ سے کہا کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں سو ٹھیک کہتے ہیں۔ میں ان کے لئے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنے کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا۔ اور جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہیگا اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سنے تو میں اُن کا حساب اس سے لوں گا"

یہ توراۃ کی صریح پیشین گوئی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور پر چسپاں نہیں ہوسکتی۔ اس میں حضرت موسیٰ اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنا رہے ہیں کہ میں

تیرے لئے تیرے بھائیوں میں سے ایک نبی برپا کروں گا۔"

اس عبارت میں حورب سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں حضرت موسیٰ کو پہلی مرتبہ احکام شریعت دئے گئے تھے اور بنی اسرائیل کی جس درخواست کا اس میں ذکر کیا گیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ آئندہ اگر کوئی شریعت ہم کو دی جائے تو اُن خوفناک حالات میں نہ دی جائے جو حورب پہاڑ کے دامن میں شریعت دیتے وقت پیدا کئے گئے تھے۔ اُن حالات کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے۔

(۲) انجیل یوحنا اس پر گواہ ہے کہ مسیح کی آمد کے زمانے میں بنی اسرائیل تین شخصیتوں کے منتظر تھے۔ ایک مسیح، دوسرے ایلیاء (حضرت الیاس کی آمد ثانی) اور تیسرے "وہ نبی"۔ انجیل کے الفاظ یہ ہیں:-

" اور یوحنا کی گواہی یہ ہے کہ جب یہودیوں نے یروشلم سے کاہن اور لاوی یہ پوچھنے کو اُس کے پاس بھیجے کہ تو کون ہے تو اس نے اقرار کیا انکار نہ کیا بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ انہوں نے اس سے پوچھا پھر کون ہے؟ کیا تو ایلیاہ ہے (حضرت الیاس) اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ کیا تو وہ نبی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ پس انہوں نے اس سے کہا پھر تو ہے کون؟ اس نے کہا میں بیابان میں ایک پکارنے والے کی آواز ہوں۔ کہ تم خداوند کی راہ سیدھی کرو..... انہوں نے اس سے یہ سوال کیا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ نہ وہ نبی تو پھر بپتسمہ (Baptism) کیوں دیتا ہے۔ (باب ۱: آیات ۱۹-۲۵)

یہ الفاظ اس بات پر صریح دلالت کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت مسیح اور حضرت الیاس کے علاوہ اور نبی کے بھی منتظر تھے، یہاں اس نبی سے حضور اکرم ﷺ مراد ہیں۔

اب وہ پیشینگوئیاں دیکھیے جو انجیل یوحنا میں مسلسل باب ۱۴-۱۶ تک منقول ہیں:

" میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا " فارقلیط " بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کرسکتی کیونکہ نہ اسے دیکھتی ہے نہ جانتی ہے۔ تم اسے جانتے ہو کیونکہ وہ تمہارے ساتھ رہتا ہے اور تمہارے اندر ہے۔ (یوحنا ۱۴: ۱۶-۱۷)"

" اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں" (۱۴: ۲۰)

"لیکن وہ فارقلیط (روح حق) جسے باپ میرے نام بھیجے گا وہ تمہیں سب چیزیں سکھا دیگا اور سب باتیں جو کچھ میں نے تم سے کہا یاد دلائے گا۔ (۱۴: ۲۵-۲۶)

"لیکن میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ "فارقلیط" تمہارے پاس نہ آئے گا۔ لیکن اگر جاؤں گا تو اس سے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ (۱۶: ۱۷)

مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنا ہے۔ مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کرسکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سنیگا وہی کہیگا۔ اور تمہیں آئندہ کی خبر دیگا۔ میرا جلال ظاہر

کریگا اس لئے کہ مجھ ہی سے حاصل کر کے تمہیں خبر دے گا۔
جو کچھ باپ کا ہے وہ سب میرا ہے۔ اس لئے میں نے کہا
کہ وہ مجھ ہی سے حاصل کرتا ہے اور تمہیں خبر دیگا"۔

انجیل یوحنا کی مذکورۂ بالا عبارات (۱۶: ۱۲-۱۵) میں حضرت عیسیٰ اپنے بعد ایک آنے والے "فارقلیط" کی خبر دے رہے ہیں جس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ وہ دنیا کا سردار (سرور عالم) ہوگا ابد تک رہے گا۔ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا اور خود ان کی (یعنی حضرت عیسیٰ کی) گواہی دے گا۔

یوحنا کی ان عبارتوں میں "روح القدس اور سچائی کی روح وغیرہ الفاظ شامل کر کے مدعا خبط کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ مگر اس کے باوجود ان سب عبارتوں کو اگر غور سے پڑھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس آنے والے کی خبر دی گئی ہے وہ کوئی روح نہیں بلکہ کوئی انسان اور خاص شخص ہے جس کی تعلیم عالمگیر ہمہ گیر اور قیامت تک باقی رہنے والی ہوگی"۔

انجیل یوحنا کے عربی ترجمہ میں لفظ "فارقلیط" ہی لکھا گیا ہے مگر اردو ترجمہ میں مددگار یا تسلی دینے والا کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یوحنا کی اصل انجیل میں یونانی زبان کا جو لفظ استعمال کیا گیا تھا اس کے بارے میں عیسائیوں کو اصرار ہے کہ وہ پاراکلی طوس (PARACLETUS) تھا۔ مگر اس کے معنی متعین کرنے میں خود عیسائی علماء کو سخت زحمت پیش آئی ہے۔ اصلی یونانی زبان میں PARACLATE کے کئی معنی ہیں۔ کسی جگہ کی طرف بلانا، مدد کے لئے پکارنا، انذار، وتنبیہ، ترغیب، اکسانا التجا کرنا، دعا مانگنا، پھر یہ لفظ بعید مفہوم میں یہ معنے دیتا ہے: تسلی دینا۔ تسکین بخشنا، ہمت افزائی کرنا، بائبل میں اس لفظ کو (فارقلیط) جہاں جہاں استعمال کیا گیا ہے ان سب مقامات پر اس کے کوئی معنے بھی ٹھیک نہیں بیٹھتے۔

اب دلچسپ بات یہ ہے کہ یونانی زبان ہی میں ایک دوسرا لفظ پیرا کلوطوس (PERICLYTOS) موجود ہے۔ جس کا معنی ہیں "تعریف کیا ہوا"۔ یہ لفظ بالکل محمد کا ہم معنی ہے اور تلفظ میں اس کے اور (PARACLETUS) کے درمیان بڑی مشابہت پائی جاتی ہے۔

کیا بعید ہے کہ جو مسیحی حضرات اپنی مذہبی کتابوں میں اپنی مرضی اور پسند کے مطابق بے تکلف ردو بدل کر لینے کے خوگر رہے ہیں انہوں نے یوحنا کی نقل کردہ پیشین گوئی کے اس لفظ کو اپنے عقیدے کے خلاف پڑتا دیکھ کر اس کے املاء میں یہ ذرا سا تغیر کر دیا ہو۔ اس کی پڑتال کرنے کے لئے یوحنا کی لکھی ہوئی ابتدائی یونانی انجیل بھی کہیں موجود نہیں ہے جس سے یہ تحقیق کیا جا سکے کہ وہاں ان دونوں الفاظ میں سے در اصل کونسا لفظ استعمال کیا گیا تھا[۵]۔

"حضرت مسیح علیہ السلام کی زبان سریانی تھی اس

۵ تفہیم القرآن ۱۷

تھی، اس لئے انہوں نے اپنی بشارت میں جو لفظ استعمال کیا ہوگا وہ لامحالہ کوئی سریانی لفظ ہی ہونا چاہئیے۔ وہ اصل سریانی لفظ ہمیں ابن ہشام کی سیرت میں مل جاتا ہے کہ اس کا ہم معنی یونانی لفظ کیا ہے۔ محمد بن اسحاق کے حوالہ سے ابن ہشام نے یحنّس (یوحنا) کی انجیل کے باب ۱۵، آیات ۲۳ تا ۲۷ اور باب ۱۶ آیت کا پورا ترجمہ نقل کیا ہے اور اس میں یونانی فارقلیط کے بجائے سریانی کا مُنحمنّا※ کے معنی سریانی میں محمدؐ اور یونانی میں برقلیطس ہیں۔ (ابن ہشام جلد اول ص ۲۴۸)

※ استعمال کیا گیا ہے پھر ابن اسحٰق یا ابن ہشام اس کی تشریح میں یہ کیسے سمجھا کر لکھتا

اب دیکھئے کہ تاریخی طور پر فلسطین کے عام عیسائی باشندوں کی زبان نویں صدی عیسوی تک سُریانی تھی، یہ علاقہ ساتویں صدی کے نصف اول سے اسلامی مقبوضات میں شامل تھا۔ ابن اسحاق نے ۷۶۸ء میں اور ابن ہشام نے ۸۲۸ء میں وفات پائی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان دونوں کے زمانے میں فلسطینی عیسائی سُریانی بولتے تھے اور ان دونوں کے لئے اپنے ملک کے عیسائی رعایا سے ربط پیدا کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ اس لئے یہ معلوم کرنا بھی مشکل نہ تھا کہ سُریانی کے کس لفظ کا ہم معنی یونانی زبان کا کونسا لفظ ہے۔

انجیل برناباس

حقیقت یہ ہے کہ صرف رسول اللہؐ ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ کی پیشین گوئیوں کو نہیں خود عیسیٰ کے اپنے صحیح حالات اور آپ کی اصلی تعلیمات کو جاننے کا بھی معتبر ذریعہ وہ چار انجیلیں نہیں ہیں جن کو مسیحی کلیسا نے معتبر و مسلم اناجیل (COLONICAL GOSPELS) قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ اس کا زیادہ قابل اعتماد ذریعہ وہ انجیل برناباس ہے جسے کلیسا غیر قانونی اور مشکوک الصحت کہتا ہے۔ عیسائیوں نے اسے چھپانے کا بڑا اہتمام کیا ہے۔ صدیوں تک یہ دنیا سے ناپید رہی ہے۔ سولھویں صدی میں اس کے اطالوی ترجمے کا صرف ایک نسخہ پوپ سکسٹس (SIXTUS) کے کتب خانے میں پایا جاتا تھا اور کسی کو اس کے پڑھنے کی اجازت نہ تھی۔

اٹھارھویں صدی کے آغاز میں وہ ایک شخص جان ٹولنڈ کے ہاتھ لگا۔ پھر مختلف ہاتھوں میں گشت کرتا ہوا ۱۷۳۸ء میں ویانا کی امپیریل لائبریری میں پہنچ گیا۔ ۱۹۰۷ء میں اس نسخے کا انگریزی ترجمہ آکسفورڈ کے کلیرنڈن پریس سے شائع ہوگیا تھا۔ مگر غالباً اس کی اشاعت کے بعد فوراً ہی عیسائی دنیا میں یہ احساس پیدا ہوگیا کہ یہ کتاب تو اُس مذہب کی جڑ ہی کاٹے دے رہی ہے جسے حضرت عیسیٰ کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اس لئے اس کے مطبوعہ نسخے کسی خاص تدبیر سے غائب کر دئے گئے۔ اور پھر کبھی اس کی اشاعت کی نوبت نہ آسکی۔ دوسرا ایک نسخہ اسی اطالوی ترجمے سے اسپینی زبان میں منتقل کیا ہوا اٹھارویں صدی میں پایا جاتا تھا جس کا ذکر جارج سیل نے اپنے انگریزی ترجمہ قرآن کے مقدمہ میں کیا ہے۔ مگر وہ بھی کہیں غائب کر دیا گیا۔ اور آج اس کا بھی کہیں پتہ

لہ لہ لہ تفہیم القرآن

نشان نہیں ملتا۔

مسیحی لٹریچر میں اس انجیل کا جہاں کہیں ذکر آتا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیا جاتا ہے، یہ ایک جعلی انجیل ہے، جسے شاید کسی مسلمان نے تصنیف کر کے برنا باس کی طرف منسوب کر دیا ہے، لیکن یہ ایک بڑا جھوٹ ہے جو صرف اس بناء پر بول دیا گیا ہے کہ اس میں جگہ جگہ بصراحت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیشین گوئیاں ملتی ہیں۔ یہ بات کی جھوٹ ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ نبی صلعم کی پیدائش سے بھی ۷۵ سال پہلے پوپ گلاسیس اول (GELASIUS) کے زمانے میں بدعقیدہ اور گمراہ کن کتابوں کی جو فہرست مرتب کی گئی تھی اور ایک پاپائی فتوی کے ذریعہ سے جن کا پڑھنا ممنوع کر دیا گیا تھا اُن میں انجیل برنا باس (EVANGELIUM GARNABE) بھی شامل تھی۔

سوال یہ ہے کہ اس وقت کونسا مسلمان تھا جس نے یہ جعلی انجیل تیار کی تھی؟ یہ بات تو خود عیسائی علماء نے تسلیم کی ہے کہ شام اسپین مصر وغیرہ ممالک کے ابتدائی مسیحی کلیسیا میں ایک مدت تک برنا باس کی انجیل رائج رہی ہے اور چھٹی صدی میں اسے ممنوع قرار دیا گیا ہے۔[1]

اس انجیل کو اگر کوئی شخص تعصب کے بغیر کھلی آنکھوں سے پڑھے اور نئے عہد نامے کی چاروں انجیلوں سے اس کا مقابلہ کرے تو یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہ اُن چاروں سے بدرجہا برتر ہے۔ اس میں حضرت عیسیٰ کی تعلیمات اُن چاروں انجیلوں کی بہ نسبت زیادہ واضح اور مفصل اور مؤثر طریقے سے بیان ہوئی ہیں۔ توحید کی تعلیم اور شرک کی تردید، صفات باری تعالیٰ، عبادت کی روح اور اخلاق فاضلہ کے مضامین اس میں بڑے ہی پُرزور اور مدلّل اور مفصل ہیں جن کو سبق آموز تمثیلات کے پیرایہ میں مسیح نے یہ مضامین بیان کئے ہیں، ان کا عشر عشیر بھی چاروں انجیلوں میں نہیں پایا جاتا ہے۔[2]

انجیل برنا باس میں محمدؐ کی تشریف آوری کی بشارت۔

انجیل برنا باس میں جو حضورؐ کی بشارتیں حضرت عیسیٰ سے روایت کی ہیں ان بشارتوں میں کہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضورؐ کا نام لیتے ہیں، کہیں "رسول اللہ" کہتے ہیں۔ کہیں "قابلِ تعریف" (Admirable) کہتے ہیں۔ اور کہیں صاف صاف ایسے فقرے استعمال کرتے ہیں جو بالکل "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کے ہم معنی ہیں۔

یہاں چند بشارتیں بطور نمونہ نقل کی جاتی ہیں:۔

" تمام انبیاء جن کو خدا نے دنیا میں بھیجا، جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی، انہوں نے ابہام کے ساتھ بات کی، مگر میرے بعد تمام انبیاء اور مقدس ہستیوں کا نور آئے گا جو انبیاء کی کہی ہوئی باتوں کے اندھیرے پہ روشنی ڈالے گا کیونکہ وہ خدا کا رسول ہے"۔ (باب ۱۲)

" بالیقین میں تم سے کہتا ہوں کہ ہر نبی جو آیا ہے

وہ صرف ایک قوم کے لئے خدا کی رحمت کا نشان بن کر پیدا ہوا ہے۔ اس وجہ سے ان انبیاء کی باتیں ان لوگوں کے سوا اور کہیں اور نہیں پھیلیں جن کی طرف وہ بھیجے گئے تھے، مگر خدا کا رسول آئے گا خدا گویا اس کو اپنے ہاتھ کی مہر دے دے گا یہاں تک کہ وہ دنیا کی تمام قومیں جو اسکی تعلیم پائینگی نجات اور رحمت پہنچا دے گا۔ وہ بے خدا لوگوں پر اقتدار لے کر آئے گا اور بت پرستی کا ایسا قلع قمع کرے گا کہ شیطان پریشان ہو جائے گا۔" اس کے آگے شاگردوں کے ساتھ ایک طویل مکالمہ میں حضرت عیسیٰ تصریح کرتے ہیں کہ وہ بنی اسمٰعیل میں سے ہوگا۔ (باب ۴۳)

سردار کاہن نے پوچھا کہ وہ مسیح کس نام سے پکارا جائے گا اور کیا نشانیاں اس کی آمد کو ظاہر کریں گے؟ یسوع نے جواب دیا اس مسیح کا نام "قابل تعریف" ہے۔ کیونکہ خدا نے جب اسکی روح پیدا کی تھی اس وقت اس کا یہ نام خود رکھا تھا اور وہاں سے ایک ملکوتی شان میں رکھا گیا تھا۔ خدا نے کہا "اے محمدؐ انتظار کر کیونکہ تیری ہی خاطر میں جنت، دنیا اور بہت سی مخلوق پیدا کرونگا۔"

پولوس (سینٹ پال) اور جدید عیسائیت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیرو آپ کو صرف نبی مانتے تھے۔ موسوی شریعت کا اتباع کرتے تھے عقائد اور احکام اور عبادات کے معاملہ میں اپنے آپ کو دوسرے بنی اسرائیل سے قطعاً الگ نہ سمجھتے تھے اور یہودیوں سے ان کا اختلاف صرف اس امر میں تھا کہ یہ حضرت عیسیٰ کو مسیح تسلیم کر کے ان پر ایمان لائے تھے اور وہ ان کو مسیح ماننے سے انکار کرتے تھے۔ بعد میں جب سینٹ پال اس جماعت میں داخل ہوا تو اس نے رومیوں، یونانیوں اور دوسرے غیر یہودی اور غیر اسرائیلی لوگوں میں بھی اس دین کی تبلیغ و اشاعت شروع کر دی اور اس غرض کے لئے ایک نیا دین بنا ڈالا جس کے عقائد اور اصول اور احکام اس دین سے بالکل مختلف تھے جسے حضرت عیسیٰ نے پیش کیا تھا۔ اس شخص نے حضرت عیسیٰ کی کوئی صحبت نہیں پائی تھی۔ بلکہ ان کے زمانے میں وہ ان کا سخت مخالف تھا۔ اور ان کے بعد بھی کئی سال تک ان کے پیرؤوں کا دشمن بنا رہا۔ پھر جب اس جماعت میں داخل ہو کر اس نے ایک نیا دین بنانا شروع کیا۔ اس وقت بھی اس نے حضرت عیسیٰ کے کسی قول کی سند نہیں پیش کی۔ بلکہ اپنے کشف و الہام کو بنیاد بنایا۔

اس نئے دین کی تشکیل میں اس کے پیش نظر بس یہ مقصد تھا کہ دین ایسا ہو جسے عام غیر یہودی دنیا قبول کر لے، اس نے اعلان کر دیا کہ ایک عیسائی شریعت یہود کی تمام پابندیوں سے آزاد ہے۔ اس نے کھانے پینے میں حرام و حلال کی ساری قیود ختم کر دیں۔ اس نے ختنہ کے حکم کو بھی منسوخ کر دیا جو غیر یہودی دنیا کو خاص طور پر ناگوار تھا۔ حتیٰ کہ اس نے مسیح کی الوہیت اور ان کے ابن خدا ہونے اور صلیب پر جان دے کر

اولادِ آدمؑ کے پیدائشی گناہ کا کفارہ بن جانے کا عقیدہ بھی تصنیف کر ڈالا کیونکہ عام مشرکین کے مزاج سے یہ بہت مناسبت رکھتا تھا۔ مسیح کے ابتدائی پیروؤں نے ان بدعات کی مزاحمت کی۔ مگر سینٹ پال نے جو دروازہ کھولا تھا اس سے غیر یہودی عیسائیوں کا ایک ایسا زبردست سیلاب اس مذہب میں داخل ہو گیا جس کے مقابلے میں وہ مٹھی بھر لوگ کسی طرح نہ ٹھیر سکے۔ تاہم تیسری صدی عیسوی کے اختتام تک بکثرت لوگ ایسے موجود تھے جو مسیح کی الوہیت کے عقیدے سے انکار کرتے تھے مگر چوتھی صدی کے آغاز (۳۲۵ء) میں نیقیہ (NICAEA) کی کونسل نے پولوسی عقائد کو قطعی طور پر مسیحیت کا مسلّم مذہب قرار دے دیا۔ پھر رومی سلطنت خود عیسائی ہو گئی اور قیصر تھیوڈوسیس کے زمانے میں یہی مذہب سلطنت کا سرکاری مذہب بن گیا۔ اس کے بعد قدرتی بات تھی کہ وہ تمام کتابیں جو اس عقیدے کے خلاف ہوں مردود قرار دے دی جائیں اور صرف وہی کتابیں معتبر ٹھہرائی جائیں جو اس عقیدے سے مطابقت رکھتی ہوں۔ ۳۶۷ء میں پہلی مرتبہ اتھاناسیوس (ATANASIUS) کے ایک خط کے ذریعہ معتبر و مسلّم کتابوں کے ایک مجموعہ کا اعلان کیا گیا، پھر اس کی توثیق ۳۸۲ء میں پوپ ڈمیسیس (DAMASIUS) کے زیر صدارت ایک مجلس نے کی اور پانچویں صدی کے آخر میں پوپ گلاسیس نے اس مجموعہ کو مسلّم قرار دینے کے ساتھ ساتھ اُن کتابوں کی ایک فہرست مرتب کر دی جو غیر مسلّم ہیں۔ حالانکہ جن پولوسی عقائد کو بنیاد بنا کر مذہبی کتابوں کے معتبر و غیر معتبر ہونے کا فیصلہ کیا گیا تھا اُن کے متعلق کبھی کوئی عیسائی عالم یہ دعوےٰ نہیں کر سکا ہے کہ ان میں سے کسی عقیدے کی تعلیم خود حضرت عیسٰی نے دی تھی بلکہ معتبر کتابوں کے مجموعہ میں جو انجیلیں شامل ہیں خود ان میں بھی حضرت عیسٰی کے اپنے کسی قول سے ان عقائد کا ثبوت نہیں ملتا۔

انجیل برنا باس ان غیر مسلّم کتابوں میں اس لئے شامل کی گئی کہ وہ مسیحیت کے اسی سرکاری عقیدے کے بالکل خلاف تھی۔

مندرجۂ بالا تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی ہو گی کہ اہلِ کتاب کی موجودہ کتبِ مقدسہ یعنی توراۃ و انجیل وغیرہ اپنی اصل شکل میں کہیں موجود نہیں اور کتبِ قدیمہ کے جو نسخے آج پیش کئے جاتے ہیں وہ مختلف زمانوں میں اپنے ماننے والوں کی تحریف و ترمیم اور تعبیر و تشریح کا شکار ہو چکے ہیں۔ ان کتبِ مقدسہ کی اصل تعلیمات بدل ڈالی گئی ہیں اور اب ان میں کلام الٰہی اپنی خالص اور غیر محرّف صورت میں موجود نہیں ہے۔

اب قرآن وہ واحد کتاب الٰہی ہے جو کسی ادنیٰ سی ترمیم و تحریف کے بغیر اپنی اصلی شکل میں آج بھی محفوظ ہے۔ اس میں نہ دشمنانِ اسلام کے ہاتھوں نے کوئی تحریف و تغیر کیا اور نہ علمائے اسلام نے اس میں کوئی حذف و اضافہ کیا۔ نہ جہلاء نے اس میں کوئی کمی بیشی کی۔ صدیاں گزرنے کے باوجود اس عظیم الشان کتاب کے

کوئی حرف یا اعراب کوئی تغیر نہ کرسکا۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی حفاظت کی ضمانت خدائے تعالیٰ نے لی اور اس کتاب کے نسخے اس کی اصل شکل میں ہر طبقہ میں جس طرح صحیفوں میں محفوظ رہتے ہیں اسی طرح ہزاروں حفاظِ قرآن کے سینوں میں بھی محفوظ رہتے ہیں۔ آج تمام عالم اسلام میں لاکھ سے زیادہ حفاظ قرآن پائے جاتے ہیں۔ مگر تمام عالم عیسائیت و یہودیت میں عہد عتیق یا عہد جدید کی کتابوں کے حفاظ کی تعداد دس تک بھی نہیں پہنچ سکتی۔

مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی لکھتے ہیں :-

ایک مرتبہ ایک انگریز حاکم شہر سہارنپور کے بچوں کے ایک مکتب میں پہنچا اور بچوں کو تعلیم قرآن اور اس کے حفظ کرنے میں مشغول دیکھا۔ حاکم نے استاد سے سوال کیا کہ یہ کونسی کتاب ہے؟ اس نے بتایا قرآن مجید ہے۔ پھر حاکم نے سوال کیا کیا ان میں سے کسی نے پورا قرآن حفظ کیا ہے؟ استاد نے کہا ہاں! اور چند لڑکوں کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے جب قرآن سنا تو بڑا تعجب ہوا اور کہنے لگا ان میں سے ایک لڑکے کو بلاؤ اور قرآن میرے ہاتھ میں دیدو میں امتحان لوں گا۔ استاد نے کہا آپ خود جس کو چاہیں طلب کیجئے۔ چنانچہ اس نے خود ایک لڑکے کو بلایا، جس کی عمر ۱۳ یا ۱۴ سال کی تھی اور چند مقامات میں اس کا امتحان لیا۔ جب اُسے کامل یقین ہوگیا کہ یہ پورا قرآن کا حافظ ہے تو متعجب اور حیران ہوا اور کہنے لگا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ جس طرح قرآن کے لئے تواتر ثابت ہے کسی بھی کتاب کو ایسا تواتر میسّر نہیں ہے۔ محض ایک بچے کے سینہ سے پورے قرآن کا صحیح الفاظ اور ضبطِ اعراب کے ساتھ لکھا جانا ممکن ہے۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ
اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔

بے شک ہم نے ہی قرآن اُتارا ہے اور
ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون

از: مولانا محمد حسین صاحب
تیم تالے
استاذ دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

بسلسلۂ اشاعت بابت شعبان ۱۴۰۱ ہجری

— ۳ —

توبہ تمام اشخاص پر اور تمام احوال میں واجب ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں

نصوص کتاب سے یہ حقیقت واضح ہے کہ قولہ تعالیٰ توبوا الی اللہ جمیعا ایھا المؤمنون لعلکم تفلحون میں خطاب تمام مؤمنین سے ہے۔ نور بصیرت بھی اسی حقیقت کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ توبہ کے معنی ہی اللہ سے دور کرنے اور شیطان سے قریب کرنے والے طریق سے رجوع کرنا پلٹ آنا ہیں اور یہ امر صرف عاقل سے ممکن ہے۔

غضب اور شہوت اور دیگر تمام مذموم قویٰ جو انسان کے اغواء اور گمراہ کرنے کے شیطانی وسائل ہیں، ان کے کمال کے بعد ہی قوائے عقلیہ کامل ہونے لگتے ہیں۔ چنانچہ انسانی عقل چالیس سال کی عمر میں اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اگرچہ اس کی اصل اور اساس بلوغ کے وقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے آثار و مبادی ساتویں سال جس کو سن تمیز کہتے ہیں ظاہر ہونے لگتے ہیں۔"

شہوتیں شیطانی لشکر ہیں اور عقول ملائکہ کے لشکر ہیں جب یہ دونوں ایک جا جمع ہونے لگتے ہیں تو ان میں لازمی طور پر جدال و مخاصمہ ہوتا ہے کیونکہ ایک دوسرے کے ضد ہیں ان کا باہمی مقابلہ نور و ظلمت اور رات اور دن کے مقابلہ کے مانند ہے۔ جب ان میں سے کوئی ایک غالب ہوتا ہے تو دوسرا مضمحل ہو کر ہٹ جاتا ہے۔ عقل سے پہلے شہوتیں نوجوانی اور جوانی میں درجۂ کمال کو پہنچ جاتی ہیں تو شیطانی لشکر سبقت کرتا اور میدان کو خالی پاکر قبضہ کر لیتا ہے اور لامحالہ قلب انسانی مقتضیاتِ شہوات سے مانوس اور خوگر ہو جاتا ہے۔ شہوتیں غالب ہو جاتی ہیں تو ان کے تسلط سے بچنا مشکل ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی قوائے عقلیہ بتدریج نمودار ہونے لگتی ہیں۔ یہ قوائے عقلیہ حزب اللہ جنود ملائکہ اور دوستانِ خدا کو اپنے دشمنوں سے رہائی دلانے والی قوت ہے۔ اگر قوائے عقلیہ کامل نہ ہوں اور قوائے شہوانیہ پر غلبہ نہ پا سکیں تو شیطان کا قلب انسانی پر تسلط ہو جاتا ہے اور وہ اپنے اس دعوی میں کامیاب ہو جاتا ہے لاحتنکن ذریتہ الا قلیلا میں بالضرور بجز چند کے تمام ذریت آدم پر مستولی ہو جاؤں گا۔

اگر عقل کامل اور قوی ہو تو اس کا پہلا اقدام یہ ہوتا ہے کہ شہوتوں کے زور کو توڑے۔ قوائے غضبیہ کو اپنے قابو میں لائے۔ بری عادتوں سے باز رکھے، طبیعت انسانی کو طاعت و عبادت پر مجبور کرے۔ اس راہ سے اسکو پلٹا دے

جس میں راہنما شہوت اور جس کا پاسباں شیطان ہے۔ اس راہ پر چلائے جو اللہ کی رضا اور خوشنودی کی راہ ہے۔

دنیا میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا موجود نہیں جس کی شہوت وغضب کے مظاہر قوای عقلیہ سے پہلے نمودار ہوتے ہوں پس ہر آدمی پر چاہے وہ کوئی ہو لازم ہے کہ ان قوای شہوانیہ اور غضبیہ کے تسلط سے اپنے تئیں آزاد کرے، جو میدان خالی پاکر اس کے نفس میں متمکن ہو گئے تھے، اپنے عزم وارادے کی قوت سے قوای عقلیہ کو اپنی مخالف قوتوں پر غالب کرے۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ توبہ کی یہ ضرورت آدم علیہ السلام کے ساتھ مخصوص تھی بلکہ جنس انسان کے ہر فرد پر اس حکم کی پابندی ضروری ہے۔ پس جو شخص اپنے بلوغ کے وقت کافر وجاہل ہے اس پر اپنے کفر اور جہل سے توبہ کرنا واجب ہے۔ اگر وہ اپنے بلوغ کے وقت صرف اس وجہ سے مسلمان تھا کہ اس کے ماں باپ مسلمان تھے اور وہ اسلام کی حقیقت اور معنی سے غافل ہے تو اس پر واجب ہے کہ اسلام کی حقیقت اور معنی سمجھے اور اپنی غفلت سے توبہ کرے، کیونکہ اس کے ماں باپ کا مسلمان ہونا اس کو اس بات سے بے نیاز نہیں کر سکتا کہ وہ خود اپنی ذات سے مسلمان بنے۔ اگر وہ اسلام کی حقیقت اور معنی سمجھ لے تو اس پر یہ امر لازم ہو جاتا ہے کہ اپنی عادتوں سے رجوع کرے جو اس میں شہوات کی اندھی پیروی کے باعث پیدا ہو گئی ہیں ان شہوتوں کی مطلق العنانی کو پابند کرنے میں حدود اللہ کیطرف رجوع کرے، اور توبہ کی اس منزل میں شہوتوں کو حدود اللہ کا پابند کرنا بہت زیادہ مشکل امر ہے۔ جو ایسا نہ کر سکے وہ ہلاک ہو گئے۔ غرض نجات اور سلامتی کے ہر طالب شخص پر توبہ فرض عین ہے اور یہ فرض صرف اسی سے ساقط ہو گا جو عقل سے عاری ہو یا مجنوں ہو۔ اور یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ذی عقل بشر اس سے مستثنیٰ ہے۔ آدم علیہ السلام توبہ سے مستغنی نہ تھے تو ان کی اولاد کب اس سے بے نیاز ہو گی۔

تمام احوال میں اور علی وجہ الدوام توبہ واجب ہے

کوئی بشر ایسا پایا نہیں جاتا جس نے اپنے اعضاء سے معصیت کا ارتکاب نہ کیا ہو۔ اگر کسی نے اپنے اعضاء سے ارتکاب معصیت نہ کیا ہو یا اس کا موقعہ نہ ملا ہو تو اپنے دل میں ارتکاب معصیت کا ارادہ کرتا ہو گا۔ اگر ایسا بھی ہو کہ اس نے اپنے دل میں ارتکاب معصیت کا ارادہ نہ کیا ہو تو شیطانی وسوسوں سے محفوظ رہنا مشکل ہے شیطانی وسوسے ذکر الٰہی سے روکنے والے خطرات کا باعث ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول اور جتنے نبی بھیجے سب کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ انہوں نے اصلاح وہدایت کی راہ طلب میں جب کبھی کوئی تمنا اور آرزو کی تو شیطان نے ان کی آرزو میں کوئی نہ کوئی فتنہ کی بات ڈال دی اور پھر اللہ نے اس کی وسوسہ اندازیوں کا اثر مٹایا اور اپنی نشانیوں اور آیتوں کو اور زیادہ مضبوط کر دیا۔ وما ارسلنا

من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنّیٰ القی الشیطان فی امنیته فینسخ الله ما یلقی الشیطان ثم یحکم الله آیاته والله علیم حکیم ﴿۲۲:۵۲﴾

جب شیطانی وسوسہ اندازیوں کی ہمت انبیاء و رسل میں بھی جنہیں اللہ نے ان کے اثرات سے محفوظ رکھا ہے فتنہ پیدا کرنا چاہتی ہے تو غیر انبیاء و رسل انسان کب یہ توقع کر سکتا ہے یا اس کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ ہر وقت ہمیشہ شیطانی وسوسوں سے محفوظ اور معصوم ہے جب تک انسان اور وہ بھی محض انسان موجود ہے شیطان کی وسوسہ اندازیاں بھی موجود ہیں لیکن وحی اور نبوت کی ربانی قوتیں ان کے اثرات کو ہمیشہ مٹا دیتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انه لیغان علی قلبی حتی استغفر الله فی الیوم واللیلة سبعین مرة میرے دل پر ایک ابر سا چھا جاتا ہے تو میں اللہ سے رات اور دن میں ستر مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اکرام اور شرف و فضیلت کا یہ حال بیان کیا لیغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر ویتم نعمته علیك ویهدیك صراطا مستقیما ﴿۴۸:۲﴾ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دے اپنی تمام نعمتیں آپ کو عطا کرے اور آپ سیدھی راہ پر پہنچائے۔ آپ سے کوئی ذنب و گناہ دانستہ یا نادانستہ نہیں صادر ہوتا۔ آپ جو دن میں ستر مرتبہ اور جیسا بعض روایتوں میں آیا ہے سو بار استغفار کرتے تھے تو اس سے مقصود کسی واقعی گناہ یا ذنب کا تدارک نہیں بلکہ امت کی تعلیم ہے اور صحابہ سے آپ کا یہ فرمانا أفلا أكون عبدا شكورا بھی اسی تعلیم و تحریص و ترغیب کی غرض سے تھا۔

اس میں شبہ نہیں کہ دل میں جو وساوس و خطرات پیدا ہوتے ہیں وہ نقص و عیب ہیں کیونکہ ان سے خالی ہونا اور ان پر قابو پانا ہی کمال ہے۔ معرفتِ باری تعالےٰ میں قصور بھی نقص ہے۔ جس قدر معرفت زیادہ ہوگی کمال بھی زیادہ ہوگا۔ اسباب نقص سے کمال کیطرف منتقل ہونا ہی توبہ ہے۔

ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ اکتساب کمال فضائل میں سے ہے اور کمال کا حاصل کرنا شریعت میں واجب نہیں۔ پھر یہ کہنا کہ توبہ کرنا ہر حال میں واجب ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ یہ امر واقعی ہے کہ کوئی بشر اتباع شہوات سے خالی نہیں۔ اور شہوت کی پیروی سے دل پر ایک تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ لگاتار شہوتوں کی پیروی سے یہ تاریکی گہری ہونے لگتی ہے۔ جب تاریکی بہت گہری ہو جائے تو اس کو قرآن کی اصطلاح میں رین اور پھر رین حد سے گزر جائے تو طبع (مہر لگا دیا جانا) کہتے ہیں۔ اور یہ بھی امر واقعی ہے کہ طاعت اور عبادت سے دل میں نور پیدا ہونے لگتا ہے اور پیہم طاعات اور عبادات سے نورانی اثر گہرا ہوتا جاتا ہے۔ جس قدر نور زیادہ ہوگا تاریکی دور ہوتی جائے گی "اتبع السیئة الحسنة تمحها" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ برائی کے بعد

برائی کے اثر کو دور کرنے کے لئے نیکی کرو۔ پس کوئی بندہ کسی حال میں اس بات سے بے نیاز نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے دل سے برائیوں کے آثار کو نیک اعمال کے ذریعہ مٹاتا رہے اور یہ کارروائی مسلسل ہوتی رہے۔

قائل کا یہ کہنا کہ اسبابِ نقص سے کمال کیطرف رجوع کرنا فضیلت ہے اور طلبِ فضیلت شریعت میں واجب نہیں تو یہ جاننا چاہئے کہ واجب سے دو معنی مراد لئے جاتے ہیں، ایک معنیٰ مراد تو وہی ہیں جس کا شریعت میں تمام خلق پر اطلاق ہوتا ہے کہ اگر تمام لوگ اس کے ادا کرنے میں مشغول ہوں، تو عالم میں خرابی نہ ہوگی اور جس قدر اس میں قصور ہوگا اسی قدر عالم میں خرابی ہوگی اور دوسرے معنیٰ مراد اکتساب فضیلت اور طلبِ کمال کے ضروری وسائل و ذرائع کا التزام ہے۔ اگر تمام افرادِ انسانی پر تقویٰ کا پورا پورا حق ادا کرنا واجب کر دیا جائے تو بہت ممکن ہے کہ وہ ترکِ دنیا کریں۔ طلبِ معاش کے لئے کوشش سے باز آجائیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرے سے تقویٰ ہی باقی نہیں رہیگا۔ کیونکہ روزگار میں فساد ہو جائے تو تقویٰ کا کون درپے ہوگا۔ اسی اعتبار سے شریعت میں حصولِ درجات اور اکتساب کمال واجب نہیں۔

واجب کے دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے رب العالمین سے تقرب اور صدیقین کے مقام بلند تک پہنچنے کے تمام لازمی وسائل اور ذرائع مقصود ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے ان تمام خطرات اور وساوس اور نقائص سے توبہ کرنا واجب ہے۔

صلوٰۃ نفل میں بھی طہارت واجب ہے یعنی اس شخص کے لئے جو نفل نماز ادا کرنا چاہے۔ جو نماز نفل کی فضیلت سے محروم رہنا چاہے اس کے لئے طہارت واجب نہیں۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ نماز کے لئے طہارت واجب نہیں۔ انسان کے زندہ رہنے کے لئے آنکھ کان اور ہاتھ پاؤں ضروری نہیں۔ لیکن جو کامل انسان ہونا چاہے اور اپنی انسانیت سے استفادہ کرنا چاہے اور دنیا میں بلند درجے حاصل کرنا چاہے تو اس کے لئے یہ اعضا اور ان اعضاء سے استفادہ ضروری ہے۔

عامۃ الناس کے لئے فتوے میں جو واجبات داخل ہیں ان سے صرف اصل نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ اصل نجات اصل حیات کی طرح ہے۔ اصل نجات کے ماوراء آخرت میں حصول درجات کے لئے سعادتیں اور فضائل اسی طرح ضروری ہیں جیسے اس دنیوی زندگی میں کامیابی کے لئے آنکھ کان ہاتھ پاؤں کی ضرورت ہے۔ اولیاء اور علماء اور صلحاء ان سعادتوں کے درپے ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعہ تقربِ الٰہی کا حصول آسان ہو۔ ان کی ساری کوششیں اور کاوشیں ان سعادتوں اور فضائل کے شوق اور طلب کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ اسی کے لئے وہ دنیا کی فانی لذتوں اور عارضی نعمتوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر سر رکھ کر سوئے تو شیطان نے ان سے

کہا: کیا تم نے آخرت کے لئے دنیا کو ترک نہیں کر دیا تھا پھر پتھر کا یہ تکیہ کیسا؟ زمین پر ہی اپنا سر کیوں نہ رکھو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر کو پھینک دیا۔ زمین پر سر رکھ کر سو گئے۔ اس میں اگر دنیا کی فضول حاجتوں سے اپنی بے نیازی اور آزادی کا اظہار اور اثبات کیا اور دنیا کے غیر ضروری تنعم سے توبہ کیا۔ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معلوم نہ تھا کہ بغیر پتھر پہ تکیہ کئے زمین پر سر رکھ کر سونا عامۃ الناس کے فتوی میں واجب نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں اس کپڑے کو دُور کر دیا تھا جس پہ نقوش بنے ہوئے تھے، اپنے نعلین میں نئے تسمے کو بدل کر پرانے تسمے لگائے کہ یہ یکسوئی میں حارج تھے۔ کیا آپ کو یہ معلوم نہ تھا کہ منقش کپڑوں کو دُور کر دینا اور پھر سے پرانے تسموں کو اپنے نعلین میں لگا لینا اس شریعت میں جو آپ نے عامۃ الخلق کے لئے پیش کی واجب نہیں ہے؟ جب وہ یہ بات جانتے تھے تو پھر ان کو ترک کر کے توبہ کیوں کی؟ کیا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ آپ کے دل پہ کچھ ایسا اثر ہو رہا تھا کہ وہ مقام محمود کے حصول میں رکاوٹ کا باعث ہو سکتا تھا۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے دودھ پینے کے بعد یہ جان کر کہ وہ مشکوک طریقہ پہ حاصل ہوا تھا تو حلق میں انگلیاں ڈال کر تمام دودھ کو خارج کرنا چاہا جس کے ساتھ یہ اندیشہ بھی تھا کہ دُودھ کے ساتھ کہیں روح بھی نہ نکل آئے۔ کیا وہ فقہ کے اس مسئلہ سے ناواقف تھے کہ نہ جان کر کوئی ایسی چیز کھائی گئی تو تو گناہ نہیں؟ اور عامۂ خلق کے فتوی میں اس دُودھ کا خارج کرنا واجب نہیں ہے تو پھر آپ نے توبہ کرنے والوں کی راہ سے حتی الامکان اس کو معدہ سے خارج کرنا چاہا؟ کیا اس میں کوئی راز نہ تھا جو ان کے دل میں راسخ تھا؟ کیا یہ بات نہ تھی کہ عوام کا فتوی ایک چیز ہے اور آخرت کی راہ کے خطرات دوسری چیز ہیں جن کا علم صدیقوں کو حاصل ہوتا ہے۔

ان لوگوں کے ان احوال پہ ہمیں غور و تامل کرنا چاہیئے جو مخلوق خدا میں سب سے زیادہ اللہ کی اور سنتِ الٰہیہ کی معرفت رکھتے ہیں اور فریب نفس و غرور کی کمین گاہوں سے سب سے زیادہ واقف ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ توبۂ نصوح طریق خدا کے ہر سالک کے لئے ہر آن اور ہر وقت لازم اور واجب ہے اور بلا تاخیر و مہلت علی الفور واجب ہے۔

ابو سلیمان دارانی نے سچ کہا کہ عقلمند آدمی اپنی تمام بقیہ زندگی اپنی عمر گذشتہ کے ضائع اور رائیگاں جانے کے ماتم میں روئے اور مرتے دم تک حزن و الم میں رہے۔ اس شخص کے متعلق کیا کہا جائے جو اپنی بقیہ زندگی جہل و نادانی، عصیان و نادانی میں گزارے۔

اگر کسی عاقل کے پاس کوئی جوہر نفیس ہو اور اس سے کوئی فائدہ حاصل ہونے سے پہلے ہی ضائع ہو جائے تو وہ ضرور افسوس اور ماتم کرے گا۔ اگر اس کے ضائع ہو جانے کی وجہ سے اگر وہ مصیبت اور ہلاکت میں

پڑے تو اس کا ماتم شدید ہوگا۔ زندگی کی ہر ساعت بلکہ ہر سانس ایک ایسا جوہر نفیس ہے جس کا کوئی بدل ممکن نہیں۔ اس لئے کہ وہ انسان کو ابدی شقاوت سے بچا سکتا، اور ابدی سعادت سے فائز المرام کرسکتا ہے۔ اگر ایسا جوہر نفیس ضائع ہو جائے تو یقیناً خسران مبین ہے۔ اگر اس کو معصیت میں صرف کرے تو وہ کھلی ہوئی ہلاکت و بربادی ہے۔ اگر انسان اس مصیبت پر نہیں روتا ہے تو وہ اسکی نادانی و جہل ہے۔ جہل و نادانی کے باعث جو مصیبت آتی ہے وہ سب مصیبتوں سے بڑی مصیبت ہے۔ اگر وہ مصیبت کے سبب کو جانتا ہے اور پھر اس سبب کے دُور کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو اس سے بڑی کوئی مصیبت نہیں۔

ان کنت لا تدری فتلك مصيبة

وان كنت تدری فالمصيبة أعظم

نادانی اور جہل خود ایک مصیبت ہے کیونکہ مصیبت زدہ خود نہیں جانتا کہ وہ مصیبت زدہ ہے۔ غفلت کی نیند اس کو اس معرفت سے دُور رکھتی ہے الناس نيام فاذا ماتوا انتبهوا لوگ سوئے ہوئے ہیں جب مریں گے، تو بیدار ہوں گے۔ اس وقت ہر مفلس اپنے افلاس سے ہر مریض اپنے مرض سے اور ہر مصیبت زدہ اپنی مصیبت سے آگاہ ہوگا لیکن اس وقت کوئی تدارک ممکن نہ ہوگا۔

بعض بزرگوں سے منقول ہے کہ موت کا فرشتہ جب بندے کے پاس آئے گا اور خبر دے گا کہ تیری عمر کی صرف ایک ساعت باقی ہے اور تیرے لئے پلک جھپکنے کی مقدار بھی تاخیر نہ ہو گی تو اس وقت بندہ کو افسوس اور حسرت لاحق ہو گی کہ اگر ساری دنیا کی دولت اس کے لئے ہوتی اور وہ اپنی زندگی میں ایک ساعت کا اضافہ کرسکتا تو وہ اپنی کوتاہیوں اور زیادتیوں کی تلافی کر سکتا لیکن اس کی کوئی راہ نہ ہو گی۔

وحيل بينهم وبين ما يشتهون (۳۴:۵۴)

کا ظہور ہوگا۔ (ان کے اوران کی آرزوؤں اور خواہشوں کے درمیان رکاوٹ آڑ آجائے گی۔)

قال تعالیٰ: وانفقوا مما رزقنكم من قبل أن يأتي أحدكم الموت فيقول رب لولا اخرتني الى اجل قريب فأصدق وأكن من الصلحين○ ولن يؤخر الله نفسا اذا جاء اجلها والله خبير بما تعملون○ (۱۱-۱۰:۶۳)

ہم نے تم کو جو رزق دیا ہے اس میں سے خرچ کرو قبل اس کے کہ تم میں سے کسی کو موت آوے اور وہ کہے کہ ای میرے پروردگار تو نے اجل قریب تک کی مجھے کیوں نہ مہلت دی تاکہ میں صدقہ وخیرات کروں اور نیکو کاروں میں سے ہو جاؤں۔ جب کسی جان کی گھڑی آجاتی ہے تو اس جان کو اللہ مہلت نہیں دیتا اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

جس اجل قریب کی تمنا کی گئی اس کے معنی یہ ہیں کہ بندہ سے پردے ہٹا دئے جائیں گے تو وہ کہیگا ای ملک الموت مجھے ایک دن کی مہلت دے تاکہ میں

اپنے رب سے معذرت کرلوں توبہ کروں اور نیکیوں کا توشہ تیار کرلوں تو ملک الموت کہے گا تمام دن ہو چکے، کوئی دن باقی نہیں۔ تو بندہ کہیگا کہ ایک ساعت کی مہلت دے فرشتہ کہے گا تمام ساعات ہو چکے کوئی ساعت باقی نہیں۔ پھر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ رُوح پر نزع کی حالت طاری ہوگی اور عمر کے رائگاں جانے کی حسرت اور تدارک وتلافی مافات سے مایوسی ہوگی تو اصل ایمان بھی اسوقت کی ہولناکیوں میں مضطر و بیقرار ہوگا۔ اگر اللہ کی طرف سے اس کے لئے اچھائی مقدر ہو چکی ہو تو توحید پر اس کی جان نکلیگی اور اس کا خاتمہ بالخیر ہوگا۔ اگر نعوذ باللہ اس کے لئے شقاوت وبدبختی مقدر ہو چکی ہے تو اس کی روح شک و ریب میں مبتلا نکلیگی اور اسی کو سوء خاتمہ کہتے ہیں اور ایسوں ہی کے لئے وارد ہے لیست التوبة للذین یعملون السیئات حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الآن ولا الذین یموتون وهم کفار اولئك اعتدنا لهم عذابا الیما (۴: ۱۸)۔

لیکن ان لوگوں کی توبہ توبہ نہیں۔ جو ساری عمر تو برائیاں کرتے رہے لیکن ان میں سے جب کسی کے آگے موت آ کھڑی ہوئی تو کہنے لگا اب میں توبہ کرتا ہوں (ظاہر ہے کہ ایسی توبہ سچی توبہ نہ ہوگی) اسی لئے ان لوگوں کی توبہ بھی توبہ نہیں جو دنیا سے کفر کی حالت میں جاتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا 'یہ بات یاد رہے کہ اللہ کے حضور توبہ کی قبولیت ان ہی لوگوں کے لئے ہے جو برائی کی کوئی بات نادانی وبے خبری میں کر بیٹھتے ہیں تو پھر فوراً توبہ کر لیتے ہیں تو بلاشبہ ایسے ہی لوگ ہیں، کہ اللہ بھی اپنی رحمت سے ان پر لوٹ آتا ہے۔ انما التوبة الذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب فاولئك یتوب الله علیهم (۴:۱۷)

ارتکاب معصیت کے زمانہ کے قریب یا متصل توبہ کرے معصیت پر نادم ہو۔ نیکیاں کرکے معصیت کے اثرات کو دُور کرے قبل اس بات کے کہ معصیت کا زنگ دل پہ گہرا ہو جائے جس کے بعد گناہ کے اثرات کا مٹنا یا محو ہونا ممکن نہیں۔ اسی لئے رسول کریم علیہ الصلوات والتسلیمات نے فرمایا: اتبع السیئة الحسنة تمحها اور اسی لئے لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ توبہ کرنے میں تاخیر نہ کرے، کیونکہ موت اچانک آتی ہے اور موت کے وقت کا علم کسی کو نہیں۔

توبہ کے باب میں تسویف یعنی آج کا کام کل پر ڈالنا دو عظیم برائیوں کا سبب ہوتا ہے، پہلی برائی تو یہ ہے کہ دل پر معصیت اور گناہ کی تاریکیوں کی تہیں جم جاتی ہیں جس کے بعد ان کا مٹنا دشوار ہوتا ہے۔ دوسری برائی یہ ہے کہ وہ مرض میں مبتلا ہو جائے یا اسے موت آ جائے اور وہ اتنی مہلت پا نہ سکے کہ گناہوں کے اثرات کو مٹانے والے اعمال میں مشغول ہو سکے۔ بہت سارے جو ہلاک ہوئے وہ اسی تسویف توبہ میں تاخیر کی وجہ سے ہلاک ہوئے دل کی سیاہی نقد موجود ہے اور طاعت کے ذریعہ دل کی جلا

اور روشنی بطور قرض ذمہ میں موجود ہے یہاں تک کہ موت اچانک آجائے، وہ اللہ کے حضور میں پیش ہو تو اپنے دل کی تاریکیوں کو ساتھ لئے ہوگا۔ وہی نجات پاتا ہے جو اللہ کے حضور قلب سلیم لاتا ہے۔ بندہ کے پاس قلب اللہ کی ایک امانت ہے۔ اسکی عمر بھی ایک امانت ہے تمام اسباب و وسائل طاعت بھی امانت ہیں۔ جس نے امانت میں خیانت کی اور اس خیانت کی تلافی نہیں کی تو اس کی حالت خطرناک ہے۔

بعض عارفوں سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بطریق الہام دو باتوں کا امین بناتا ہے۔ ایک یہ کہ جب وہ اپنی ماں کے پیٹ سے نکلتا ہے تو کہتا ہے، ای میرے بندے میں نے تجھ کو دنیا میں پاک و طاہر پیدا کیا ہے اور تیری عمر تیرے پاس امانت رکھی ہے۔ بس اس کا خیال رکھنا کہ تو کس طرح اس امانت کی حفاظت کرتا ہے۔ اور تو کس حال میں مجھ سے ملیگا اور دوسری بات یہ کہ بندے کی روح نکلتے وقت کہیگا ای میرے بندے تو نے اس میری امانت کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کیا تو نے اس کی حفاظت کی؟ اگر تو نے اپنی ذمہ داری ادا کی، اگر تو اپنے عہد پہ قائم رہ کر مجھ سے ملے تو میں تجھ سے وفا کے ساتھ ملونگا، اگر تو نے میری امانت کو رائگاں کیا تو اس پہ حساب و عقاب کروں گا۔ اس قول باری تعالیٰ میں اسی کا اشارہ کیا گیا ہے واوفوا بعهدی اوف بعهدکم وایای فارھبون (۲:۴۰) اپنا عہد پورا کرو میں بھی اپنا عہد پورا کروں گا بس (دوسروں سے نہیں) صرف مجھی سے ڈرو۔

[آئندہ اشاعت میں یہ واضح کیا جائے گا کہ ہر سچی توبہ مقبول ہوتی ہے۔ اس سے گناہوں کا کفارہ اور درجات کی بلندی حاصل ہوتی ہے۔]



ہندوستان میں مشائخ کرام اور صوفیائے عظام کی علمی دینی اور اصلاحی خدمات ہرگز فراموش نہیں کی جاسکتیں، جنہوں نے جہالت و تاریکی کے دور میں لاکھوں افراد کو اوہام پرستی، گمراہی و ضلالت اور کفر و شرک و بدعات و خرافات کے مہلک اور تباہ کن بھنور سے نکالا اور انسانیت کی تعمیر و تشکیل اور افراد سازی کا عظیم الشان کام انجام دیا۔ مصلحین اور داعیین کی فہرست میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا اسم گرامی بھی روشن ہے جن کی ذات سے ہندوستان میں علم حدیث کو فروغ حاصل ہوا اور نصف صدی تک دہلی میں آپ کی خانقاہ علم و فضل اور رشد و ہدایت کا مرکز بنی رہی جہاں سے ہزاروں تشنگان علم نے اپنی اپنی پیاس بجھائی۔ یہ وہ زمانہ تھا ہر طرف گمراہی و ضلالت کا بسیرا تھا۔ کتاب و سنت سے بے اعتنائی بڑھ رہی تھی۔ علماء کے دامن ہوا و حرص سے آلودہ ہوچکے ہیں۔ متصوفین دنیا پرستی میں غرق تھے۔ الحاد و زندقہ حکمت و اجتہاد کے عنوان سے پھیلایا جارہا تھا۔ ایسے تاریک دور میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ملت اسلامیہ ہندیہ کی اصلاح و رہنمائی اور دعوت الی السنہ کا بیڑا اٹھایا۔ آپ ہی کی وجہ سے ہندوستان میں اسلامی علوم کی تجدید ہوئی اور خصوصیت کے ساتھ حدیث کی مستند کتابوں کو فارسی میں منتقل فرماکر ہندوستانی مسلمانوں پر جو احسان کیا ہے، وہ ناقابل فراموش ہے۔

خاندان حضرت شیخ محدث کا خاندان ہندوستان میں علمی و دینی اور اصلاحی خدمات کے لحاظ سے مشہور و معروف ہے۔ آپ کے آباء و اجداد میں سب سے پہلے بزرگ حضرت آغا محمد ترک جو بخارا کے رہنے والے تھے تیرہویں صدی عیسوی میں ترکوں کی ایک جماعت کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور یہیں بود و باش اختیار کرلی۔

شیخ محدث کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت مولانا سیف الدین دہلوی ہے جو صاحب علم و فضل و زاہد مرتاض بزرگ تھے۔ شیخ محدث کی والدہ ماجدہ بھی ایک خدا رسیدہ خاتون تھیں جو مولانا زین العابدین المعروف شیخ ادھن دہلوی کی صاحبزادی تھیں۔

ولادت اور تعلیم و تربیت

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر

تا ازیں گنبد دیرینہ دُرے پیدا شد

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ماہ محرم الحرام ۹۵۸ھ مطابق ۱۵۵۱ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ابتدائی تعلیم وتربیت میں آپ کے والد ماجد کا خاص حصہ ہے جنہوں نے ایام طفلی ہی سے اپنے اس ہونہار فرزند کی جانب خاص توجہ فرمائی۔

اخبار الاخیار میں شیخ محدث لکھتے ہیں۔ رات دن میں ان کی آغوش عاطفت میں تربیت حاصل کرتا تھا سب سے پہلے والد نے قرآن کریم شروع کرایا۔ چنانچہ میں نے صرف تین ماہ کی مدت میں کتابت وانشا کا سلیقہ پیدا کرلیا۔ در اندک مدت شاید اگر مقدار اک ماہ یقیں کنم دروغ نہ گفتہ باشم کتابت وسلیقۂ انشاء پیدا شد۔

قرآن کریم ناظرہ ختم کرلینے کے بعد ایک ماہ کے اندر پورا کلام پاک حفظ کرلیا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت شیخ محدث اپنی علمی قابلیت وصلاحیت کا اصلی سبب اپنے والد ماجد کو قرار دیتے ہیں کہ یہ سب ان ہی کی توجہ اور اثر کا کرشمہ ہے۔ "ہرچہ است اثر توجہ وعنایت ایشان است"۔

آپ کے والد ماجد نے تعلیم وتربیت کے باب میں مروجہ نصاب اور طریقۂ تعلیم کی پابندی نہیں کی بلکہ حسب ضرورت اور اہمیت کے پیش نظر آپ کو مناسب کتابیں پڑھا دیں۔

اس زمانہ میں نظم کی کتابیں نصاب میں شامل تھیں، اور ان کا پڑھنا ابتدائی تعلیم کا لازمی جزو تصور کیا جاتا تھا۔ لیکن حضرت محدث نے بوستاں، دیوان حافظ کے چند اجزاء کے علاوہ نظم میں کوئی کتاب نہیں پڑھائی۔ اور "میزان" "مصباح" اور "کافیہ" کی تعلیم دی۔ دوران تدریس فرمایا کرتے تھے خدا نے چاہا تو تم جلد عاقل ودانشمند ہو جاؤ گے ۔ انشاء اللہ تو زود دانشمند شوی۔

حضرت محدث بچپن ہی سے ذہین اور فطین واقع ہوئے تھے۔ چند سالوں کے اندر اپنے والد ماجد کے علاوہ دیگر اساتذۂ روزگار سے مختلف علوم وفنون کے اندر مہارت تامہ پیدا کرلی۔ بارہ سال کی عمر میں "شمسیہ" اور شرح عقاید کو مکمل پڑھ لیا

پندرہ سال کی عمر میں مختصر اور مطوّل سے فارغ ہوگئے اور اٹھارہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہ گیا جس کی سیر نہ کی۔ آپ نے جس محنت ومشقت کے ساتھ علم حاصل کیا جس کی مثال اس زمانہ میں ملنی مشکل ہے۔ آپ کے اساتذۂ کرام نے ان لفظوں میں تعریف ومدح کی کہ ہم آپ سے مستفید ہیں، ہمارا آپ پر کوئی احسان نہیں۔ "ما از تو مستفیدیم مارا بر تو منتے نیست"

حضرت محدث نے پاکئ عقل وخرد کے ساتھ ساتھ عفت قلب ونگاہ کا بھی پورا پورا خیال رکھا۔ چنانچہ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں، علمی مشغولیت کے باوجود زمانۂ طفلی میں کثرت صلوٰۃ اور اوراد وروا تب اور شب خیزی ومناجات کا سلسلہ بھی

جاری رہتا تھا۔

حضرت محدث علماء ربانیین اور مشائخ کاملین کی صحبت میں بیٹھتے اور ان سے تفیض ہوتے تھے، اور آپ اکتساب فیض کے جذبات کے سبب بزرگوں کے لطف و کرم اور توجہ و عنایت کا مرکز بن جاتے تھے۔ آپ کے والد نے تاکید فرمائی تھی ملائے خشک نہ ہونا اسی نصیحت کا اثر تھا کہ حضرت محدث کے ایک ہاتھ میں جام شریعت اور دوسرے ہاتھ میں سندانِ عشق تھا۔

شیخ اسحاق (متوفی ۹۸۹ھ سلسلہ سہروردیہ کے مشہور و باکمال بزرگ) جب ملتان چھوڑ کر دہلی میں مقیم ہوئے تو حضرت محدث آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور فیض پاتے رہے۔ اور شیخ اسحاق بھی آپ کے ساتھ خصوصی توجہ و عنایت اور لطف و مہربانی کا معاملہ فرماتے تھے۔

حضرت محدث نے علوم و فنون کی تکمیل کے بعد درس و تدریس کا کام شروع کیا۔ لیکن یہ سلسلہ زیادہ دنوں تک قائم نہ رہ سکا کیونکہ علماء سوء کی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے دربار اکبری اور دربار سے باہر ہر فتنہ و فساد پھیل گیا تھا حتیٰ کہ گوشہ نشین بزرگوں کے لئے بھی امن باقی نہ رہا تو حضرت محدث کو بھی ترکِ وطن کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا چنانچہ آپ نے حمیت و غیرتِ دینی سے مجبور ہو کر حجاز مقدس کی راہ لی۔

سفر حجاز ۹۹۶ھ مطابق ۱۵۸۷ء میں جبکہ حضرت محدث کی عمر انیس ۱۹ سال تھی حجاز کی طرف روانہ ہوگئے۔ محمد غوثی "گلزار ابرار" میں لکھتے ہیں۔ شیخ ۹۹۵ھ کے شروع میں مالدہ ہوتے ہوئے گجرات پہنچے۔ معلوم ہوا کہ جہاز کا موسم گذر چکا ہے۔ پھر آپ مانڈو ہوتے ہوئے احمد آباد پہنچے۔ وہاں مرزا نظام الدین احمد مصنف "طبقات اکبری" نے نہایت گرم جوشی سے آپ کا شایانِ شان استقبال کیا اور بے حد اصرار سے آئندہ موسم تک ٹھہرالیا۔ احمد آباد کے دوران قیام میں حضرت محدث شیخ وجیہ الدین علوی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے بھی اکتساب فیض کیا۔

حضرت محدث زاد راہ کے بغیر دہلی سے احمد آباد پہنچے، تھے۔ مرزا نظام الدین بخشی جو آپ کے مخلص دیرینہ دوست تھے سفر حجاز کے لئے زاد کی فراہمی اور جہاز کا انتظام کیا۔

حضرت محدث رمضان شریف سے پہلے ہی مکہ معظمہ پہنچ گئے اور وہاں کے محدثین سے صحیح مسلم اور صحیح بخاری کا درس لیا۔ اس کے بعد حضرت شیخ عبدالوہاب متقی علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے مشکوٰۃ کا سبق لیا اور مسلم کی قرأت کی اجازت حاصل کی۔ حضرت عبدالوہاب نے آپ کے بارے میں فرمایا: "الحمدللہ نسبتے ایں علم بوجہ اتم حاصل شدہ است" الحمدللہ اس علم پر اتنا عبور حاصل ہوگیا ہے کہ اس علم کی خدمت کا حق ادا کر سکتے ہو۔

حضرت عبدالوہاب اپنے اس ہونہار شاگرد کو علم حدیث کا بیش بہا حصہ عنایت فرمانے کے بعد باطن کی تعلیم دی اور سلوک و معرفت کی دشوار گذار راہوں سے آشنا کیا۔ تصوف کی کتابوں کا درس دیا اور اپنی نگرانی میں حرم شریف کے اندر

عبادت و ریاضت کرائی۔

حضرت محدث کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے والہانہ عشق تھا۔ جب بھی آپ دیار حبیب میں داخل ہوتے برہنہ پا ہوتے جیسا کہ "تحفۃ الکرام" میں لکھا ہے

در مدینہ برہنہ پا گردیدے۔

آپ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک طویل قصیدہ فارسی میں لکھا ہے جو ساٹھ شعروں پر مشتمل ہے۔ آپ چار مرتبہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوے۔ "زاد المتقین" میں اپنا خواب اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

"میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر جلوہ افروز ہیں اور حدیث کا درس دے رہے ہیں، اور جلال و جمال کے انوار آپ کے چہرے سے چمک رہے ہیں۔ جس سے زیادہ تصور ہی نہیں کئے جا سکتے اور اسی شب میں یہ خواب دیکھا کہ حضرت امام حسین علیہ السلام دشمنان اسلام سے مقابلہ کے لئے لشکر کی ترتیب دے رہے ہیں۔ درحقیقت حضرت محدث کی پوری زندگی اسی خواب کی تعبیر بن گئی اور آپ ساری زندگی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث پھیلانے اور بدعات کے ختم کرنے میں مصروف عمل رہے۔

ان واقعات پر کچھ ہی مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ حضرت محدث کے شیخ طریقت شیخ عبدالوہاب نے ہندوستان جانے کی ہدایت دی لیکن آپ یہاں کے حالات سے نہایت دل برداشتہ تھے اور ہندوستان جانے پر رضامند نہ تھے، اپنے شیخ مربی سے عرض کیا:۔

فقیر کے دل میں مقامات مقدسہ میں قیام کی خواہش ہے اور اس کے بعد حضرت غوث الثقلین کی زیارت کی نیت ہے۔

مرشد نے کہا شریعت کا حق مقدم ہے لہٰذا تمہیں ہندوستان کے سوا دوسری جگہ جانے کی اجازت نہیں حضرت غوث الثقلین کی نگاہ کرم تم پر رہیگی، جس جگہ بھی رہو اُن سے محبت و اعتقاد اور اپنی توجہ اُن ہی کی طرف رکھو۔

حضرت محدث نے مزید عرض کیا 'اچھا فقیر کا ارادہ ہے بغداد ہوتے ہوئے ہندوستان چلا جاؤں۔

مرشد نے کہا: ایسا کرو تو کچھ حرج نہیں لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ تم بغداد میں صرف ایک ماہ یا چالیس روز قیام کر کے ہندوستان روانہ ہو جاؤ۔ نہیں غوث الثقلین سے تمہاری نسبت اور قلبی تعلق کو دیکھتے ہوے مجھے یقین ہے کہ وہاں سے تمہارا نکلنا نہایت مشکل ہے اور ہندستان میں تمہاری جماعت بڑی ایذائیں اٹھاتی رہیگی۔

حضرت محدث نے اپنے مرشد کی نصیحت کو وسعت قلب کے ساتھ قبول کیا اور دعا کی درخواست کی۔

مرشد نے فرمایا اپنے وطن جاؤ اس میں خیر اور بھلائی ہے۔

سنہ ۹۹۶ھ سے سنہ ۹۹۹ھ تک حضرت کا قیام حجاز میں رہا اور اس مدت میں شیخ عبدالوہاب سے مستفیض ہوتے رہے۔ جب اپنے شیخ و مرشد سے جدائی کا وقت قریب آگیا تو نہایت آزردہ ہو گئے۔ آخر کار شعبان سنہ ۹۹۹ھ میں

طائف جاکر حضرت عبداللہ بن عباس کی زیارت سے مشرف ہوئے اور وہاں سے واپس ہوکر اپنے شیخ کی صحبت میں رمضان کے آخر تک رہے۔

شیخ عبدالوہاب نے آپ کو رخصت کرتے وقت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا ایک جبہ مبارک عنایت کیا اور ہدایت فرمائی کہ دین حق کی تبلیغ میں ہمہ وقت مصروف رہو اور یہ بشارت بھی سنائی کہ انشاء اللہ اس جانب سے بھی فیضان پہنچتا رہے گا۔

ہندوستان واپسی

شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ یہ وہ دور تھا کہ دربار اکبری اور بیرون دربار میں دین الٰہی (جو اکبر کا قائم کیا ہوا تھا) زور پکڑتا جا رہا تھا اور ملک کا سارا ماحول خراب ہو چکا تھا۔ کتاب وسنت سے بے اعتنائی عام ہو گئی تھی اور دربار اکبری میں کھلم کھلا اسلامی شعار کی تضحیک کی جاتی تھی چنانچہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں اس کے اقوال (می فرمودند) کے عنوان سے جمع کیا ہے۔ ان میں متعدد جگہ کیش احمد کہہ کر مذاق اڑایا گیا ہے۔

بسچ ہے الناس علی دین ملوکھم لوگ اپنے بادشاہوں کی راہ پر گامزن ہوتے ہیں۔ بادشاہ کی زندقیت والحاد نے عوام کی زندگی پہ کافی اثر ڈالا۔ صوفیائے خام نے شریعت کو طریقت سے جدا کر کے اپنے غیر شرعی اعمال کا جواز نکالا۔ علماء سوء نے فقہ اسلامی کو اپنی حیلہ و بہانہ جو فطرت کا آلہ بنالیا۔ ان پُرفتن حالات میں حضرت محدث نے کتاب وسنت کی آواز بلند کی اور قرآن وحدیث کو تمام علوم دینیہ کا مرکزی نقطہ قرار دیکر اپنی دعوت و تبلیغ شروع کی اور علوم اسلامیہ خصوصًا علم حدیث کی اشاعت اور تدریس کے لئے ایک دارالعلوم قائم کیا جس میں آپ کی تدریس کا سلسلہ آخر دم تک قائم رہا۔

شیخ محدث کی تعلیمی و اصلاحی تحریک پھیلنے لگی۔ تو مخالف طاقتیں پوری قوت کے ساتھ حضرت محدث سے برسرپیکار ہوگئیں لیکن آپ کے پائے استقامت میں ذرا برابر بھی جنبش نہ ہوئی۔ آپ کے عزم واستقلال نے وہ کام انجام دیا جو ایسے حالات میں ناممکن نظر آتا ہے۔

ہوا ہے تند وتیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جسکو حق نے دئے ہیں انداز خسروانہ

شیخ محدث خود شب وروز کام میں مشغول رہتے تھے اور اپنے متعلقین و تلامذہ کو بھی ہمہ وقت مصروف عمل رہنے کی تاکید فرماتے تھے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں "آدمی اس دنیا میں عمل کے لئے پیدا کیا گیا ہے" آدمی را دریں کارخانہ برائے کار آفریدہ اند۔" اور اکثر یہ شعر زبان پہ جاری رہتا تھا ؎

کارکن کار و بگذار از گفتار
کاندریں راہ کار دارد کار

حضرت محدث اپنے استاد ومربی کے اصرار پر ہندوستان تشریف لائے تھے۔ لیکن سرزمین حجاز سے ان کو جو قلبی

و روحانی تعلق تھا اس میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی' اور شہر رسول کریمؐ سے تو وہ جذباتی لگاؤ تھا کہ وہاں کی رہائش اور اسی میں موت کی خواہش و آرزو ہمیشہ دل میں موجزن رہی۔ بڑی حسرت کے ساتھ یہ دُعائیہ کلمات زبان سے صادر ہوتے تھے۔ اللھم اجعل موتی ببلد رسولك الٰہی میری موت تیرے رسولؐ کے شہر میں ہو۔

بیعت و خلافت

شیخ محدث نے سب سے پہلے اپنے والد ماجد حضرت سیف الدین علیہ الرحمہ سے روحانی تعلیم و تربیت پائی" رسالۂ وصیت" میں رقمطراز ہیں " والد را بر من حق پدری و استاذی دوستی و پیری جمع ہست "میرے والد ماجد کے مجھ پر پدری استاذی' دوستی و پیری کے حق جمع ہیں۔

شیخ محدث کے والد ماجد نے اپنی تربیت کے ساتھ دیگر مشائخ کرام کی صحبت سے استفادہ کا حکم دیا۔ چنانچہ والد کی ایماء پر آپ نے حضرت سید موسیٰ گیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ارادت و بیعت کی۔ اپنے اس مرشد طریقت کے بارے میں "اخبار الاخیار" میں لکھتے ہیں:

" خَلق اور خُلق میں وارث حضرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور سلسلۂ قادریہ کے عظیم المرتبت بزرگ تھے شیخ موسیٰ کی محبت میں بڑی کشش اور جاذبیت تھی' جو بھی ان کے پاس پہنچتا انہیں کا ہو جاتا تھا۔

محمد صادق ہمدانی نے " کلمات الصادقین" میں لکھا ہے کہ حضرت محدث نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے اشارہ پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے دست پر بیعت کی۔

حضرت عبدالقادر جیلانی سے حضرت محدث کو والہانہ عقیدت اور محبت تھی چنانچہ غوث الثقلین سے بھی آپ نے روحانی استفادہ کیا۔" زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار" میں حضرت محدث لکھتے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضرت غوث الثقلین نے مجھے مرید بنالیا۔ چنانچہ بیعت ہونے کے بعد حضور اکرمؐ نے بزبان فارسی' یہ بشارت دی' "بزرگ خواہی شد" صاحب تقویٰ بن جاؤ گے۔

حضرت محدث نے علماء و مشائخ کا ایک مبسوط و جامع تذکرہ مرتب کیا تو اس کتاب "اخبار الاخیار" کا آغاز حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے ذکر مبارک سے کیا ہے۔

حضرت محدث کو مختلف علماء و مشائخ سے ارادت کا تعلق رہا ہے اور مختلف سلاسل میں خلافت و اجازت کی سعادت حاصل ہوئی لیکن حقیقی تعلق اور قلبی لگاؤ سلسلۂ قادریہ میں رہا اور آپ کی عقیدت و توجہ کا مرکز سید عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمہ رہے۔

شیخ محدث کو اپنے مرشد شیخ عبدالوہاب سے چار سلاسل سلسلۂ قادریہ' شاذلیہ' چشتیہ' مدینیہ" میں اجازت و خلافت حاصل ہوئی اور حجاز سے ہندوستان واپسی کے وقت شیخ عبدالوہاب نے سلسلۂ شاذلیہ میں حزب البحر کی مخصوص اجازت بھی عنایت فرمائی۔

حضرت محدث اور شاہان وقت

حضرت محدث کی ولادت سلیم شاہ سوری کی عہد میں ہوئی اور وفات شاہجہاں کے سنہ جلوس میں ہوئی۔ اس مدت میں دہلی کے تخت پر درج ذیل بادشاہ متمکن ہوئے۔

(۱) اسلام شاہ (۲) مبریز خاں (۳) ابراہیم شاہ (۴) احمد خاں سکندر شاہ (۵) ہمایون (۶) اکبر (۷) جہانگیر (۸) شاہ جہاں۔

موخر الذکر تین بادشاہوں کے دور کو اچھی طرح دیکھا اور ان کے ادوار حکومت کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ حضرت محدث کے مزاج میں کامل درجہ کا استغناء پایا جاتا تھا زندگی بھر سلاطین یا ارباب حکومت سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھا دربار سے ہمیشہ علٰحدہ رہے اور ساری زندگی گوشۂ تنہائی میں بسر کی۔ البتہ اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر کے ۱۴ سنہ جلوس میں حضرت محدث دربار تشریف لے گئے۔ تاکہ دین کی صحیح تعلیم ان نااہل دربار تک پہنچا دیں۔

وصال

۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس سے چورانوے سال تک فضائے ہند کو اپنی ضو فشانی سے منور کر رکھا تھا غروب ہو گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق شیخ نور الحق نے نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کے جسد خاکی کو حوض شمسی کے کنارے سپرد خاک کیا گیا۔ قبر کو کافی وسیع اور کشادہ کیا گیا اور اندرونی حصہ کی تعمیر گچ سے نہیں کی گئی اور ایک طاق کے اندر شجرۂ پیراں رکھا گیا۔

سر سید نے آثار الصنادید میں لکھا ہے کہ شیخ محدث کی قبر پر ایک مقبرہ وفات کے بعد تیار کیا گیا۔

حضرت محدث کی اولاد

حضرت محدث کے تین صاحبزادے تھے۔ شیخ نور الحق شیخ علی محمد شیخ محمد ہاشم۔

آپ کے فرزند اول شیخ نور الحق بسر نمونۂ پدر کے مصداق رہے۔ صاحب علم و فضل اور تقوی تھے۔ حضرت محدث سے بیعت و خلافت کا شرف حاصل کیا اور آپ کی وفات کے بعد بھی مسند ارشاد پر فائز رہے اور کتاب و سنت کی بیش بہا خدمت انجام دی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کا قابل ذکر کام یہ ہے کہ صحیح بخاری کی شرح چھ ضخیم جلدوں میں "تیسیر القاری" کے نام سے فارسی میں لکھی۔

حضرت محدث نے اپنی زندگی ہی میں شیخ نور الحق کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب فرمایا تھا چنانچہ رسالۂ وصیت میں اپنے متعلقین کو ان لفظوں میں ہدایت دی :-

"فرزند عزیز نور الحق را خلیفہ و جانشین فقیر دانند و با وے بتعظیم و تقدیم پیش آیند"۔

دوسرے فرزند شیخ علی محمد عالم و فاضل و زاہد بزرگ تھے۔ آپ نے بھی قلم کے ذریعہ خدمت کی۔ چنانچہ یہ تین کتابیں آپ کی یادگار ہیں :-

خزائن الدرر۔ رسالہ احوال پنج پیران چشت،

نجات المریدین (احوال غوث اعظمؒ)۔

فرزندِ سوم محمد ہاشم، یہ بھی جودت و سلاستِ طبع اور خصوصاً علم حدیث میں ممتاز تھے۔

تصنیفات حضرت محدث حضرت محدث کی تقریبًا ساری زندگی کتاب و سنت اور علوم اسلامی کی خدمت میں گذری چنانچہ آپ کی نوکِ قلم سے مختلف النوع تصانیف معرض وجود میں آئیں۔ آپ کی تصنیفات مختلف علوم و فنون میں تقریبًا ستر تھے جس میں سے بعض کتابوں کی مختصر فہرست درج ذیل ہے:۔

تفسیر تعلیق الحاوی علیٰ تفسیر البیضاوی

شرح صدور تفسیر آیۃ النور

تحصیل الغنائم والبرکات تفسیر سورۃ والعادیات۔

تجوید: درۃ الفرید فی قواعد التجوید

حدیث حضرت محدث کی خدمات حدیث کے باب میں نہایت وسیع ہیں۔ فن حدیث وغیرہ پر تقریبًا آپ کی بارہ تصانیف پائی جاتی ہیں:۔

اشعۃ اللمعات فی شرح المشکوٰۃ

لمعات التنقیح فی شرح مشکوٰۃ المصابیح

ترجمۃ الاحادیث الاربعین فی نصیحۃ الملوک والسلاطین

جامع البرکات منتخب شرح المشکوٰۃ

جمع الاحادیث الاربعین فی ابواب علوم الدین

رسالۃ اقسام الحدیث

رسالۃ شب برات

ما ثبت بالسنۃ فی ایام السنۃ

الاکمال فی اسماء الرجال

شرح سفر السعادۃ

اسماء الرجال والرواۃ المذکورین فی المشکوٰۃ

تحقیق الاشارۃ فی تصحیح البشارۃ

فقہ: فتح المنان فی تائید النعمان

الفوائد

ھدایۃ الناسک الی طریق المناسک

عقائد تکمیل الایمان

تصوف علم حدیث کی طرح تصوف کے موضوع پر بھی حضرت محدث نے بیش بہا ذخیرہ چھوڑا ہے۔

تنبیہ العارف بما وقع فی العوارف

تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف

شرح فتوح الغیب

ترجمۃ غنیۃ الطالبین

انتخاب المثنوی المولوی المعنوی

توصیل المرید الی المراد بہ بیان الاحزاب والاوراد

مرج البحرین فی الجمع بین الطریقین

نکات الحق والحقیقۃ من باب معارف الطریقۃ

جواب بعض کلمات شیخ احمد سرھندی

رسالۂ وجودیہ

اخلاق آداب الصالحین

آداب اللباس

آداب المطالعة والمناظرہ
تسلیۃ المصاب لنیل الاجر والثواب

فلسفہ و منطق: بنا المرفوع فی ترصیص مباحث الموضوع
درۃ البھیہ فی اختصار الشمسیہ

تاریخ: جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب
ذکر ملوک
رسالہ نورانیہ سلطانیہ

سیر و تذکرہ: مدارج النبوہ۔ اخبار الاخیار۔
احوال ائمہ اثنا عشر خلاصۃ اولاد سید البشر
انوار الجلیہ فی احوال مشائخ الشاذلیہ
زبدۃ الآثار منتخب بہجۃ الاسرار

نحو: حاشیۃ الفوائد الضیائیہ
افکار الصافیہ فی ترجمۃ کتاب الکافیہ

خطبات: شیخ محدث نے اپنے گراں قدر خطبات و مواعظ جمع کیا ہے لیکن یہ مجموعہ دستیاب نہیں ہوا صرف نام تذکروں میں رہ گیا ہے۔
فصول الخطب لنیل اعالی الرتب

مکتوبات: کتاب المکاتیب، اڑسٹھ مکتوبات کا مجموعہ ہے۔

فن شعر: حضرت محدث ایک اچھے شاعر بھی تھے چنانچہ آپ کی تصانیف میں کثرت سے شعر ملتے ہیں، آپ نے ایک شعری بیاض جمع کی تھی "حسن الاشعار فی جمع الاشعار"۔

غرض اس مختصر مضمون میں حضرت محدث کی تصانیف کی مختصر فہرست پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اگر ان تصانیف کا علمی جائزہ لیا جائے تو صفحات کے صفحات سیاہ ہو جائیں گے۔

یک سفینہ چاہئے اس بحرِ بے کراں کے لئے

حضرت محدث کی ناقابل فراموش خدمت

حضرت محدث کے عہد میں مختلف مذہبی تحریکات پھیلی ہوئی تھیں، ایک طرف مہدوی تحریک شباب پر تھی تو دوسری طرف اکبر کا دین الٰہی اپنا رنگ جمایا ہوا تھا۔ مزید طرفہ یہ کہ صوفیائے خام نے شریعت کو طریقت سے علیحدہ کر کے تصوف کی شکل و صورت کو مسخ کیا تھا جسکی وجہ سے الحاد و زندقہ کی لہریں چل رہی تھیں اور علماء سوء نے اجتہاد اور بدعت حسنہ کے حسین عنوان سے ہزاروں گمراہیوں کے دروازے کھول دئے تھے۔

گمراہی و ضلالت، کفر و شرک، الحاد و زندقہ۔ بدعات و خرافات۔ استہزاء عن الاسلام، سکوت عن الحق کے ماحول میں حضرت محدث نے اپنے فرائض کو محسوس کیا اور گم گشتہ راہ لوگوں کو کتاب و سنت کے صراط مستقیم پہ چلنے کی آواز دی۔ اور اپنی اصلاح کا مرکزی نقطہ سنت نبوی ؐ قرار دے کر اپنی زبان و قلم کے ذریعہ قرآن و حدیث کی تبلیغ اور فقہ و تصوف کی تنقیح و تطبیق فرمائی۔ حضرت محدث کا یہ وہ عظیم الشان کارنامہ ہے جو تجدید و احیائے دین کے باب میں ہمیشہ روشن رہے گا۔



حیاتِ حضرت معشوق ربانی ورنگل
رحمۃ اللہ علیہ

از جناب سید کریم اللہ صاحب قادری سابق انڈر سکریٹری گورنمنٹ آف کرناٹکا بنگلور

یہ سنتِ الٰہیہ ہمیشہ رہی ہے کہ انسان جو تخلیقِ کائنات کا اصل سبب ہا ہے اور جسکی تخلیق صرف معرفتِ الٰہی کے لئے عمل میں آئی ہے جب کبھی اپنی راہ سے ہٹ کر فسق و فجور میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی ہدایت کے اسباب فراہم کئے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں ہزاروں پیغمبر اور رسول مبعوث کئے جاتے رہے یہاں تک کہ نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دائمی اور ناقابلِ تنسیخ شریعت تمام انسانوں کے لئے عطا کی گئی اور اکملت لکم دینکم کا مژدہ سنایا گیا لیکن انسان کا دشمن ازلی شیطان لعین کب اس کو راہِ حق پر رہنے دیتا ہے وہ تو ہمیشہ اس کوشش میں لگا ہوا ہے کہ کسی طرح انسان کو راہِ صواب سے دور کر دے۔

اب چونکہ وحیٔ ربانی اور انبیاء کی آمد کا سلسلہ بند ہو گیا ہے اس لئے گم کردہ راہ انسانوں کی رہبری و رہنمائی کے لئے اولیاء اللہ اور مصلحین پیدا ہونے لگے جو اسلام اور سنتِ محمدیؐ کی اطاعت و پیروی کی طرف لوگوں کو اپنے حسنِ عمل اور حکمت و موعظت سے بلانے لگے۔

اس سلسلہ میں جن اولیاء اللہ اور اکابرینِ امت نے مساعیٔ جمیلہ فرمائی ہے ان کی تعداد کثیر ہے لیکن ان میں سے بعض حضرات بہت زیادہ مشہور اور مقبولِ خلائق ہوئے ان بزرگوں میں حضرت غوث الثقلین شیخ عبدالقادر جیلانی کو عام طور پر بلادِ عرب و عجم میں غیر معمولی مقبولیت و شہرت ملی اور اسی طرح پورے ہندوستان کے ہر خطہ اور گوشہ میں حضرت شیخ خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی مقبولیت عام ہے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں سلطان محمد غوری، محمود غزنوی، بابر اور نادر شاہ کی یورشوں سے پہلے ہی صوفیائے کرام اور مبلغین اسلام کی آمد شروع ہوئی اور ان نفوسِ قدسیہ کی دلنشین انسانیت نواز تعلیمات اور ان کے زہد و تقویٰ، حسنِ عمل، انسانی ہمدردی اور اخلاق و مروت کو دیکھ کر مقامی باشندے متاثر ہوتے چلے گئے اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں اسلام کا نور پھیلنے لگا۔ ان بزرگوں میں سے ایک بزرگ حضرت جلال الدین جمال البحر معشوق ربانی ثانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جنکی ذاتِ گرامی سے سرزمین دکن کو بے پایاں فیض پہنچا۔

حضرت معشوق ربانی سلسلۂ عالیہ قادریہ کے

ایک صاحب کرامت بزرگ گذرے ہیں۔ آپ رجب المرجب ۹۲۶ھ کو بغداد شریف میں پیدا ہوئے آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :۔

حضرت جلال الدین جمال البحر معشوق ربانی ابن حضرت سید شاہ حسن عبدالقادر ثانی بن سید احمد قادری بن حضرت سید شاہ یوسف قادری بن سید محمد ثانی بن حضرت سید حیدر جلال الدین بن سید شہاب الدین بن حضرت سید شاہ محمد بن حضرت سید عماد الدین ابی صالح بن سید تاج الدین عبدالرزاق ابن حضرت قطب ربانی غوث صمدانی محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر جیلانی حسنی حسینی بن حضرت سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست بن حضرت سید عبداللہ بن سید یحییٰ بن سید محمد مورث بن حضرت سید داؤد بن حضرت سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ محض (آپ عبداللہ محض کے لقب سے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ کے والد حسن مثنیٰ ابن امام حسنؓ حضرت فاطمہؓ بنت رسولؐ کے پوتے اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ صغریٰ بنت امام حسینؓ شہید کربلا، حضرت فاطمہ زہرہ بنت رسولؐ کی پوتی تھیں۔ اس طرح آپ طرفین سے خالص فاطمی تھے)۔

حضرت معشوق ربانی کے والد ماجد سید شاہ حسن عبدالقادر ثانی علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اور آپ کی شہرت علم و تفقہ بغداد اور اس کے اطراف و اکناف میں پھیلی ہوئی تھی۔ بہت سے تشنگانِ علم دور دراز کی مسافت طے کرکے آپ کی خدمت میں آتے اور اپنی علمی تشنگی بجھاتے تھے۔

حضرت معشوق ربانی نے علوم ظاہری کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے کی اور بارہ سال کی عمر میں اپنی والدہ ماجدہ سے قرآن کریم حفظ کیا۔

حضرت معشوق ربانی علوم ظاہری سے فراغت کے بعد علوم باطنی کے حصول میں مشغول ہو گئے۔ آپ کے والد ماجد آپ کو ہمیشہ اپنے ساتھ ذکر و شغل کے حلقے میں شریک رکھتے اور فیوض باطنی سے سرفراز فرماتے۔ آپ کو اپنے والد ماجد سے بیعت حاصل ہے۔ آپ کا سلسلۂ خلافت و اجازت سلسلۂ قادریہ ہے اور آپ کو حضور غوث پاک سے نسلاً بعد نسلاً خرقۂ خلافت ملتا رہا۔ چنانچہ آپ کا سلسلۂ خلافت وہی ہے جو آپ کا سلسلۂ نسب ہے۔

حضرت معشوقِ ربانی کا قد میانہ تھا۔ آپ عریض الصدر کشادہ پیشانی نہایت وجیہہ اور قوی الجثہ تھے۔ رنگ سرخ و سفید تھا۔ ریش مبارک گھنی تھی۔ لباس کے معاملہ میں آپ انتہائی سادگی پسند تھے۔ صرف ایک کرتہ اور تہبند زیب تن فرماتے۔ سر پہ عمامہ باندھتے تھے اور عموماً چوبی نعلین، استعمال فرماتے۔

ابھی آپ صغر سنی میں تھے کہ آپ سے کرامت کا ظہور ہونے لگا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ مکان میں پیر دراز کئے ہوئے تشریف فرما تھے کہ ایک سطح گردن زمین پہ دراز کرتے ہوئے آپ کی طرف آنے لگی۔ آپ نے اس کو اپنے قدم سے اشارہ فرمایا تو وہ وہیں پھڑ پھڑا کر دم توڑ دی۔ یہ واقعہ

آپ کے گھر کی ایک خادمہ نے دیکھا اور آپ کی والدۂ ماجدہ سے بیان کیا۔ آپ کی والدہ کافی پریشان ہو گئیں کیوں کہ آپ کے والد اپنے بچوں میں خورد سالی میں کرامات کا ظہور پسند نہ فرماتے تھے اور جب کبھی ایسا واقعہ دیکھ پاتے تو ان کو آرام ابدی کا حکم فرماتے اور بچے کی روح پرواز کر جاتی۔ اسی اندیشہ سے آپ کی والدہ نے اپنی خادمہ کو تاکید فرمائی کہ اس واقعہ کی خبر کسی کو نہ ہونے پائے۔ اس واقعہ کے بعد والدہ اس فکر میں رہیں کہ کسی طرح اپنے فرزند کو اپنے شوہر سے دُور رکھیں۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے والد ماجد کو اس بات پر آمادہ کر لیا کہ حضرت معشوق کو مدینہ منورہ بھیج دیں۔ انہوں نے منظور کر لیا اور اپنے چند خاص معتقدین اور خدام کے ساتھ ۹۱۲ھ کو مدینہ منورہ روانہ فرمایا اور بوقت روانگی اپنے فرزند کو بیعت و خلافت سے سرفراز فرمایا۔

حضرت معشوق ربّانی مدینہ پہنچ کر ایک مسجد میں قیام پذیر ہوئے اور ہر روز صبح و شام بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش فرماتے اور دیر تک مسجد نبوی میں معتکف اور مراقب رہتے۔ قیام مدینہ میں آپ کو مشائخ اور صوفیا سے ملاقات اور صحبت کا موقعہ ملتا رہا اور آپ ان بزرگوں کے حلقۂ درس میں شرکت فرماتے تھے۔ مدینۂ طیبہ میں آپ کا قیام دو سال رہا۔ اس مدت میں آپ نے دو مرتبہ حج ادا فرمایا۔

سفر حج کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ آپ ایک قافلہ کے ساتھ حج بیت اللہ کے لئے مدینہ منورہ سے نکلے۔ راستے میں دور دور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا قافلے والے نہایت مضطرب ہو گئے اور پیاس تشنگی سے سبھی نڈھال ہو گئے۔ بعض لوگوں نے دیکھا کہ اس قافلہ میں ایک ہستی ایسی بھی ہے جس پر عدم دستیابیٔ آب کا کوئی اثر نہیں ہے بلکہ وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے معمولات اور عبادت وغیرہ میں مشغول ہے تو لوگ دوڑے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی پریشانی اور مشکل بیان کی تو آپ نے ایک جگہ کی ریت کھودنے کا حکم دیا فوراً تعمیل کی گئی۔ تھوڑی سی ریت ہٹانا تھا کہ صاف و شفاف چشمہ بہہ نکلا جس سے قافلہ والے اور ان کے اونٹ گھوڑے سبھی سیراب ہوئے اور پھر سوئے حرم قافلہ چل پڑا۔ آپ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد مدینۂ منورہ مراجعت فرمائے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ حسب معمول نمازِ فجر کے بعد بارگاہ نبوی میں بغرض صلوٰۃ و سلام حاضر ہوئے اور بہت دیر تک مراقب رہے اور پھر اسی روز رات کا نصف حصہ گذرنے کے بعد روضہ نبوی پہنچے اور خدام سے مواجہ شریف میں داخل ہونے کی اجازت چاہی، تو خدام نے عذر کیا کہ ہم خلاف قانون کسی بھی فرد کے لئے بعد نماز عشاء روضۂ انور کا دروازہ نہیں کھول سکتے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بارگاہ رسالت ہی سے طلبی ہوی ہے اور اسی وقت حاضر ہونے کا حکم ملا ہے۔ خدام نے عرض کیا کہ اس معاملہ میں ہم کچھ کہنے

سے پرہیز کرتے ہیں لہٰذا آپ ہی دروازہ کھول کر داخل ہو جائیے۔ اس کے بعد آپ حجرۂ مبارک کے باب الداخلہ کے آگے کھڑے ہو گئے اور نہایت درد بھری آواز سے "یاجدی یاجدی" فرمانے لگے تو قفل کھل گیا اور روضۂ انور سے "یا ولدی یا ولدی" کی ندا آئی اور حضرت معشوق ربانی وارفتگی کے عالم میں جالیٔ مبارک میں داخل ہوئے، اور صبح تک بارگاہ رسالت میں باریاب ہوئے۔ نماز فجر سے فارغ ہونے کے بعد اپنی رہائش گاہ پر تشریف لائے اور اپنے خدام و معتقدین میں سے حضرت حسن بن احمد اور حضرت شاہ کمال درویش کو بیعت و خرقۂ خلافت عطا کیا اور فرمایا کہ بارگاہِ صمدیت سے ہم کو معشوقِ ربانی کا خطاب ملا ہے اور حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا ہے کہ ہم ہند کی طرف سفر کریں۔ اور ملک دکن کے باشندوں تک اسلام کی دعوت پہنچائیں لہٰذا رختِ سفر باندھ دیا جائے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت حسن بن احمد کو مدینہ منورہ میں رہنے کا حکم دیا اور شاہ کمال درویش اور دوسرے خدام و معتقدین کو اپنے ساتھ لے کر دکن کی جانب چل پڑے۔

ابتداءً بحری سفر رہا۔ دوران سفر سمندر میں زبردست طوفان آیا جس کی وجہ سے کشتی ڈگمگانے لگی۔ مسافرین نہایت مضطرب و پریشان ہو گئے۔ خود ملاح نے زندگی کی امید چھوڑ دی۔ حضرت پر استغراق و محویت کی کیفیت طاری تھی۔ کچھ دیر کے بعد مسافرین نے دیکھا کہ آپ کی وہ کیفیت ختم ہو گئی اور پوری طرح بیداری اور صحو کے عالم میں ہیں تو دست لبستہ عرض کیا کہ حضرت جہاز ڈوبا چاہتا ہے۔ بجز تائید غیبی کے کوئی راستہ نجات کا نظر نہیں آتا آپ دعا کریں تو شاید رب ذوالجلال ہم بیکسوں کے حال پر رحم فرمائے۔ لوگوں کی بے چینی اور مایوسی کو دیکھ کر آپ نے دعا کے لئے دونوں ہاتھ اٹھا دئیے۔ اللہ نے اسی وقت کرم کیا کہ طوفان تھم گیا اور کشتی سلامتی کے ساتھ ساحل پر آ لگی۔

آپ کے قافلہ نے سمندری سفر ختم کرنے کے بعد خشکی کا راستہ اختیار کیا اور ہندوستان کے کئی مقامات سے گذرتے ہوئے دکن کی جانب بڑھتا رہا۔ راستہ میں ایک دریا کے کنارے آکر رکا۔ دریا بڑے زور و شور سے بہہ رہا تھا۔ دریا عبور کرنے کی کوئی صورت نہ تھی۔ آپ اپنا مرکب بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا ان ربی لغفور رحیم فرماتے ہوئے پانی میں ڈال دیا۔ آپ کے ساتھ آپ کے ساتھی بھی اتر پڑے اور سارا قافلہ نہایت سکون و اطمینان سے دریا عبور کر لیا۔ اس واقعہ کی اطلاع جب مقامی لوگوں کو ہوئی تو کثرت سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن میں بڑے بڑے زمیندار اور رؤسا بھی شامل تھے۔

وہ آپ کے نورانی چہرے اور اخلاق و فروتنی کو دیکھ کر آپ کے دستِ حق پرست پر مشرف باسلام ہو گئے۔ اور انہوں نے آپ کی خدمت میں بیش بہا تحفے و تحائف پیش کیا۔

جب آپ کا ورودِ مسعود دکن میں ہوا تو اس وقت

وہاں سلاطین قطب شاہی کی حکومت تھی۔ اور سلطان قلی قطب شاہ تخت سلطنت پر متمکن تھا اور دہلی میں ابراہیم لودھی کی حکومت تھی۔

آپ ورنگل (آندھرا پردیش) کے موضع سوماورم میں جو ورنگل سے سولہ میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک پہاڑی پر فروکش ہوئے اور عبادتِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ آپ کی آمد کی اطلاع دور دور تک پھیل گئی۔ لوگ جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دعا کے طالب ہوئے۔ آپ کا فیض عام تھا جس میں کسی مذہب و ملت کی کوئی تخصیص نہ تھی۔ لوگ آپ کے جمال و کمال کو دیکھتے تو بے حد متاثر ہوتے اور انکے دلوں میں اسلام کی عظمت بیٹھ جاتی اور وہ مشرف باسلام ہوتے۔ کہتے ہیں سوماورم میں ایک جولاہا رہتا تھا اس کی بینائی ختم ہو چکی تھی۔ وہ بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے دعا کی درخواست کی۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی اور اپنا دستِ مبارک اسکے چہرہ پر پھیرا تو اس کی بینائی عود کر آئی۔ اس واقعہ کا بہت اثر ہوا اور وہ جولاہا مع اہل و عیال آپ کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا اور اس کے ساتھ لوگوں کی ایک کثیر تعداد مسلمان ہوئی۔

سوماورم کی پہاڑی جہاں آپ فروکش ہوئے تھے وہاں آپ نے مسواک ایک گوشہ میں نصب کر دی چند دن کے اندر وہ چوب خشک برگ دبار لائی اور ایک تنا ور درخت کی شکل اختیار کی۔ آپ کے بعد بھی سالہا سال تک وہ درخت باقی رہا۔

سوماورم میں آپ نے بارہ سال قیام کیا۔ آپ اسی پہاڑی پر محوِ عبادت رہتے۔ جب آپ عالم استغراق میں ہوتے تو کئی کئی دن گذر جاتے تھے اور اس حال میں کسی کو بھی اس امر کی اجازت نہ تھی اور نہ کسی کو جرأت ہوتی تھی کہ آپ کی خدمت میں حاضری دے۔ آپ خود جب چاہتے تو اپنے مریدین میں سے کسی کو یاد فرما لیتے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کئی دن اسی حال میں رہے اور مدتِ استغراق معمول اور عادت سے بہت زیادہ گذر گئی تو آپکے مریدین و معتقدین بہت متردد اور متفکر ہوئے اور شاہ کمال درویش کو آپ کی خدمت میں جانے کے لئے آمادہ کر لیا۔ جب وہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کے استغراق کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور کچھ کہنے کی جرأت نہ کر سکے اور واپس آکر اپنے ساتھیوں کو حضرت کے جذب و محویت کے عالم کی کیفیت بیان کی۔

اس واقعہ کے بعد بھی مسلسل کئی دن تک حضرت پر یہی کیفیت طاری رہی۔ بالآخر ایک روز خود حضرت نے شاہ کمال درویش اور دوسرے مریدین کو بلایا اور فرمایا کہ ہمکو یہاں سے ورنگل کوچ کرنا ہے لہٰذا سفر کی تیاری شروع کی جائے ـــ سوماورم سے آپ مع رفقاء مریدین کے ساتھ ورنگل روانہ ہوئے اور عرس کی پہاڑی پر مقیم ہوئے۔ اس پہاڑی پر جہاں آپ نے قیام کیا تھا آپکے نشانات باقی ہیں مثلاً آپ کے جائے نشست پر آج بھی ایک پتھر تقریباً معلق ٹھہرا ہوا ہے جس میں آپ کی چھنگی کا نشان ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اس جگہ پہ آپ مصروفِ ذکر تھے ایک بہت بڑا جادوگر جو بہت قریب ہی رہتا تھا جسکو آپکا قیام اس مقام پہ ناپسند تھا اس نے آپکو ہلاک کرنیکی نیت سے ایک بڑا پتھر آپ پہ گرانے کی کوشش کی۔ آپ نے اسی محویت کے عالم میں ایک چٹنگی سے روک دیا تھا، آج تک بھی معلق ہے۔

اسی جادوگر نے ایک اژدھا بھی آپ کی جانب بھیجا۔ آپ نے اس موذی کو اپنی انگشتِ شہادت سے اشارہ کیا تو وہیں ڈھیر ہوگیا۔ جادوگر کو اس سے بڑی شرمندگی ہوئی اور وہ اپنی معاندانہ حرکتوں سے باز آگیا اور مسلمان ہوکر آپ کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہوگیا۔

عرس کی پہاڑی پہ چند روز قیام فرماکر پھر موضع عرس کی طرف تشریف لائے اور سب سے پہلے حضرت قاضی ضیاالدین شہیدؒ کے مزار پہ تشریف لے گئے اور صاحبِ قبر سے روحانی طور پہ استنباط فرماکر عرس شریف میں قیام کا ارادہ کیا اور کچھ فاصلے طے کرکے ایک جگہ اپنا عصا نصب کیا اور فرمایا کہ ہماری آخری آرام گاہ یہیں ہوگی ——

جب آپ کی عمر تیس سال ہوئی تو شاہ کمال درویش اور دیگر مریدین کے اصرار پہ آپ نے عقد کیا اور آپ کو ایک صاحبزادہ اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن میں سے صرف ایک صاحبزادے حضرت سید شاہ معین الدین قادری زندہ رہے چنانچہ انہی کی اولادِ امجاد آج تک موضع عرس میں آباد ہے۔ آپ کی زوجۂ محترمہ کے انتقال سنہ ۹۴۰ھ میں ہوا۔ اس کے بعد حضرت نے عقدِ ثانی کیا۔ دوسری بیوی سے اولاد نہیں ہوئی۔ حضرت کے عین حیات ہی میں اس بیوی کا وصال ہوا۔

حضرت معشوق ربانی نے اکاسی سال کی عمر پائی جب وفات کا وقت قریب آنے لگا تو آپ تلاوتِ قرآن کریم میں مشغول ہوگئے اور ایک شب میں دو مرتبہ قرآن کریم ختم کیا۔ وفات کے وقت شدت کا بخار تھا۔ اس حالت میں بھی برابر کلمۂ طیبہ کی تکرار جاری تھی کہ آپ نے اپنی جان عزیز جان آفریں کے سپرد فرمائی

انا للہ وانا الیہ راجعون

تاریخ وصال میں اختلاف ہے۔ بعض تذکرہ نویس نے ۲۲ رجب سنہ ۹۷۷ھ لکھی ہے اور بقول بعضے ۱۱ رجب سنہ ۸۹۹ھ چنانچہ دونوں روایتوں کی تطبیق میں ہر سال ۱۱ رجب کو صندل اور ۲۲ رجب کو عرس کی مجلس منعقد ہوتی ہے اور آج بھی آپ کا مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

عرس کے موقعہ پہ مختلف شہروں سے لوگوں کی کثیر تعداد جمع ہوتی ہے اور آپ کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

———

علم اور عقل و دانش ہی سے مشکل ترین مسائل حل ہوتے ہیں

از عالیجناب حضرت مولٰنا ابو الحسن صدر الدین سید شاہ محمد طاہر رضا صاحب قادری دامت برکاتہم العالیہ ناظم دار العلوم لطیفیہ
(مکانِ حضرت قطب ویلور)

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اسلامی علوم و فنون سے بہرہ ور ہو رہے ہیں۔ یہی وہ روحانی علوم و معارف ہیں جن کی بدولت دینی و دنیوی فتوحات حاصل ہوتی ہیں اور ان ہی علوم و حقائق کی معرفت سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اور یہی وہ علوم جن کے ذریعہ سے پیچیدہ اور دقیق مسائل کا حل پیش کیا جاتا ہے اور مشکل ترین سوالات کے جواب بآسانی دئے جاتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رح کے پاس ایک روز ایک شخص آیا اور کہنے لگا 'امام صاحب' اس شخص کے بارے میں آپ کا فتویٰ کیا ہے' جو جنت کا امیدوار نہیں ہے اور نہ اس کو دوزخ کا ڈر ہے' نہ خدا کا خوف، وہ مُردار کھاتا ہے۔ بے رکوع و سجود کی نماز پڑھتا ہے۔ بن دیکھے گواہی دیتا ہے، رحمت سے بھاگتا ہے' فتنہ کو دوست رکھتا ہے حق سے انکار کرتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کی تصدیق کرتا ہے۔

امام اعظمؒ نے اپنے شاگردوں سے پوچھا کہ اس قسم کے صفات سے متصف شخص کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا ایسا آدمی تو نہایت برا ہے۔ اور اس کے یہ اوصاف کفر کے ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں نہیں! یہ تو خدا کا دوست ہے' پھر آپ سائل کی طرف مخاطب ہوئے اور پوچھا 'کیا تم آئندہ سے میری غیبت اور برائی کروگے؟ اس نے نفی میں جواب دیا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا اگر تم وعدہ کرو تو میں تمہارے سوالات کے جواب بتلاؤں گا۔ اس نے اقرار کیا۔ آپ نے یہ جوابات دینا شروع کیا۔

وہ شخص جو جنت کا امیدوار نہیں ہے وہ رب جنت کا امیدوار اور طالب ہے۔ اس کو جو دوزخ کا ڈر نہیں ہے وہ خالقِ دوزخ سے خوف کرتا ہے اور اس کو خدا کا خوف اس لئے نہیں ہے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر بے جا ظلم نہیں کرے گا۔ وہ مچھلی کھاتا ہے جس کا کھانا جائز ہے' اور جو بے رکوع و سجود نماز ادا کرتا ہے وہ نمازِ جنازہ ادا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر گواہی دیتا ہے اور وہ رحمت سے بھاگتا ہے جبکہ بارش

نازل ہوتی ہے تاکہ کسی عمارت میں اپنے آپ کو محفوظ کر لے، فتنہ کو عزیز رکھتا ہے' اور وہ فتنہ اولاد و مال ہے۔ جن کو وہ دوست رکھتا ہے۔ حق سے انکار کرتا ہے' یعنی موت حق ہے اور وہ چاہتا ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ عمر حاصل ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہے۔ یہود اور نصاریٰ کی تصدیق کرنے سے مراد یہ ہے کہ کلام پاک میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے متعلق جتنی آیات نازل فرمایا ہے ان تمام کی وہ تصدیق کرتا ہے۔

امام صاحب کے موثر و دلنشین جوابات کو سن کر سائل نے آپ کی علمی جلالت و وجاہت کا اعتراف کیا، اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

ایک روز بایزید بسطامی علیہ الرحمہ سے ایک رہبان نے کہا کہ میں آپ سے چند مسائل پوچھنا چاہتا ہوں' اگر آپ ان کے جوابات عنایت فرمائیں تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت نے فرمایا جو چاہو پوچھو چنانچہ رہبان نے یہ سوالات پیش کیا۔

وہ کیا چیز ہے اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ دو کیا ہیں جن کا تیسرا نہیں ہے۔ وہ تین کیا ہیں جن کے ساتھ چوتھا نہیں ہے۔ وہ چار کیا ہیں جن کے مانند پانچواں نہیں ہے۔ وہ پانچ کیا ہیں جن جیسا چھٹا نہیں ہے۔ وہ چھ کیا ہیں جن کے ساتھ ساتواں نہیں ہے۔ وہ سات کیا ہیں جن کے ساتھ آٹھواں نہیں ہے۔ وہ آٹھ کیا ہیں جن کے ساتھ نواں نہیں ہے۔ وہ نو کیا ہیں جنکے ساتھ دسواں نہیں ہے۔ وہ دس کیا ہیں جو کامل ہیں اور گیارہ کیا ہیں' بارہ کیا ہیں' تیرہ کیا ہیں اور وہ چودہ کیا ہیں جو اللہ تعالیٰ سے باتیں کرتے ہیں اور وہ کیا چیز ہے جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے۔ وہ قبر کونسی ہے جو صاحب قبر کو لئے پھرتی ہے۔ وہ پانی کونسا ہے جو نہ آسمان سے نازل ہوا اور نہ زمین سے نکلا اور وہ چار چیزیں کیا ہیں جو نہ جن ہیں اور نہ آدمی۔ نہ فرشتہ اور نہ باپ کی پشت سے ہیں اور نہ ماں کے شکم سے۔ اور یہ بتلائیے کہ اللہ نے کتنے نبی پیدا کئے جن میں مرسل اور غیر مرسل کتنے ؟

حضرت بایزید نے فرمایا اگر میں ان سوالات کے جواب دوں تو کیا تم اللہ تعالیٰ پر اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ گے ؟ سب نے اقرار کیا۔ جس کے بعد حضرت موصوف نے سوالات کے جوابات دینا شروع کیا۔ وہ ایک کیا ہے اس جیسا دوسرا کوئی نہیں ہے' وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اور وہ دو جن کے ساتھ تیسرا نہیں ہے' وہ رات اور دن ہے۔

اور وہ تین جن کے ساتھ چوتھا نہیں ہے' وہ عرش کرسی اور قلم ہیں۔

اور وہ چار جن کے ساتھ پانچواں نہیں ہے۔ وہ چار آسمانی کتابیں ہیں' توراۃ۔ زبور۔ انجیل اور قرآن۔

اور وہ پانچ جن کے ساتھ چھٹا نہیں ہے۔ وہ نماز پنجگانہ ہیں جو تمام مسلمان مردوں اور عورتوں پر

فرض ہیں۔ اور وہ چھ جن کے ساتھ ساتواں نہیں ہے وہ چھ دن ہیں جن کی بابت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد خلقنا السموات والارض وما بینھما فی ستۃ ایام اور وہ سات ہیں جن کے ساتھ آٹھواں نہیں ہے وہ سات آسمان ہیں۔

اور وہ آٹھ جن کے ساتھ نواں نہیں ہے وہ آٹھ فرشتے ہیں جو عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور وہ نو جن کے ساتھ دسواں نہیں ہے وہ نو آدمیوں کا گروہ ہے جنہوں نے زمین پر فساد کیا تھا اور وہ دس کامل ہیں وہ دس فرائض ہیں جن کی ادائیگی مکہ معظمہ میں حاجیوں پر فرض ہے جب کہ وہ حرم میں ہوں۔

اور جو گیارہ ہیں وہ برادران حضرت یوسف علیہ السلام ہیں اور جو بارہ ہیں وہ سال کے بارہ مہینے ہیں اور جو تیرہ ہیں وہ یوسف علیہ السلام کے خواب ہیں۔

اور وہ چودہ چیزیں جو خدا کے ساتھ کلام کرتی ہیں وہ سات آسمان اور سات زمین ہیں۔

اور وہ چیز جو بغیر روح کے سانس لیتی ہے وہ صبح ہے۔

اور وہ قبر جو اپنے صاحب کو لئے پھرتی ہے، وہ حضرت یونس علیہ السلام کی مچھلی ہے۔

اور یہ سوال کہ اللہ نے کتنے نبی پیدا کئے جن میں مرسل اور غیر مرسل کتنے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ کئی ہزار نبی پیدا کئے جن میں سے تین سو تیرہ مرسل ہیں۔

اور وہ پانی جو نہ آسمان سے برسا اور نہ زمین سے نکلا وہ گھوڑے کا پسینہ ہے جسے حضرت بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس ایک شیشہ میں بھیجا تھا۔

اور وہ چار چیزیں جو نہ جن ہیں نہ آدمی نہ فرشتہ نہ باپ کی پشت سے اور نہ ماں کے شکم سے ہیں وہ چار یہ ہیں۔ ایک وہ دنبہ ہے جس کو حضرت اسمٰعیل کی قربانی کے وقت حضرت جبرئیلؑ نے حاضر کیا تھا۔ دوسری وہ اونٹنی ہے جس کا ظہور ایک چٹان سے ہوا جو حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ تیسرے حضرت آدم علیہ السلام اور چوتھی حضرت حوّا علیہا السلام۔

حضرت بایزید کے ان جوابات کو سن کر سب مشرف باسلام ہوئے۔

ایک روز حضرت جنید بغدادی کے پاس ایک مجوسی آیا اور کہنے لگا کہ حضرت ایک حدیث کا مطلب دریافت کرنے کے لئے آیا ہوں اور وہ یہ ہے:

اتقوا بفراسۃ المؤمن فانہ ینظر من نور اللہ (مومن کی فراست سے ڈرو اس لئے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔)

حضرت جنیدؒ نے فرمایا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنا زنار توڑ دو، کفر سے باز آجاؤ، اور کلمۂ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کرو۔

مجوسی اس جواب سے بحید متاثر ہوا اور اسی وقت

کلمہ طیبہ پڑھتے ہوئے داخل اسلام ہوگیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ سے پوچھا کہ اے ابوبکرؓ! آپ کو یہ بلند مرتبہ کن باتوں سے حاصل ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا پانچ باتوں سے۔ اوّل یہ کہ میں نے دو طرح کے لوگ پائے۔ لوگوں کی پہلی قسم وہ ہے جو دنیا کی طلب میں سرگرداں ہیں اور دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اُخروی زندگی کی طلب میں کوشاں ہیں اور میں نے اپنے مولیٰ کی طلب میں کوشش کی۔ دوسرا یہ کہ جب میں مشرف باسلام ہوا ہوں کبھی دنیا کا کھانا پیٹ بھر کر نہیں کھایا اس لئے کہ عرفانِ حق کی لذت نے مجھے دنیا کے کھانے سے بے نیاز کر دیا ہے۔ تیسرا یہ کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں کبھی دنیا کا پانی سیر ہو کر نہیں پیا۔ اس لئے کہ محبّت الٰہی کے پانی نے مجھے سیراب کر دیا ہے۔ چوتھا یہ کہ جب دینی و دنیاوی دو کام میرے سامنے پیش ہوتے ہیں تو میں دنیا کے کام کی پروا کئے بغیر دین کے کام کو مقدم سمجھا' اور اسی پر عمل کیا۔ پانچواں یہ کہ میری صحبت سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ رہی اور حضور ؐپر نور کی یہ صحبت بڑی ہی اچھی رہی۔

حضرت ابوبکرؓ کے ان جوابات میں مسلمانوں کے لئے ہدایت ہے کہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں اور دنیوی زندگی کے مقابلہ میں اُخروی اور ابدی زندگی کو ترجیح دیں اور سارے کاموں میں اللہ کی رضا و خوشنودی کو مقدم رکھیں اور صالح صحبت کو غنیمت سمجھیں اور نیکوکاروں کی ہم نشینی اختیار کریں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے ایک روز تورات کے عالم نے پوچھا کہ اے علی! کیا میں آپ سے چند سوالات کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا پوچھئے! تمہیں جو بھی پوچھنا ہے ——— عالم نے کہنا شروع کیا۔ وہ شخص کون ہے جن کا کوئی باپ ہے نہ ماں؟ اور وہ عورت کون ہے جن کا کوئی باپ ہے نہ ماں۔ وہ مرد کون ہے جن کا باپ نہیں' ماں ہے' اور وہ کونسی چٹان ہے جس میں ایک جانور پیدا کیا گیا اور وہ کون عورت ہے جو تین لمحوں میں بچہ پیدا کی ہے اور وہ کون دو دوست ہیں جو کبھی دشمن نہیں ہوں گے اور وہ کون دو دشمن ہیں جو کبھی دوست نہ ہوں گے۔

حضرت علیؓ نے ان کے جوابات بتانا شروع کیا' وہ شخص جن کا نہ کوئی باپ ہے نہ ماں' وہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وہ عورت جن کا کوئی باپ ہے نہ ماں وہ حضرۃ حوّا علیہا السلام ہیں اور وہ مرد جن کے باپ نہیں لیکن ماں ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ اور وہ جانور صالح علیہ السلام کی اونٹنی ہے جو آپ کے معجزہ کی برکت سے چٹان سے پیدا ہوئی۔

اور وہ عورت جو تین گھڑی میں بچہ پیدا کی وہ بی بی مریمؑ ہیں' جو ایک لمحہ میں حاملہ ہوئیں۔ دوسری گھڑی میں دردِ زہ شروع ہوا اور تیسری گھڑی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تولد ہوے۔

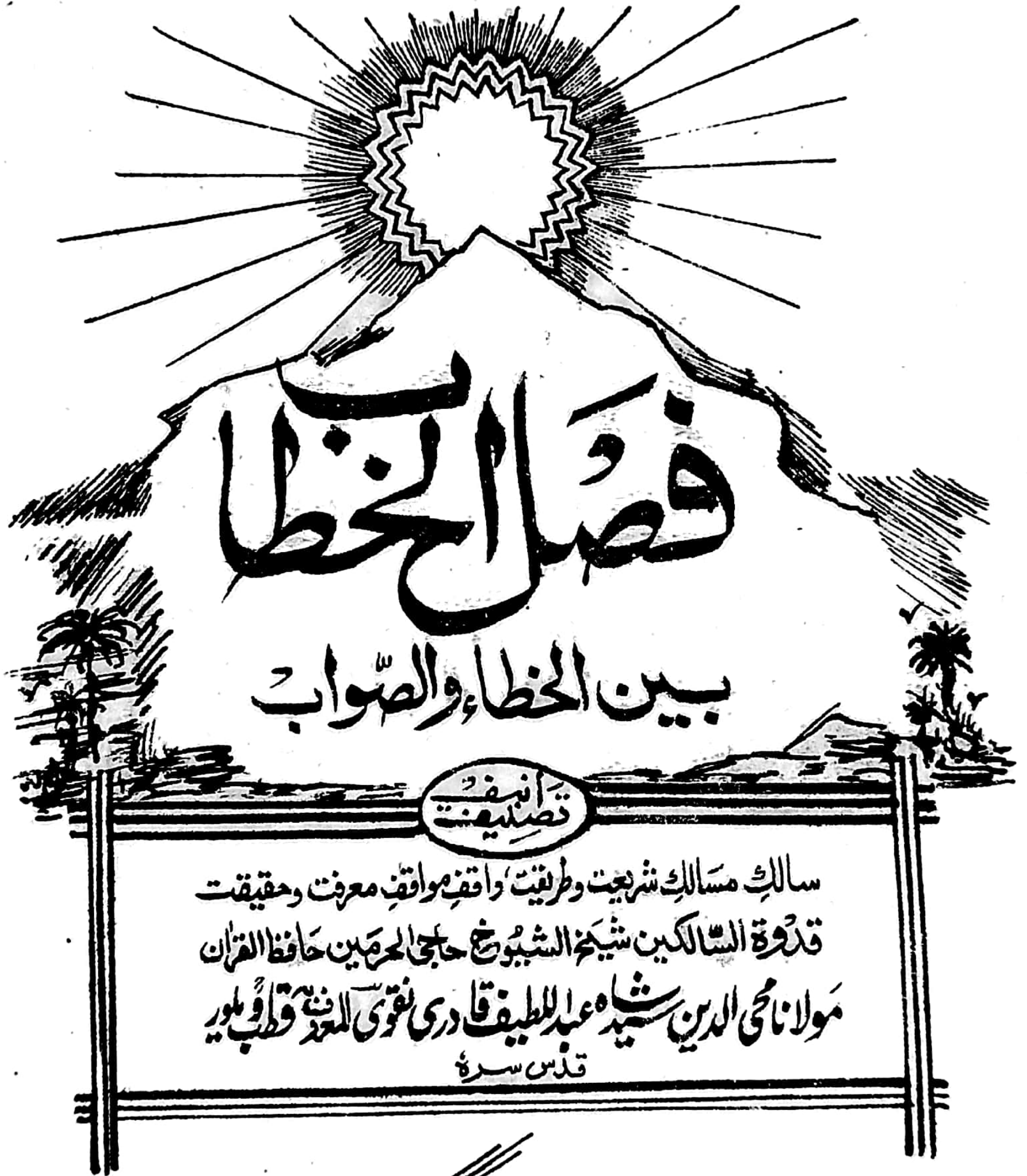
اور وہ دو دوست جو کبھی دشمن نہ ہوں گے

وہ جسم اور روح ہیں اور وہ دو دشمن جو کبھی دوست نہ ہوں گے وہ موت اور حیات ہیں۔

حضرت علیؓ کے ان برجستہ جوابات کو سن کر تورات کے عالم نے بے ساختہ کہا، بے شک علیؓ علوم کے شہر کا دروازہ ہیں۔ علی باب مدینۃ العلوم۔

علماء حق ہی ورثۃ الانبیا ہیں جو تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے ہیں اور علم پر عمل کرتے ہیں بقولِ کلام نبوت من عمل علما ورثۃ اللہ تعالیٰ بالم یعلم۔ اللہ تعالیٰ ان پر اُن تمام علوم وفنون کو منکشف فرماتا ہے جو نہیں جانتے۔ موجودہ دور میں جو علماء روحانی علوم سے بہرہ ور ہوکر مدرسوں سے نکلتے ہیں اگر وہ بھی اکل حلال صدق مقال، تقویٰ پرہیزگاری اور توکل اختیار کریں، اور اپنے علم پر عمل کریں اور علم اور عقل ودانش سے کام لیں تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے اُن کو بھی اُن تمام علوم پر مطلع فرمادے جو اولیاء، صالحین اور صوفیاء پر منکشف فرماتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مؤمنانہ فراست وعلم اور عقل ودانش ہی سے دقیق وغامض اور پیچیدہ مسائل حل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بزرگوں کی زندگیوں میں کثرت سے اس کی مثالیں ملتی ہیں۔

وما علینا الا البلاغ



ترجمہ وتلخیص :-

مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی ،

استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

تعارف فصل الخطاب :-

حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ کی قابل قدر بلند پایہ علمی و تحقیقی تصنیف "فصل الخطاب" کا اردو ترجمہ قسط وار ناظرین اللطیف کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ مایۂ ناز کتاب فلس کیپ کے ڈیڑھ سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ہر صفحہ میں ۲۲ سطور ہیں اور حضرت مصنف کے حین حیات میں حاجی سید عبدالقادر قادری کے مطبع قادری ویلور سے ۱۳۰۰ھ ۱۸۸۲ء کو زیور طباعت سے آراستہ ہوئی۔

کتاب بیسؔ مقدمات اور چالیسؔ فوائد (ابواب) پر مشتمل ہے۔ حضرت قدس سرہٗ نے یہ بیس مقدمات ابتداء میں تمہید یا پیش لفظ کے طور پر سپرد قلم کیا ہے جن میں ادلّہ شرعیہ ۔ ماہیت فقہ ۔ اجتہاد فقہا ۔ اجتہادِ صوفیاء ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے الہام کا حکم اور علوم دینیہ کی اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

مقلد کو قرآن و حدیث سے احکام کا مجتہدانہ استنباط کرنے اور بعض فقہاء کے مذہب کو دوسروں پر ترجیح دینے کا حق ہی نہیں ۔ اور اہل سنت کے اختلاف خواہ ظاہر شریعت میں ہوں یا باطن شریعت میں، اہل اسلام اور اہل کتاب کے اختلاف کے مانند اور سنی و شیعہ یا سنی و روافض کے اختلاف کے مثل نہیں ہیں ۔ اور حضور اکرم ؐ کے عہد مبارک کے تمام احکام یقین پر مبنی تھے ۔ جن پر اعتقاد رکھنا اور ان پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ زمانِ وحی کے مجتہدات میں خطا و صواب کا احتمال نہیں ہے ۔ مقلد کو مجتہد کی تقلید کے بغیر کوئی چارہ نہیں ۔ عہد نبوی ؐ کے بعد جبکہ مسائل میں مجتہدین کی رائیں مختلف ہوگئیں اور کسی مقلد کو صاحب مذہب کی رائے کے خلاف عمل کرنا جائز نہیں ۔

قرآن کریم کے معانی کا بیان تفسیر سے ہے یا تاویل سے اور بدعت اور اس کے اقسام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

علم تصوف کے دقیق و غامض مسائل کا اخفاء عوام الناس سے ضروری ہے اور علوم حقائق و اسرار کی تحصیل کے لئے شیخ کامل کا ہونا ضروری ہے اور مشائخ صوفیہ کے بعض اقوال بظاہر خلاف شرع معلوم ہو رہے ہوں تو ان کی تاویل کی گنجائش ہے لہٰذا ان کے ظاہری معنی کو لے کر بزرگوں پر تنقید نامناسب ہے اور صوفیاء کے علوم کا انکار کرنے والا اور اولیائے کرام پر طعن و تشنیع کرنے والا سوء خاتمہ سے دوچار ہونے کا اندیشہ ہے اور مومن کو چاہیئے کہ اہل اسلام کی تکفیر سے پرہیز کرے ۔ بزرگوں کے عیوب کی تلاش اور ان پر نکتہ چینی و حرف گیری، تکبر و غرور اور مسلمانوں کے درمیان تفرقہ و فساد یہ تمام مذموم خصائل اور قبیح افعال ہیں ۔

حضرت قطب ویلور نے تمہیدی باتوں میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ قارئین کتاب کے لئے ضروری ہے کہ ان مقدمات کو ملحوظ ذہن رکھیں اور اس کتاب کو کما حقہٗ سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ آدمی لوگوں کے غلو سے پوری طرح واقف ہو اور اہل سنت

کے مذہب میں مہارت اور کمال رکھتا ہو۔ اور جو شخص لوگوں کے غلو سے آگاہ نہیں ہے، اس کے لئے یہ کتاب چنداں سود مند نہیں، کیونکہ یہ کتاب ناقص افراد کے افراط و انتہا پسندی اور غلو سے متعلق تصنیف کی گئی ہے۔ کتاب میں بعض مقامات پر ضعیف اقوال اور مرجوح روایات جیسے سجدۂ تحیت اور طوافِ غیر کعبہ وغیرہ کو دیکھتے ہوئے یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ فقیر قول ضعیف پر عمل کی ترغیب دے رہا ہے۔ بلکہ ان کے پیش کرنے سے منشا و مقصد، غالی حضرات کی زبان بند کرنا ہے اور یہ حقیقت بے نقاب کرنا ہے کہ جب ان مسائل میں فقہاء کا اختلاف ہے تو جزم اور اصرار کے ساتھ یہ کہنا کہ یہی قول اور رائے صحیح ہے، یہ ٹھیک نہیں۔ اور اختلافی امور و مسائل میں ایک دوسرے کی عیب جوئی نہیں کرنا چاہیئے۔

ان ابتدائی کلمات کے بعد حضرت قطبؒ ویلور نے چالیس عنوانات پر مدلل و فاضلانہ بحث کی ہے اور اہلسنت کے فقہاء اور صوفیاء کی کتابوں سے دلائل و براہین پیش کیا ہے جن کے مطالعہ کے بعد کسی کو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ حضرت قدس سرہٗ کی اس تصنیف کی ایک قابل تقلید اور لائق مثال خوبی یہ ہے کہ آپ نے پوری کمال سنجیدگی کے ساتھ تمام مسائل کو سلجھایا ہے۔ اور پوری کتاب میں کہیں تشدد و سختی کا نام و نشان نہیں، حتیٰ کہ مخالفین کے خلاف بھی کوئی سُست اور سخت جملہ استعمال نہیں کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت قدس سرہٗ کی تحریروں سے خلق کثیر کو نفع پہنچائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

طالب رحمت :-

بشیر الحق ادھونی احسن اللہ حالہ و مآلہ

فصل الخطاب بین الخطاء والصواب

الحمد للہ العلی الاعظم والصلوٰۃ والسلام علی المظہر الاتم قائد الخلق الی الطریق الاقوم وعلی آلہ واصحابہ وورثائہ الافخم۔ حمد وصلوٰۃ کے بعد ارباب بصائر کے دلوں پر یہ بات مخفی نہیں کہ غربت اسلام کے ان دنوں میں بعض برادران دین اور مسلم عوام نے باوجود قلت علم کے علماء کے علم میں دخل اندازی کی اور فقہاء کے اجتہاد پر طعنہ زنی شروع کی اور بہتر بدعتی فرقوں کے مانند بزرگان عالی مقام کی تضلیل وتکفیر اور مجتہدان ذی شان کے خلاف لب کشائی کی اور انتہائی تعصب سے فساد اور عناد کا حق ادا کئے ہیں۔ ان کی یہ مخالفت اور بزرگوں کی تضلیل مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اور اس دین متین کے اندر جدال اور نزاع کا باعث بنی۔ امام حجۃ الاسلام محمد غزالیؒ صاحب "احیاء" ابواب مداخل شیطان" میں فرماتے ہیں:۔

عوام کا حق صرف یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور اطاعت کریں اور اپنی عبادات میں اور اپنی معاش وروزگار میں مشغول رہیں اور علم کو علماء کے لئے چھوڑ دیں۔ پس ایک عامی اگر زنا یا چوری کرے تو اس کے لئے اس بات سے بہتر ہے کہ وہ علم میں گفتگو کرے۔ پس بیشک جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے بارے میں اتقان علم کے بغیر گفتگو کرے تو وہ انجانے طور پر کفر میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس کی مثال اس شخص کے مانند ہے جو تیرنا نہیں جانتا اور سمندر کی موج پر سوار ہو اور عقائد ومذاہب کے باب میں شیطانی مکائد کی کوئی حد نہیں۔

اس مقدمہ کی تفصیل تیسرے مقدمے میں دیکھی جائے۔ اور سنیت کے دعوے کے باوجود معتزلہ، شیعہ اور دیگر بدعتی فرقوں کے مانند اہل سنت کے اختلافی مسائل میں ان کی تضلیل وتکفیر کا فیصلہ کرتے ہیں حالانکہ ان اختلافات میں ہر ایک کو اپنے اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے فربکم اعلم بمن ھو اھدیٰ سبیلاً تمہارا رب بہتر جانتا ہے کہ زیادہ ہدایت کی راہ پر کون ہے اور ایک دوسرے پر عیب لگانا نہیں چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' علماء کا اختلاف رحمت ہے۔ ان اختلافات کے اندر کسی مجتہد کو کوئی ایک بات کا یقین میسر نہیں ہے تو مقلد کو کیسے ہو سکتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مجتہدین میں سے کوئی شخص بھی دوسرے مجتہد کو گمراہ نہیں قرار دیتا۔

شیخ جلال الدین سیوطی "جزیل المواہب" میں لکھتے ہیں: یہ جاننا چاہئے کہ اس ملت میں مذاہب کا اختلاف بڑی نعمت اور عظیم فضیلت ہے اور اس کا ایک لطیف راز ہے

جس کا علما ہنے ادراک کیا اور اس سے جاہل نا واقف ہے'
حتیٰ کہ بعض جاہلوں کو یہ کہتے ہوئے سُنا کہ رسول اللہ صلے اللہ
علیہ وسلم تو ایک ہی شریعت لائے پھر یہ مذاہب اربعہ کہاں
سے نکل آئے۔

اس مقدمہ کی تفصیل پانچویں مقدمہ میں تلاش
کی جائے اور دعویٰ حنفیت کے وجود بلا وجہ اہلسنت کے دوسر
آئمہ کے مذہب پر عمل کر رہے ہیں۔ حالانکہ کوئی حنفی شخص
اپنے امام کے اجتہاد کے خلاف اگر بے وجہ عمل کرے تو گناہگار
ہوگا —— اس مقدمہ کی تفصیل ساتویں مقدمہ میں آئے گی۔

امام ربّانی مکتوبات جلد اول کے ۲۸۶ ویں مکتوب
میں فرماتے ہیں۔ مقلد کو یہ حق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے خلاف
قرآن و حدیث سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے۔

اس مقدمہ کی تفصیل تیسرے مقدمہ میں آئے گی۔

غرض عوام کی یہ افراط و تفریط اور نفس بدانجام کا
تعصب مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث ہوا اور اسی چیز نے ہر
ہر گروہ کو دوسرے گروہ کی ایذا رسانی اور دشمنی پر آمادہ کردیا۔
اگر ذرا غور و فکر کیا جائے تو یہ بات روشن ہو جائے گی کہ اس
تمام بے سروپا اور بے بنیاد غلو و مبالغہ اور فساد بے جا کا
سبب صرف طلب وجاہت ہے اور سوء ادب، بد دیانتی' ائمہ
متبوعین کی ترکِ تقلید اور اپنی بے اصل رائے کی اشاعت
کا دعویٰ۔ زہی تصوّر باطل زہی خیال محال

کیا ہی باطل تصور اور کیا ہی خیال محال ہے

پس یہ رسالہ "فصل الخطاب بین الخطاء والصواب"
خطاکاروں کی افراط و تفریط اور اہل سنت کے طریق اعتدال
کے بیان میں تالیف ہوا اور معرضِ وجود میں آیا تاکہ لوگ حق
کی پیروی کریں اور سادہ لوح افراد ان خطاکاروں کی ہمنوائی
اور ان کی پشت پناہی نہ کریں۔

ونیز اس کتاب سے بھائیوں کی زبان بندی اور خطاکاروں
کی اصلاح ہے۔ عیب داروں کی عیب چینی اور ان کے نام کا
اظہار مقصود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ولا تلمزوا
انفسکم باہم ایک دوسرے کا عیب بیان کرو۔

اور یہ گفت و شنید اور مناظرہ کی ہار جیت کوئی عیب
نہیں ہے۔ اس افراط کی اصلاح میں اگرچہ کہ بہت سی کتابیں
جیسے مولوی کرامت علی جونپوری کی "قوت الایمان" اور
مولوی وجیہہ مدرس اول مدرسہ کلکتہ کی "نظام الاسلام ودفع
الشرور" اور مولوی لطف الحق ہندوستانی کی "سلاح المومنین"
وغیرہ لکھی گئیں جن میں خطاکاروں کے اعتراضات کا جواب
اور قاصروں کے شبہات کا حل آفتاب نصف النہار کی طرح
موجود ہے لیکن اس رسالہ یعنی "فصل الخطاب بین الخطاء و
الصواب" میں ان شبہات کا حل ہے جن میں سے اکثر کا حل
دوسری کتابوں میں نہیں پایا جاتا ہے اور ان میں سے بعض
کا تعلق علم باطن سے ہے۔ یہ رسالہ اسنادِ معتبرہ سے اور خاص
طور پر دونوں فریقوں کے مقتداؤں کے اسناد سے مرتب
و مزین ہے تاکہ دونوں جماعتوں میں سے طعن کرنے والوں
کے دلوں پر اثر ہو۔

شیخ الہند سے عبدالحق دہلوی مراد ہیں' اور

امام ربانی سے شیخ احمد سرہندی اور بحر العلوم سے ملک العلماء مولانا عبد العلی انصاری لکھنوی اور مولانا دہلوی سے شاہ ولی اللہ دہلوی اور سند العلماء سے مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی اور مولوی مدراسی سے مولوی محمد باقر آگاہ مدراسی اور سید ماجد سے مولوی اسحٰق دہلوی۔ اور سید واعظ سے مولوی سید محمد علی مصطفٰے آبادی (رامپوری) اور مولوی صفوی سے مولوی ارتضا علی خاں صفوی رحمۃ اللہ علیہم۔

جو کوئی بھی کتاب کا حوالہ دے اور سند پیش کرے تو وہ امانت کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہے۔ لیکن اسکے باوجود پھر بھی اس میں چوں چرا اور کلام کرنا قواعدِ علم مناظرہ اور طریقۂ علماء سے خارج ہے بلکہ ابجد خوانوں اور مبتدیوں کی ہنسی کا باعث ہے۔

اس رسالہ کے ناظرین اور اس مقالہ کے سامعین کو چاہیئے کہ مطالعہ کے وقت ان بیس مقدمات کو ذہن میں ملحوظ رکھیں جو ذیل میں آرہے ہیں۔ کیونکہ یہ (مقدمات) اوہام کی آلودگیوں کو دور کرنے اور خیالاتِ خام کے دفع کرنے میں کبریتِ احمر کی طرح مفید ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں وہ بہت اختلاف پاتے بعقائد میں ہے کہ مجتہد مخطی بھی ہے اور مصیب بھی ہے تو مجتہد جیسے مقلد سے خطا ہونے میں کوئی شک نہیں۔ موفق حقیقی اللہ تعالیٰ لوگوں کو توفیق دے کہ سنت وجماعت کے صراط مستقیم پر وہ چلیں اور بے ہودہ فضولیات سے محفوظ رہیں جو ابدی آخرت میں مفید نہیں اور آخر کار فنا ہو جاتے ہیں اور قلم کی بے راہ روی اور قدم کی لغزش کی اصلاح سے ثواب کمائیں ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

پہلا مقدمہ

ادلۂ شرعیہ چار ہیں۔ قرآن حدیث۔ اجماع اور قیاس مجتہد۔ مذکورہ ادلۂ اربعہ کے بعد کوئی دلیل بھی احکام شرعیہ کو ثابت کرنے والی نہیں۔

بحر العلوم شرح مسلم الثبوت میں فرماتے ہیں' اصول تو چار ہیں کتاب وسنت' اجماع اور قیاس اس لئے کہ دلیل شرعی یا تو وحی ہے یا وحی نہیں اور وحی پہلے سے دو اصولوں یعنی کتاب وسنت میں منحصر ہے۔ اس لئے کہ وحی یا تو متلو ہے یعنی جسکی عبارتوں کی رعایت واجب ہے' وہ قرآن ہے یا تو غیر متلو ہے اور وہ حدیث ہے۔ اور غیر وحی یا تو وہ تمام امتِ کاملہ کا قول ہے جو اہلِ اجتہاد سے ہیں اور یہی اجماع ہے اور یا تو علت میں مشارکت کی وجہ سے دوسرے حکم پر اعتبار اور یہی قیاس ہے۔ لیکن ہم سے پہلے کی شریعتیں اور استحسان و استصحاب یہ سب انہی میں داخل ہیں۔

امام ربانی مکتوبات جلد دوم کے ۵۵ ویں مکتوب میں رقمطراز ہیں۔ احکام شرعیہ کے اثبات میں کتاب وسنت معتبر ہیں۔ مجتہدوں کا قیاس اور امت کا اجماع بھی مثبت احکام ہیں۔ ان چار ادلۂ شرعیہ کے علاوہ کوئی دلیل احکام شرعیہ کی مثبت نہیں ہے۔

مولوی مہاجر "مائۃ المسائل" کے چوتھے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اصول فقہ میں جو ادلۂ شرعیہ بیان کئے

جاتے ہیں۔ چار ہیں کتاب سنت، اجماع اور قیاس کذا فی التوضیح والمنار والحسامی والشاشی والمسلّم والبزدوی وغیرھا من الکتب الاصول لیکن وہی قیاس حجت ہے جس میں وہ شرطیں پائی جاتی ہوں جو اصول فقہ میں مذکور ہیں اور استحسان و استصحاب وغیرہ قیاس میں داخل ہیں۔

پس اس سے معلوم ہونا چاہئے کہ مجتہد کو فقیہہ کہتے ہیں، بحر العلوم شرح مسلم میں فرماتے ہیں الفقہ حکمۃ فرعیۃ شرعیۃ یعنی فقہ وہ علم واقعی ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، نبوات اور آخرت پر ایمان سے متفرع ہے ور ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے اور مقلد کی فقہ کو فقہ نہیں کہا جاتا کیونکہ اس میں اجتہاد کی طاقت نہیں اور وہ اپنی تقلید میں مدح کا مستحق نہیں۔ فقہ کی مدح تو کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کی گئی ہے۔ پس تقلید کی راہ سے جو چیز حاصل کیا ہے اسکو فقہ نہیں کہا جاتا۔ لیکن عرف میں اس مقلد کو بھی جس نے فقہ کے اندر مہارت حاصل کی اور کسی امام کے مذہب کے اقوال حفظ کیا تو اس کو بھی فقیہہ کہتے ہیں۔ جمہور علماء نے لوگوں کی فہمائش کے لئے فقہا کے سات طبقات بیان کئے ہیں جیسا کہ طحطاوی میں ہے۔ پہلا طبقہ مجتہدین فی الشرع جیسے ائمہ اربعہ اور ان کے امثال جنہوں نے قواعد کی بنیاد رکھی اور ادلہ اربعہ سے احکام فروع استنباط کیا، یہ مقلد نہیں ہیں۔

دوسرا طبقہ مجتہدین فی المذہب جیسے ابو یوسف اور محمد، جنہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ کے مقررہ اصول کی بنیاد پر ادلہ دلائل سے احکام کا استخراج کیا۔ اگرچہ کہ بعض احکام میں امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی۔ اور (یہ لوگ امام کے اصول کی مطابقت کی بنا پر) دوسرے مخالفوں جیسے امام شافعی وغیرہ سے ممتاز ہیں۔

تیسرا طبقہ مجتہدین فی المسائل، یہ وہ لوگ ہیں جو اُن مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں، جن میں صاحب مذہب کا کوئی قول نہیں جیسے طحطاوی، خصاف، کرخی، حلوانی، سرخسی بزدوی، قاضی خان اور ان کے امثال، اور یہ لوگ اپنے امام کی نہ اصول میں مخالفت کرتے ہیں نہ فروع میں۔ لیکن ان مسائل میں احکام کا استنباط کرتے ہیں جن میں حسب قواعد کوئی نص وارد نہیں۔

چوتھا طبقہ اصحاب التخریج، یہ مقلدین ہیں جیسے رازی اور ان کے مانند۔ کیونکہ ان کے اندر اجتہاد کی کوئی قدرت نہیں، لیکن تمام اصول کے احاطہ اور تمام ماخذوں کے حفظ و ضبط کی وجہ سے ان میں یہ قدرت ہوتی ہے کہ اپنے امام اور امام کے اصحاب سے منقول ہونے والے ذی وجہین قول مجمل اور محتمل الامرین حکم مبہم کی تفصیل و وضاحت کریں۔

پانچواں طبقہ اصحاب ترجیح۔ یہ بھی مقلدین ہیں جیسے ابو الحسن قدوری اور صاحب ہدایہ اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے اس قول (ھذا اصح درایۃ او اولیٰ) سے بعض روایات کو بعض پر ترجیح دیتے ہیں۔

چھٹا طبقہ۔ مقلدین کی وہ جماعت جو قوی۔ اقوی۔ ضعیف، ظاہر الروایۃ اور ظاہر المذہب کے درمیان امتیاز کرنے پر قدرت رکھتی ہے جیسے اصحاب متون متاخرہ۔ مثلاً

صاحب الکنز۔ صاحب مختار۔ صاحب وقایہ۔ صاحب المجمع اور ان کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں کوئی قولِ مردود نقل نہیں کرتے۔

ساتواں مقلدین کا وہ طبقہ جو ان مذکورہ امور میں سے کسی پر قدرت نہیں رکھتا اور کھرے کھوٹے میں فرق نہیں کرسکتا۔ و نیز طحطاوی میں یہ بھی ہے کہ ساتواں طبقہ ان مقلدین کا ہے جو کسی چیز پہ قدرت نہیں رکھتا اور چھٹواں بھی اسی طرح کے مقلدین کا ایک طبقہ ہے' اور یہ بھی جاننا چاہئے کہ مجتہد دو قسم کے ہیں۔ مجتہد مطلق وہ جو ہر قسم کے حادثہ میں (جو پیش آئے) اجتہاد کی قدرت رکھتا ہے اور مجتہد فی البعض۔ تجزی اجتہاد کے باب میں اختلاف ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ جائز ہے۔

بحر العلوم، شرح مسلم میں لکھتے ہیں۔ تجزی اجتہاد اس طرح کہ بعض مسائل میں مجتہد ہو اور بعض میں مجتہد نہ ہو۔ اس بارے میں اختلاف کیا گیا ہے (اور اسی سے فرائض میں اجتہاد کا حکم متفرع ہے) یعنی وہ شخص جس کو فرائض سہام کے نصوص اور فرائض سے متعلق آثار واردہ کی معرفت حاصل ہے اور اجتہاد کرتا ہے فقط' یعنی وہ دوسرے احکام میں اجتہاد نہیں کرسکتا۔

اکثر نے کہا' ہاں!! اجتہاد کا تجزیہ ممکن ہے۔ اور یہ کہنے والوں میں سے شافعیوں میں امام حجۃ الاسلام غزالی ہیں' اور ہم حنفیوں میں سے شیخ ابن ہمام ہیں۔

نیز صاحب البدیع کا بھی کہنا ہے اور قرین صواب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

اور یہ بھی کہا گیا کہ اجتہاد کی تجزی جائز نہیں' اور ابن حاجب نے اس باب میں توقف کیا ہے۔

حاصل کلام مجتہدین کے ان طبقات میں سے پہلے طبقہ کو مجتہد مستقل اور دوسروں کو غیر مستقل کہتے ہیں۔

اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ صاحب "قوۃ الایمان" مولوی کرامت علی جونپوری' رسالہ "عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید" معنف مولوی دہلوی سے نقل کرتے ہیں:

مولانا محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ مجتہد وہ شخص ہے جس میں یہ پانچ قسم کے علم جمع ہوں۔ کتاب اللہ کا ۲ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا علم۔ ۳ علماء سلف کے اقوال کا علم کہ کس بات میں اُن سب نے اجماع کیا اور کس بات میں اختلاف کیا' ۴ لغت کا علم ۵ قیاس کا علم۔

اور قیاس اس کو کہتے ہیں کہ جس وقت کوئی حکم قرآن حدیث اور اجماع میں نہ مل سکے تو اس حکم کو قرآن اور حدیث سے قیاس کرکے نکالا جائے اور اس کام کے لئے ضروری ہے کہ علوم قرآن میں سے ان تیرہ باتوں کا علم ہو:۔

ناسخ۔ منسوخ، مجمل، مفسّر، خاص عام۔ محکم، متشابہ، کراہت، تحریم اباحت، ندب، وجوب۔ ان الفاظ کی تسفیر کی چنداں ضرورت نہیں۔ اہل علم اصول فقہ سے معلوم کرسکتے ہیں اور عوام کے لئے یہ ضروری نہیں۔

جس طرح علوم قرآن میں سے مذکورہ امور کی معرفت ضروری ہے اسی طرح حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی ان تیرا ۱۳ چیزوں کا جاننا ضروری ہے۔ صحیح' ضعیف

سند اور مرسل کا جاننا، اور ترتیب کتاب کی سنت پر، اور ترتیب سنت کی کتاب پر یعنی دونوں کے رتبہ کا نگاہ رکھنا اور ان کے حکم کو موافق (تطبیق) کرنا جس میں ایسا نہ ہو کہ کوئی ایسی حدیث پائیں کہ وہ ظاہر میں قرآن کے خلاف ہو تو پھر حکم مجمل رہ جائے اور حدیث نبوی تو ایسی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو قرآن کے معنی مضمون کی تفسیر ہوتی ہے۔

اور ان باتوں کا جاننا اُن آیت، حدیثوں میں جو احکام شرع وارد ہیں واجب ہے۔

اور قصے، اخبار اور وعظ کے طور پر جو آیت حدیث ہیں ان چیزوں کا جاننا واجب نہیں۔

اور اسی طرح اُسی قدر علم لغت کا جاننا واجب ہے جس قدر لغتیں ان آیات، حدیثوں میں آئے ہیں جن میں احکام شرع ہیں، عرب کی تمام لغتوں کا جاننا ضروری نہیں۔

اور لغت میں اس قدر دخل ہونا چاہئے جس سے کلام عرب کے مطلب کو دریافت کرسکیں اور مقام اور احوال کا اختلاف سمجھ سکیں، کیونکہ اللہ اور رسولؐ نے عربی زبان میں حکم فرمایا ہے۔ لہٰذا جو کوئی اس زبان (عربی) سے ناواقف رہیگا وہ شرع کے احکام سے بھی ناواقف ہوگا۔

اور اس بات کا جاننا اور واقف ہونا بھی ضروری ہے کہ صحابہ اور تابعین کے اقوال جو احکام شرع میں وارد ہیں اور فقہائے امت کے اقوال معتبرہ سے جو فتاوی صادر ہوئے ہیں۔ تاکہ اس شخص کا حکم ان لوگوں کے قول کے مخالف نہ ہو۔ ان کے اقوال کی مخالفت کرنا گویا اجماع کی خلاف ورزی ہے۔

پس جس شخص نے مذکورہ باتوں کو بخوبی جانا وہ مجتہد ہے، اور یہ شرط نہیں کہ صحابہ اور تابعین کے سارے قول سے واقف ہو کہ ان کا کوئی قول چھوٹنے نہ پائے۔ اور جو شخص مذکورہ باتوں سے واقف نہیں ہے تو اس کو تقلید کے سوا کوئی چارہ نہیں، اور ایسا شخص جو اماموں کے مذہب میں سے کسی ایک امام کے مذہب کو اختیار کر چکا ہے تو اس کو اپنی رائے اور اجتہاد پر حکم لگانا اور فتویٰ دینا نہیں چاہئے، اور اسے یہ حق ہرگز حاصل نہیں۔

اور جب کسی شخص میں مذکور تمام باتوں کا علم جمع ہو، اور وہ شخص خواہش نفسانی اور بدعات سے کنارہ کش ہو صاحب تقویٰ ہو اور گناہ کبیرہ سے اجتناب کرنے والا ہو، اور گناہ صغیرہ پر مُصِر نہ ہو تو اس کو درست ہے کہ شرع میں اپنے اجتہاد اور فتوی سے حکم لگا دے، اور جس شخص کے اندر یہ سب شرطیں جمع نہیں ہیں تو اس کو مجتہد کی تقلید واجب ہے۔ اُن نئے حادثوں اور واقعات کے اندر جو پیش آئیں۔

دوسرا مقدمہ

فقہ اور اجتہاد، فقہا و صوفیا کی ماہیت، سرور انام صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام کا حکم۔ اولیائے کرام کے الہام کا حکم، علوم دینیہ کے اقسام، امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا معرفۃ النفس مالھا وما علیھا نفس کو نفع دینے والے اور ضرر پہنچانے والے امور کی معرفت اور پہچان، فقہ ہے۔ پس یہ تعریف اعتقادیات (علم کلام) وجدانیات (علم تصوف) عملیات (علم فقہ) کو بھی حاصل ہے۔

اس تعریف میں "عملاً" زیادہ کیا جاتا ہے تو ایسی صورت

میں فقہ کی حد سے پہلے دو علوم (یعنی علم کلام و تصوف) خارج ہو جاتے ہیں۔ کذا فی التوضیح۔

بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت میں لکھا ہے۔ حسیات کے ساتھ مخصوص کرنا جو اعضاء سے متعلق عملیات ہیں، تصوف سے احتراز کرنا ہے کیونکہ اس میں قلوب کے اعمال سے بحث ہوتی ہے مثلاً وجوب توبہ، حرمت بخل و کبر اور قضاء و تقدیر الٰہی سے رضا کا وجوب و لزوم۔ یہ سب بعد کی پیدا کی ہوئی چیزیں ہیں اور یہ تخصیص صحابۂ کرام اور تابعین کے زمانہ میں نہ تھی۔ اور اصطلاح کے بدلنے میں کوئی فائدہ اور نقصان بھی نہیں ہے۔ لہٰذا اولیٰ یہی ہے کہ "فقہ" اعمالِ جوارح اور قلب دونوں کو شامل ہو۔ ہاں علم کلام سے احتراز کرنا یہ بھی اگرچہ کہ بعد کی بنائی ہوئی بات ہے، صحابہ اور تابعین کے درمیان رائج نہ تھی، اس لئے الفقہ کو امام اعظم نے فقہ اکبر کہا اور فقہ کی تعریف بھی ایسی کی جو اس کو بھی شامل ہے اور وہ معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا ہے لیکن یہ متاخرین کے درمیان مشہور عرف ہے۔ اس کے خارج کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ غرض الفقہ سے تصوف و کلام کا خارج کرنا متاخرین کی اصطلاح ہے۔

پس اسی سے جاننا چاہئے کہ اجتہاد علماء فقہ کے ساتھ ہی خاص نہیں صوفیاء بھی اجتہاد میں فقہا کے ساتھ شریک ہیں۔ شیخ الہند "مرج البحرین" میں فرماتے ہیں۔ اس طائفہ صوفیہ کے بھی خاص طریقے، آداب، اصطلاحات اور مستحسنات ہیں، جیسے خانقاہوں کی تعمیر، الباس خرقہ، اجرائے مقراض، کیفیات ذکر، خلوت گزینی اور اجتماع سماع وغیرہ اور علماء فقہ کی طرح ان امور کے اندر صوفیہ کے اجتہادات اور استنباطات ہیں۔ اور یہ بھی ابواب علم کی ایک قسم ہے کہ جس میں اجتہاد کی صحت اور اس کے شرائط اور سنت و بدعت کی تحقیق سے بحث ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مقام پر صوفی اور فقیہ دونوں برابر ہیں اور دونوں سے اپنے اصل کے وجود اور دلیل کی صحت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔

مولوی دہلوی "صراط مستقیم" کے پہلے باب میں لکھتے ہیں، شریعت کا ایک باطن ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے قلب کا تعلق ہے۔ ایک ظاہر ہے اور وہ اوامر کی پیروی اور مناہی سے اجتناب ہے۔

و نیز اسی میں لکھتے ہیں اور چونکہ اصحاب طرق (مختلف سلاسل) کے اولیاء کبار نے فن باطن شریعت میں امامت حاصل کی اور اصلاح قلب کے قواعد میں (جو دین متین کا خلاصہ ہیں) اجتہاد کی قوت حاصل کی تھی۔

جب حب ایمانی کو متواترات اور یقینیات دینیہ سمجھا اور اس کے حاصل کرنے کے طریقوں کو جمہور اہل ملت نے محفوظ پایا۔ یہاں تک کہ عوام اہل ملت میں سے ہر عامی (جو ان کے بابرکت زمانہ میں موجود تھا) اللہ کی اطاعت، جوازِ مطلق کے احکام کی پیروی، شرع نبویؐ کی پابندی اور دین مصطفویؐ کو اپنا دین بنا لینے کو یقینی طور پر اپنے ذمہ فرض جانتا تھا اور شکر منعم اور اس کی محبت کی اچھائی اور کفرانِ منعم اور اسکی مخالفت کی برائی کو تمام بدیہات میں سے سب سے زیادہ بدیہی شمار کرتا تھا۔ اس بنا پر ان اولیائے کرام نے اپنے پیروں کے اذہان میں ان

حقائق کو مسلم الثبوت پایا تو حب ایمانی (یعنی طور ولایت) اور اسکے لوازم کی بحث تحصیل حاصل سمجھ کر احکام حب عشقی (یعنی طریقۂ ولایت) کی تفصیل اور اس کے ثمرات کی وضاحت اور ان کی تحصیل کی راہوں کے احاطہ کا قصد کیا اور اس امر میں بڑی کوشش کی اور اہل اسلام کے جم غفیر کو نفع عظیم پہنچایا اور اس سبب سے بارگاہ رب العالمین میں عظیم وجاہت اور بڑی عزت پائی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں ان کے مراتب و درجات بلند کرے۔

اسی وجہ سے شیخ الاسلام نے "منازل السائرین" میں ان سو مقامات کا ذکر کیا جو سفر اول بین العبد والرب میں واقع ہیں اور ان تمام مقامات کو آیاتِ قرآنی کی دلیلوں سے ثابت کیا ہے۔

اور سند العلماء "سورۃ البقرہ" کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وہ چھ گروہ ہیں جن کی پیروی اللہ کے حکم سے فرض ہے۔ ان میں سے مجتہدین شریعت اور شیوخ طریقت بھی ہیں، کہ جن کا حکم عوام کے لئے بطریق واجب مخیر لازم الاتباع ہے، اس لئے کہ اسرارِ شریعت اور دقائق طریقت کا سمجھنا ان (مجتہدین اور صوفیاء) کے لئے آسان اور سہل بنایا گیا ہے۔ واسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون اہل ذکر سے دریافت کر لو اگر تم نہیں جانتے۔

یہ بھی جاننا چاہئے کہ سرورِ انام صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام حجت قطعی ہے اور اولیائے کرام کا الہام اختلافی اور غیر قطعی ہے۔ "صاحب مسلم الثبوت" نے کہا حضور اکرم کا الہام حجت قطعی ہے۔ آپ کے لئے بھی اور غیروں یعنی امت کے لئے بھی حجت ہے۔ حضور اکرمؐ کے سوا دوسروں کے الہام سے متعلق یہ جو کہا گیا کہ احکام میں حجت ہے۔ یہ قول ایک صوفیاء کے گروہ اور جعفریہ کے جانب منسوب ہے۔ اور یہ جو کہا گیا کہ "صرف صاحب الہام پر حجت ہے"۔ یہ قول عامۃ العلماء کی طرف منسوب ہے اور جو کہا گیا کہ "اصل میں حجت نہیں" یہ قول ابن الہمام کی جانب منسوب ہے۔

بحر العلوم نے "شرح مسلم الثبوت" میں لکھا ہے کہ اس طریقہ کا علم اس علم سے زیادہ بلند ہے جو غیر قطعی ادلہ سے حاصل ہوتا ہے۔ اس شیخ (ابن ہمام) جیسوں سے یہ نہایت تعجب انگیز بات ہے، ایک طرف علم (یعنی الہام) کو ترک کر دیا۔ شاید انہوں نے یہ زعم کیا کہ الہام خطرات کے قسم کی ایک بات ہے جو قلب میں پیدا ہوتی ہے حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے۔ کیا تم نے اپنے زمانہ کے قطب شیخ ابو یزید البسطامی سے نہیں سنا کہ انہوں نے ایک محدث کو لکھا تم ایک میت سے، جو دوسری میت سے روایت کرتا ہے علم حاصل کرتے ہو اور پھر اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے ہو لیکن ہم اس زندہ وحیّ (اللہ) سے علم حاصل کرتے ہیں جس کو موت نہیں۔

اور اگر تم شیخ محی الدین ابن عربی، قطب وقت سید محی الملۃ والدین سید عبد القادر جیلانی جن کا قدم تمام ولیوں کی گردنوں پر ہے، شیخ عبد اللہ تستری، شیخ ابو مدین المغربی، شیخ ابو یزید بسطامی، سید الطائفہ جنید بغدادی، شیخ ابو بکر شبلی شیخ عبد اللہ انصاری اور شیخ احمد النامقی الجامی اور ان کے

علاوہ دیگر اولیائے کرام کے مقامات و حالات و جد اور اذواق میں غور و فکر کرو تو عقل یقین سے جان لوگے کہ ان کو جو الہام کیا گیا ہے اس میں کوئی شبہ راہ نہیں پا سکتا، بلکہ وہ حق ہے' حق ہے' حق ہے۔ اور نفس الامر کے مطابق ہے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ یہ علم ضروری پیدا کر دیتا ہے کہ وہ الہام اللہ کی طرف سے ہے لیکن وہ (اولیاء) اس ظرفِ علم (الہام) کو صرف مدد اور تائید محمدیؐ ہی سے پاتے ہیں۔ بالذات بغیر وسیلہ کے ہرگز حاصل نہیں ہوتا۔ اگر شیخ اکبر خلیفۃ اللہ فی الارضین خاتم فص ولایت محی الملۃ والدین شیخ ابن عربی قدس سرہ وقفنا بفصص کلماتہ الشریفہ کے کلام میں غور و فکر کریں تو تمہیں کبھی وہم کا شک شبہ باقی نہیں رہیگا کہ ان کو جو الہام کیا جاتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور وہ ایسی چیز ہے جو اس قابل ہے کہ وہ تم کو اس بات کی تنبیہ کرے کہ وہ (الہام) دین کے علم ضروری میں سے ہے۔ کیونکہ اس امت کے اولیاء گذری ہوی امتوں کے اولیاء سے افضل ہیں' جیسا کہ اس امت کے نبیؐ انبیائے سابقین سے افضل ہیں۔ اور کوئی شک نہیں کہ بنی اسرائیل میں جو اولیاء موجود تھے مثلاً حضرت مریم۔ ام موسیٰ' اور زوجۂ فرعون' جن کی طرف وحی کی جاتی تھی جو کم از کم الیا الہام تھا جس کے ساتھ یہ علم ضروری بھی پیدا ہوتا تھا کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے بس وہ قطعی حجت ہے۔

اگر اس امتِ مرحومہ میں سے تحصیل علم قطعی میں کوئی ان سے فاضل تر نہ ہو تو ایسی صورت میں امت مرحومہ کا شخص ان اولیاء بنی اسرائیل سے فضیلت میں انتہائی درجہ کم مرتبہ ہوگا اس لئے کہ تفاضل (ایک دوسرے پر فضیلت) صرف علم سے ہے اور علم کے ماسوا کسی اور چیز میں فضیلت کا اعتبار نہیں۔

شیخ کبیر صدرالدین قونوی "تبصرہ" میں فرماتے ہیں امتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کامل اولیاء کی ایک جماعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اذواق میں سے ایک حصّہ میسّر ہے اور ان کو اولیاء کے انبیاء کہتے ہیں اور حقیقت میں یہی حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخوان' وارث اور خلفاء ہیں' اور فرمانِ مصطفےٰ "میرے بعد آنے والے بھائیوں کی ملاقات کا کیا ہی شوق ہے۔ اسی خاص طبقہ کی طرف اشارہ ہے اور یہی طائفہ اس فرمانِ محمدیؐ کا مصداق ہے۔ علماء امتی کانبیاء سائرالامم وممن خلقنا امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون اور جن کو ہم نے پیدا کیا اس میں ایک امت ہے جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور حق کے ساتھ عدل کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جب اوپر جاتے ہیں تو فائدہ حاصل کرتے ہیں اور جب نیچے اترتے ہیں تو دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں۔

"تبصرہ" میں ایک اور جگہ شیخ قونوی لکھتے ہیں:

بجز نبوت تشریع کے (جو ان کے درمیان نہیں ہے اس لئے کہ وہ نبوت تشریع ایک بند دروازہ ہے ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین) دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام

کے اذواق و مکاشفات میں ان کا حصہ ہے یا ابابکر لیس بینی و بینک فرق الا انی بعثت اے ابوبکرؓ مجھ میں اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں بجز اس کے کہ میں مبعوث ہوا ہوں یا عمر لولم ابعث لبعثت اے عمرؓ اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو تم مبعوث ہوتے۔

امام ربانی جلد دوم کے ۵۵ ویں مکتوب میں فرماتے ہیں: یہ بات صحیح ہے کہ خواص اہل اللہ، اللہ کی ذات و صفات اور افعال کی معارف میں بعض ان اسرار و دقائق کا علم رکھتے ہیں جن سے ظاہر شریعت ساکت ہے۔ علماء ظاہر امور دین کے اندر اخبار غیبیہ کو، اخبار پیغمبراں کے ساتھ مخصوص جانتے ہیں اور دوسروں کو ان غیبی اخبار میں شریک نہیں سمجھتے یہ بات معنی وراثت کے منافی ہے، اور بہت سارے علوم و معارفِ صحیحہ جو دینِ متین سے متعلق رکھتے ہیں، ان کی نفی ہے۔ البتہ شرعی احکام کا ادلۂ اربعہ سے تعلق ہے جن میں الہام کی گنجائش نہیں لیکن امور دینیہ جو احکام شرعیہ کے علاوہ ہیں، وہ بہت ہیں۔ اور ان میں اصل خاص الہام ہے اور یہ اصل عالم کے فنا ہونے تک قائم ہے بس دوسروں کو ان بزرگوں سے کیا نسبت۔

سوال: جب دین کتاب و سنت سے مکمل ہو گیا تو کمال کے بعد الہام کی کیا ضرورت ہے اور وہ کونسی کمی رہ گئی تھی جو الہام سے پوری کی جائے؟

جواب: الہام دین کے کمالاتِ خفیہ کو ظاہر کرنے والا ہے نہ کہ دین میں زائد کمالات کو ثابت کرنے والا۔ جس طرح اجتہاد مظہر احکام ہے، اسی طرح الہام مظہر دقائق و اسرار ہے۔ جن کے جاننے سے اکثر لوگوں کی سمجھ قاصر ہے۔ اگرچہ کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے، کیونکہ اجتہاد کا اعتماد عقل ورائے پر ہے اور الہام کا اعتماد خالق عقل ورائے (اللہ) پر ہے۔ بس الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہو گئی جو اجتہاد میں نہیں ہے۔ الہام نبیؐ کے اعلام اور اخبار کے مانند ہے جو ما قدسنت ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا۔ الہام اگرچہ کہ ظنی ہے اور نبی کا اعلام قطعی ربنا اٰتنا من لدنک رحمۃ وھیئ لنا من امرنا رشدا۔

مولوی دہلوی صراط مستقیم کے پہلے باب میں لکھتے ہیں، اس سے اعلیٰ وارفع درجہ نیابت عن اللہ کا مقام ہے جس کا تعلق حدود شرعیہ کے مقرر کرنے اور حقیقتِ حکم کی جگہ مظنتِ حکم کو قائم کرنے اور عموماً تربیت نوع انسانی کے ارکان، آداب شروط اور مفسدات کے معین کرنے سے ہے۔ فی الحقیقت یہ مقام اصحاب شرائع انبیاء و مرسلین کا مقام ہے۔ اور ان (انبیاءٔ و مرسلین) کی مکمل طاعت کے سبب اس مقام کا ایک پرتو انبیائے کرام کے عظیم المرتبت متبعین کو حاصل ہوتا ہے جن کو صوفیاءٔ کے عرف میں "مفہمین" کہتے ہیں اور اس مقام کو پیشوا، ارباب تعلیم و مقتدائے اصحاب تفہیم حضرت شیخ ولی اللہ قدس سرہٗ کی اصطلاح میں "مقام قرب فرائض" سے تعبیر کرتے ہیں۔

مولوی دہلوی "خاتمہ صراط مستقیم" میں لکھتے ہیں کمالات ولایت کے طریق استفادہ کے باب میں پہلے یہ جاننا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے ہر طریقہ میں مجاھدات، ریاضات، اذکار

اشغال اور مراقبات متعین کئے گئے ہیں۔

و نیز اسی میں لکھتے ہیں کہ اشغال، اذکار، مجاہدات اور مراقبات فی الحقیقت تشریع کا ظل اور پر تو ہیں، اور جو شخص مقام قرب فرائض میں قائم ہے اگر وہ عزیز، انبیاء کی قسم سے ہو تو لازم ہے کہ صاحب شریعت مجددہ ہو۔ ورنہ اللہ تک پہنچانے والے طریق کے اوضاع کا تعین اسکے اصل طبیعت سے فوارہ کے مانند جوشندن ہوتا ہے اور اس میں تعلیم و تعلّم کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور یہ جاننا چاہئے کہ علوم دینیہ کی کئی قسمیں ہیں، شرح مشکوٰۃ "کتاب العلم" میں شیخ الہند لکھتے ہیں کہ علم سے علم دین مراد ہے جو کتاب و سنت سے متعلق ہو، اسکی دو قسمیں ہیں:۔ مبادی اور مقاصد۔ مبادی وہ علوم ہیں جن کا تعلق اعمال و اخلاق اور عقائد سے ہے اور یہ سب علم معاملہ ہیں۔ اور علم مکاشفہ وہ نور ہے جو طریق حق کے سلوک اور صدق معاملہ کے بعد دل میں پیدا ہوتا ہے جس کے بعد حقائق اشیاء کی کماحقہ معرفت منکشف ہوتی ہے اور ذات وصفات اور افعال حق سبحانہ' و تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے اور اس کو علم حقیقت اور علم وراثت کہتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لا یعلم جو شخص اپنے حاصل کئے ہوئے علم پر عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس علم کا وارث بناتا ہے جس کو وہ نہیں سیکھا۔ چنانچہ آیت واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ میں بھی اسی معنی کی طرف اشارہ ہے۔ اور علم ظاہر و باطن جو کہتے ہیں اس کے بھی یہی معنی ہیں اور ان میں سے ایک کی دوسرے سے نسبت، بدن اور جان اور پوست اور مغز کی ہے۔ آیات واحادیث جو علم کی شان و فضیلت کے باب میں وارد ہیں، وہ ان تمام اقسام پر بتفاوت مراتب ودرجات شامل ہیں۔

مولوی دہلوی "مقدمہ ناسخ الحق" کے فصل اوّل میں لکھتے ہیں: امر دین سے مراد وہ چیز ہے جس سے احکام شارع کا تعلق ہوسکتا ہے جیسا کہ فرمایا اذا امرتکم بشئ من امر دین فاخذوہ بہ جب میں تمہارے دین کے امر میں کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر عمل کرو۔ اس معنی امر دین بطریق استقراء، عقائد حقہ اخلاق جمیلہ، مقامات حالات، واردات قلبیہ، اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ میں خواہ جنس عبادات سے ہوں یا جنس عادات سے ہوں، یا جنس معاملات سے ہوں منحصر ہے۔

اسی سے یہ بات ظاہر ہے کہ احکام شرعیہ، ادلّہ اربعہ سے مربوط ہیں جن میں الہام کی کوئی گنجائش نہیں، لیکن احکام شرعیہ کے علاوہ امور دینیہ بہت ہیں جن میں اصل خاص الہام ہے۔ مقامات حالات، واردات اور اخبار غیبیہ جو اولیائے کرام اور وارثین انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات ہیں الہام سے مربوط ہیں۔

اور امور غیبیہ عقائد حقہ ہیں یا اعمال انسانیہ، اول کو علم کلام کہتے ہیں اور ثانی (یعنی اعمال انسانیہ) اعمال بدنیہ ہیں یا اعمال قلبیہ اور ان میں سے اول (یعنی اعمال بدنیہ) کو جو اقوال لسانیہ اور افعال جسمانیہ ہیں علم فقہ کہتے ہیں۔

اوران میں سے ثانی (یعنی اعمالِ قلبیہ) کو اگر رذائل سے خالی اور فضائل سے مزین ہو تو اس کو اخلاقِ جمیلہ کہتے ہیں اور اگر حالاتِ قدسیہ کے انوار سے قلب منور رہو تو اس کو علم تصوف کہتے ہیں۔ (جاری)

مکتوب حضرت قطب ویلور قدس سرہٗ

ترجمہ و تلخیص:- مولوی حافظ بشیر الحق قریشی ادھونی استاذ دار العلوم لطیفیہ

قدوۃ السالکین شیخ الشیوخ حاجی الحرمین حافظ القرآن مولانا محی الدین شاہ سید عبد اللطیف قادری نقوی المعروف حضرت قطب ویلور نے ذیل کا مکتوب اپنے مرید مولانا شاہ عبد اللہ کے نام روانہ کیا ہے جس میں آپ نے شاہ صاحب کو ان کی درخواست پر دعوت الی اللہ کے فرض کو انجام دینے کی اجازت مرحمت فرماتے ہوئے مہر و دستخط کے ساتھ "اجازت نامہ" روانہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ کسی مرید کو خرقۂ خلافت دینے کے لیے کن باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔ وصول الی اللہ کے طریقوں کی وضاحت کرتے ہوئے مرشد کامل کی صحبت کو ان میں افضل طریقہ بتلایا ہے۔ شاہ صاحب کو خصوصیت کے ساتھ ہدایت دی ہے کہ اس خط کے ساتھ دعوتِ اسلام کے رقعے راجاؤں اور دیگر لوگوں کے نام روانہ کئے گئے ہیں جن کی نقلیں اتار کر بلا د آصفیہ میں کسی لائق و فائق شخص کے ذریعہ بعد عزت و احترام اور کمال نرمی و آشتی کے ساتھ اسلام کی دعوت پہنچائیں۔

مترجم بشیر الحق غفرلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پس از سلام مسنون ظاہر خاطر سعادت ذخائر باد النفات نامہ مرقوم ۱۲۸۷ھ رسید، چون متضمن طلب اجازتِ دعوت الی اللہ بود بخاطر فرحتہا رسانید۔

ایں کار دولت ست کنوں تا کرا رسید

قال اللہ تعالیٰ ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وقال ایضا قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ بصیرۃ انا ومن اتبعنی بہ برکتِ ہمیں دعوت در عرصۂ بست و چند سال در طول از کابل تا دریائے مغرب و در عرض از روم تا عدن خالق پرست گردیدند، و از بلاء مخلوق پرستی رہیدند۔ و بہ ترک ہمیں دعوتِ حقہ مخلوق پرستاں بر دعوت باطلہ کمر بہ کمر بستہ اند۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

دریں زمان غفلت تواماں کہ ازاں سعادت آثار طلب اجازت دعوت رفتہ بود خاطر را بغایت مسرور نمود۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

قطب المقربین شاہ محمد غوث گوالری در اورادِ غوثیہ می فرماید، بعضے فرمودہ اند کہ چوں سالک را ایں مقدار یقین شدہ باشد کہ فاعل حقیقی حق تعالیٰ است، ردو قبول خیر و شر، مرادی و نامرادی، قہر و لطف، قبض و بسط، عزّت و دولت، فراخی و تنگی حیات و موت ہمہ ازوست۔ بے او کسی متصرف نیست، تصدیق داشتہ باشد کافی ہست کہ او را خرقہ خلافت دہند۔

لہٰذا اجازت نامہ بمہر و دستخط فرستادہ شد حق جل مجدہٗ قاید شما باد بجیبہٖ و آلہ الامجاد۔

دیگر آں کہ طرق وصول الی اللہ چہار اند۔ ذکر و فکر یعنی مراقبہ و تلاوتِ قرآن و صحبتِ شیخ کامل مکمل، اما صحبتِ شیخ از ہمہ طرق افضل و حکم اکسیر دارد۔

ازیں جا است کہ صدقہ زر برابر کوہِ اُحد از خیرالتابعین اُویس قرنی بصدقہ مُدّ جو ادنیٰ اصحابی برابری نہ کند۔ وجہش آنکہ قلب چندگاہ تابع حس می باشد پس ناچار ہر چہ از حس دُور ہست از قلب نیز دُور است حدیث من لم یملك عینه فلیس القلب عنده اشارت بایں مرتبہ است و در نہایت کار چوں قلب را تبعیّتی بہ حس نمی ماند دوائی از حس در قرب قلبی تاثیر نہ کند۔

لہٰذا مشائخ مبتدی و متوسط را مفارقت از صحبتِ شیخ کامل تجویز نفرمودہ اند و چوں صحبت چنیں شیخ میسر نہ شود۔ تلاوت قرآن بتدبر معانی بہترین عبادت ہست رزقنا اللہ و ایاکم بحرمۃ سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

مرقوم بود کہ مین روانگی سمت لنگ سگور خطے بذریعہ عبدالرحیم صاحب ضیا (حیدر آبادی) فرستادہ ام، سعادت آثارا خط مذکور بفقیر موصول نگردید۔

فقیر عزم جزم حرمین شریفین دارد و از حضرت امیدواری ہست تا در بمبئی از ملاقات شریف مشرف فرماید۔ دل سخنہا دارد و قلم از ترجمان آں معذور بود، احوال ایں حدود قرین شکر است لہ الحمد والمنۃ۔

سعید دارین محمد سعادت اللہ و خلیل الرحمان و سائر احباب دیندار سلام مسنون مہدا باد۔

عمر بگذشت و حدیث درد من آخر نشد
شب بآخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

دو قطعہ دعوت نامہ یکے بر اجایان، دویم بسائر مشرکان ملفوف اند در جائے خالی الی الامیر ابن الامیر یا الی الامیر الکبیر راجہ صاحب فلاں موضع نوشتہ نقول آں بر چھاپہ یا کتابت کنانیدہ بکمال نرمی و آشتی و عزت و احترام در بلادِ آصفیہ بواسطۂ مردِ لائق یا بر انجیل دعوت نامہا روانہ فرمایند و ہمچنیں مشغولِ دعوتِ باطنی باشند۔

کار این است غیر ایں ہمہ ہیچ

فقط والسلام

ترجمۂ مکتوب

پس از سلام مسنون آپ کے خاطر سعادت ذخائر پر یہ بات ظاہر ہو کہ گرامی کا لکھا ہوا التفات نامہ موصول ہوا جو دعوت الی اللہ کی اجازت کی طلب پر مشتمل تھا۔ دل کو خوشیاں حاصل ہوئیں سہ

این کار دولت ہست کنوں تا کرا رسد

ارشادِ خداوندی ہے (من احسن قولا ممن دعا الی اللہ (حٰم السجدہ) اور اس سے بہتر کس کی بات جس نے اللہ کی طرف بلایا ونیز ارشاد ربانی ہے قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی (یوسف) کہہ دیجیئے، یہ میری راہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں اور وہ بھی جو میرے پیروکار ہیں —— اسی دعوت کی برکت سے بیس سال کے عرصہ میں طول میں کابل سے دریائے مغرب تک اور عرض میں روم سے عدن تک لوگ خالق پرست ہوگئے ہیں اور مخلوق پرستی کی بلاء سے چھٹکارا پاگئے ہیں اور اسی دعوتِ حقہ کے ترک کرنے کی وجہ سے دعوتِ باطلہ پر مخلوق پرستاں کمربستہ ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت ایں چہ بو العجبی ست

آپ جیسے سعادت آثار اس دورِ غفلت نشان میں دعوت الی اللہ کی اجازت طلب کرنے سے دل کو بے پایاں مسرت حاصل ہوئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

قطب المقربین شاہ محمد غوث گوالری "اورادِ غوثیہ" میں فرماتے ہیں، بقول بعض صوفیاء جب سالک کو ان باتوں کا یقین حاصل ہوا اور وہ اس حقیقت کی تصدیق کرتا ہو، کہ حق تعالیٰ ہی فاعل حقیقی ہے، خیر و شر کا قبول اور انکار، کامیابی و ناکامیابی، قہر اور لطف، قبض و بسط، عزت اور دولت، فراخی و تنگی، زندگی اور موت، یہ سب اسی سے ہے، اس کے بغیر کوئی متصرف نہیں تو ایسے شخص کو خرقہ خلافت دیں۔ اسی لئے اجازت نامہ مہر اور دستخط کے ساتھ بھیجا گیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک اور ان کی آلِ امجاد کے طفیل تمہاری رہبری فرمائے۔ آمین

دوسری بات یہ ہے کہ وصول الی اللہ کے طریقے چار ہیں، ذکر اور فکر یعنی مراقبہ، تلاوتِ قرآن اور صحبتِ مرشدِ کامل و مکمل (جو خود کامل ہو اور دوسروں کو کامل بنا سکتا ہو) شیخ مربی کی صحبت تمام طریقوں سے افضل ہے اور اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے خیر التابعین حضرت اویس قرنیؓ کا کوہ احد کی مقدار سونا صدقہ کرنا ایک ادنیٰ صحابی کے مد جَو کے صدقہ کے برابر نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قلب بعض اوقات حواس کے تابع ہوتا ہے جو حواس سے دور ہے وہ قلب سے بھی دور ہے۔ بقولِ کلام نبوت من لم یملك عینه فلیس القلب عندہٗ (جو شخص نگاہ کا مالک نہیں اس کے نزدیک دل بھی نہیں) اسی مرتبہ کی جانب اشارہ ہے، اور آخر کار

جس وقت قلب کو حواس کی تبعیت حاصل نہ ہو' قرب قلبی میں حواس کی کوئی تاثیر نہیں۔ اسی لئے مشائخ کرام مبتدی اور متوسط کو شیخ کامل کی جدائی و مفارقت کو جائز نہیں دیتے۔ اگر ایسے مرشد روحانی کی صحبت میسر نہ ہو تو قرآن کریم کے معانی میں غور وتدبر کے ساتھ تلاوت بہترین عبادت ہے رزقنا اللہ وایاکم بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین۔

اے سعادت آثار! آپ نے لکھا ہے کہ لنگ سگور جاتے ہوئے ایک مکتوب عبدالرحیم ضیا (حیدرآبادی) کے ذریعہ روانہ کیا ہوں' فقیر کو مذکورہ خط نہیں پہنچا۔ فقیر حرمین شریفین کا عزم صمیم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ بمبئی میں آپ کی ملاقات سے مشرف فرمائے گا۔ دل میں بہت سی باتیں ہیں جن کی ترجمانی سے قلم قاصر ہے۔ اب تک کے حالات لائق شکر ہیں' لہ الحمد والمنۃ

سعید دارین محمد سعادت اللہ اور خلیل الرحمان اور تمام دین دار احباب کو ھدیۂ سلام مسنون ارسال ہے۔

عمر بگذشت وحدیث درد من آخر نہ شد
شب باخر شد کنوں کوتہ کنم افسانہ را

دعوت اسلام کے رقعے دو قسم کے بھیج رہا ہوں۔ راجاؤں کے نام اور تمام مشرکین کو۔ خالی جگہ میں الی الامیر ابن الامیر یا الی الامیر الکبیر راجہ صاحب فلاں موضع لکھتے ہوئے ان دعوت ناموں کو چھاپ کر' یا کتابت کرکے کمال نرمی وآشتی' اور عزت واحترام کے ساتھ بلاد آصفیہ میں کسی لائق آدمی کے ذریعہ یا ڈاک کے ذریعہ روانہ فرمائیں۔

اور اسی طرح اصلاح وتزکیہ اور دعوت باطنی میں مشغول رہیں۔ دراصل یہی کام اصل ہے۔ باقی سب ہیچ ہے۔

والسلام

وفات پانے والے کے نزدیک سورۂ یٰسین کی تلاوت کی جائے

عن ابی ذر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما من میت یموت فیقرء عندہ یٰسٓ الا ھون اللہ علیہ۔

حضرت ابو ذرؓ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص بھی وفات پا رہا ہو اس کے پاس یٰسٓ پڑھی جائے تو اللہ تعالیٰ موت کو اس کے لئے آسان کر دیتا ہے۔

سعید بن منصور نے روایت کیا ہے کہ عفیف بن حارث کی موت کا وقت آیا تو جو لوگ قریب تھے ان سے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا تم میں سے کوئی شخص سورۂ یٰسٓ پڑھ سکتا ہے؟ ایک شخص نے کہا ہاں! پڑھ سکتا ہوں۔ انہوں نے کہا ٹہر ٹہر کر پڑھو۔ اور دوسرے لوگ خاموش رہیں۔ وہ پڑھنے لگا۔ لوگ خاموش سنتے رہے۔ جب سورۃ ختم ہوئی تو ان کی روح پرواز کر گئی۔

فتویٰ — ایک اہم

قدوۃ السالکین شیخ الشیوخ حاجی الحرمین حافظ القرآن مولٰنا محی الدین سید شاہ عبداللطیف قادری لقوتی المعروف بہ قطب ویلور قدس سرہٗ نے مولانا الحاج صبغۃ اللہ صاحب میلاپوری کے استفسار پر ذیل کا فتویٰ تحریر کیا تھا جو فسخ بیعت، شیخ کامل کے مقام و مرتبہ اور ان کے حقوق کی نوعیت اور ان کی دلشکنی سے انقطاعِ فیض وغیرہ سے متعلق ہے۔ اصل فتویٰ بھی ترجمہ کے ساتھ ہدیۂ ناظرین ہے۔

سوال شخصے از شیخ صاحب طریقت مشہور الآفاق صحیح العقیدہ دست بیعت دراز کردہ پستر بہ انکارش پردازد و جادۂ ارتداد پیماید و نسبت شیخ و شیوخ سوء ادبی ہا نماید، حکمش شرعًا و طریقتًا چیست بیّنوا و توجروا۔

الجواب

ہر کہ فسخ بیعت شیخ کامل بنماید مرتدِ طریقت است۔ شیخ محمد غوث گوالیری در "اورادِ غوثیہ" می فرماید کہ ابتداء ارادت فعلِ مُرید است بعد از بیعت اختیار پیر است و حیات پیر و بلاغت مرید شرط است چوں بعد از اختیار مرید خواہد کہ بگردد، گردیدن نتواند اگر صد جا بیعت گیرد مرید نشود، بیعت بہماں شخص ثابت است کہ اول مرید کردہ باشد، ردّ و قبول او پیش ہماں پیر است۔ حکم عقد دارد و آں مجازی

سوال: شہرہ آفاق صحیح العقیدہ صاحب طریقت پیر سے ایک شخص بیعت کرنے کے بعد اس کا انکار کر رہا ہے اور ارتداد کی روِش اختیار کیا ہے اور اپنے پیر اور پیر کے شیوخ کی نسبت بےادبی کا اظہار کر رہا ہے۔ شریعت اور طریقت کی رُو سے اس کا حکم کیا ہے۔ بینوا و توجروا

الجواب:

جو شخص بھی پیر کامل کی بیعت فسخ کرے وہ طریقت میں مُرتد ہے۔ شیخ محمد غوث گوالیری" اوراد غوثیہ" میں فرماتے ہیں۔ بیعت میں پہل کرنا مرید کا فعل ہے۔ بیعت کے بعد پیر کا اختیار رہے اور اس میں شرط یہ ہے کہ شیخ زندہ ہو اور مرید بالغ ہو' اپنے اختیار سے مرید ہونے کے بعد اگر وہ بیعت توڑنا چاہے تو نہیں توڑ سکتا۔ اگر سو جگہ بھی بیعت کرے تو وہاں مرید نہیں ہوگا۔ اور جس پیر نے اس کو پہلے مرید کیا ہے اسی کی بیعت ثابت

است ایں حقیقی، اگر ازیں نگردد مرتد طریقت است۔
انتہیٰ

رد پیر و آزار او بیخ شقاوت است۔

امام ربانی شیخ احمد سرہندی در رسالہ "مبداء و معاد" می نگارد کہ حقوق پیر فوق حقوق سائر ارباب حقوق است بلکہ نسبت ندارد۔ حقوق پیر بحقوق دیگراں بعد از انعامات حضرت حق سبحانہٗ و احسانات رسول علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والتسلیمات، بلکہ پیر حقیقی ہمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم۔

ولادت صوری ہر چند از والدین ہست امّا ولادت معنوی مخصوص بہ پیر است۔ ولادت صوری را حیات چند روزہ است ولادت معنوی را حیات ابدی است۔ نجاسات معنوی مرید را پیر است کہ بقلب و روح خود کناسی می نماید و تطہیر شکنبہ او می فرماید۔ در توجہات کہ نسبت بہ بعضے مسترشدان واقع می شود محسوس می گردد کہ در تطہیر نجاست باطن ایشاں تلوثی بصاحب توجہ نیز می دود و تا زمانے مکدر می دارد۔

پیر است کہ بتوسل او بخدا می رسد۔ عزّوجل کہ فوق جمیع سعادات دینویہ و اخرویہ است پیر است کہ بوسیلۂ او نفس امّارہ کہ بالذات

رہیگی۔ اور اس بیعت کا قبول کرنا یا رد کرنا اسی پیر کا حق ہے۔ بیعت کا حکم عقد کے حکم کے مانند ہے۔ عقد مجازی ہے، اور بیعت حقیقی۔ اگر پہلے پیر سے منحرف ہو تو طریقت میں مُرتد ہے۔

پیر کا رد کرنا اور انہیں ایذا پہنچانا شقاوت و بدبختی کی جڑ ہے۔ امام ربانی شیخ احمد سرہندی رسالہ "مبدأ و معاد" میں لکھتے ہیں۔ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے انعامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کے بعد پیر کے حقوق تمام دوسرے حقداروں کے حقوق پر فوقیت رکھتے ہیں بلکہ دوسروں کے حقوق کو پیر کے حقوق سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ اور حق تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تمام کے حقیقی پیر ہیں۔

ہر چند کہ جسمانی ولادت والدین سے ہے، لیکن معنوی ولادت پیر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جسمانی ولادت کی زندگی چند روزہ ہے۔ ولادتِ معنوی کی زندگی دائمی اور ابدی ہے اور پیر ہی ہے جو مرید کی معنوی نجاستوں کو اپنے قلب و روح سے دُور کرتا ہے اور اس کے باطن کو پاک و صاف کرتا ہے۔

بعض مریدوں کے حق میں جو توجہات ہوتے ہیں ان میں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نجاستِ باطنی کی تطہیر میں کچھ آلائش صاحب توجہ کو لائق ہوتی ہے جس کا اثر کچھ مدت تک رہتا ہے۔ پیر ہی ہے جس کے توسل اور واسطہ سے (مرید) حق عزّوجل تک پہنچتا ہے اور یہ (خدا تک پہنچنا) تمام دنیاوی اور اخروی سعادتوں سے بلند تر ہے۔ پیر ہی ہے جس کے وسیلہ سے نفس امّارہ

خبیث است مزکّی ومطہّر می گردد واز امّارگی باطمینان
می رسد، واز کفر جبلی باسلام حقیقی می آید۔

ع گر بگویم شرح ایں بے حد شود

پس سعادت خود را در قبول پیر باید دانست
وشقاوت خود را در ردّ او نعوذ باللہ سبحانہ
من ذلک۔ رضائے حق سبحانہ را در پس پردہ رضائے
پیر ملفوفہ اند تا مرید در مرضئ پیر خود را گم نسازد
بمرضات حق سبحانہ نرسد، آفت مرید در آزار پیر
است۔ ہر ذلتے کہ بعد از آں باشد تدارک آں
ممکن است۔ اما آزار پیر را ہیچ تدارک
نتواں نمود آزار پیر بیخ شقاوت است مرید
را العیاذ باللہ سبحانہ من ذلک خلل در معتقدات
اسلامیہ و فتوری در اتیان باحکام شرعیہ از نتائج
وثمرات آں است از احوال ومواجید کہ بباطن تعلق
دارد، خود چہ گوید واگر اثری از احوال باوجود آزار
پیر باقی ماند از استدراج باید شمرد کہ آخر بخرابی
خواہد کشید وغیر از ضرر نتیجہ نخواہد داد۔

والسلام علی من اتبع الھدی

محی الدین عفی عنہ

(جو اپنی ذات سے گندہ اور خبیث ہے) پاک اور مطہر
ہو جاتا ہے اور وہ (نفس) امارہ کے مقام سے مطمئنہ تک
پہنچتا ہے اور کفر طبعی سے نکل کر اسلام حقیقی میں آجاتا ہے۔

گر بگویم شرح ایں بے حد شود

جاننا چاہئے کہ پیر کی قبولیت میں سعادت اور پیر کو
رد وانکار کرنے میں شقاوت وبدبختی ہے۔ نعوذ باللہ من
ذالک۔ حق سبحانہ کی رضا پیر کی رضا کے پردہ میں ہے۔
جب تک مرید اپنے پیر کی مرضی اور خوشنودی میں اپنے آپ
کو گم نہ کرے حق سبحانہ وتعالیٰ کی رضامندی حاصل نہیں
کرتا۔ پیر کو آزار دینے میں مرید کے لئے آفت ہے۔ اس کے
بعد جو ذلت بھی ہو اس کا تدارک ممکن ہے لیکن پیر کو آزار
دیئے جانے کا کسی چیز سے تدارک ممکن نہیں۔ پیر آزاری
مرید کے لئے شقاوت کی جڑ ہے۔ العیاذ باللہ سبحانہ من
ذالک۔ معتقدات اسلامیہ میں خلل اور احکام شرعیہ پر
عمل میں قصور اسی (پیر آزاری) کے ثمرات ونتائج ہیں۔
احوال ومواجید کا تعلق تو باطن سے ہے، ان کا کیا حال بیان
کیا جائے، اگر اتفاقاً پیر آزاری کے باوجود ان احوال کا کوئی
اثر باقی رہے تو اسکو استدراج سمجھنا چاہئے کیونکہ پیر کو ایذا
پہنچانا آخر کار تباہی وخرابی کا باعث ہوگا اور نقصان
کے سوا کوئی نتیجہ نہ ہوگا۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

محی الدین عفی عنہ

صلوٰۃ الجمعۃ

سید عطاء اللہ عرف ابن الیاس شاہ گیلانی
متعلم مولوی فاضل سال (دوم)
(دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور)

نمازِ جمعہ کے وجوب، شروط، ارکان و احکام کے باب میں فقہاء اہلِ سنت کے درمیان اختلاف اور منشاء اختلاف کی تفصیل الامام الفقیہ الفیلسوف الاصولی القاضی ابن رشد القرطبی الاندلسی الشہیر بابن رشد الحفید المتوفی ۵۹۵ ھجرۃ کی کتاب بدایۃ المجتہد و نہایۃ المقتصد سے پیش کی جاتی ہے۔ مترجم: سید الیاس پاشاہ

وجوبِ نمازِ جمعہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ نمازِ جمعہ فرض عین ہے اس لئے کہ وہ نمازِ ظہر کا بدل ہے جو فرض عین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یا ایہا الذین امنوا اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع۔ "یعنی اے ایمان لائے ہو، جب جمعہ کے دن نماز کی ندا کی جائے تو ذکر اللہ یعنی نماز کے لئے تیزی سے بلا تاخیر آجاؤ اور بیوپار کو چھوڑ دو"، صیغہ امر کا مقتضی وجوب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی وجہ سے "لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ علیٰ قلوبھم" (قومیں جمعہ کی نمازیں چھوڑ دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دیگا) فقہاء کے ایک گروہ نے نمازِ جمعہ کو فرض کفایہ میں شمار کیا ہے۔

اور امام مالکؒ کی ایک شاذ روایت ہے کہ نمازِ جمعہ سنت ہے اس اختلاف کا سبب نمازِ عید کے ساتھ نمازِ جمعہ کی مشابہت ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید کا دن بنایا ہے۔

نمازِ جمعہ کن پر واجب ہے

نمازِ جمعہ ان لوگوں پر واجب ہے جن پر صلوٰۃ خمس واجب ہیں۔ اس کے علاوہ چار زائد شرطیں ہیں، ان میں سے دو کے متعلق سبھوں کا اتفاق ہے اور دو میں اختلاف۔ جس میں اتفاق ہے وہ ذکورۃ اور صحت ہے۔ پس نہ عورت پر واجب ہے نہ مریض پر۔ لیکن اگر وہ نماز میں شریک ہوں تو اہلِ جمعہ میں شمار ہوں گے اور وہ دو شرطیں جن میں اختلاف واقع ہے وہ سفر اور غلامی ہیں۔ جمہور

کا مذہب یہ ہے کہ مسافر اور غلام پر جمعہ واجب نہیں۔
داؤد اور ان کے اصحاب "اہل ظاہر" کا مذہب یہ ہے کہ ان پر جمعہ واجب ہے۔ اس اختلاف کا سبب اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے۔ الجمعۃ حق واجب علی کل مسلم فی جماعۃ الا اربعۃ عبد مملوک او امرأۃ او صبی او مریض وفی اخری الا خمسۃ وفیہ او مسافر یعنی جمعہ ہر مسلمان پر جماعت میں ادا کرنا حق واجب ہے سوائے چار کے۔ غلام یا عورت یا نابالغ یا مریض۔ اور دوسری حدیث میں سوا پانچ کے اور اس میں یا مسافر ہے اور یہ حدیث اکثر علماء کے پاس صحیح نہیں ہے۔

شروط جمعہ

سب مجتہدین نے اتفاق کیا ہے کہ نماز جمعہ کی شرطیں بھی وہی ہیں جو دوسری فرض نمازوں کی ہیں، لیکن وقت اور اذان کے متعلق اختلاف ہے۔ اور اسی طرح جمعہ کی خاص شرطوں میں بھی اختلاف ہے۔ وقت کے متعلق جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ بعینہٖ ظہر کا وقت ہے۔ یعنی زوال کا وقت، اور یہ کہ زوال سے پہلے جائز نہیں۔

احمد بن حنبل کا مذہب یہ ہے کہ زوال کے پہلے بھی نماز جمعہ ادا کی جا سکتی ہے۔ اس اختلاف کا سبب ان احادیث کے مفہوم کا اختلاف ہے جو تعجیل جمعہ کے باب میں وارد ہیں۔ بخاری نے سہل بن سعد سے روایت کی ہے کہ ما کنا نتغدی بعہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا نقیل الا بعد الجمعۃ یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز جمعہ کے بعد ہی کھاتے اور قیلولہ کرتے تھے اور یہ بھی روایت ہے کہ ہم نماز پڑھتے اور نماز سے واپس جاتے تھے جب دیوارو کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ جن لوگوں نے ان روایات سے زوال سے پہلے نماز کا جواز سمجھا انہوں نے اس کو جائز سمجھا اور جن لوگوں نے ان احادیث سے صرف تبکیر یعنی نماز کے لئے مسجد میں جلدی جانا سمجھا انہوں نے زوال سے پہلے نماز کو جائز نہیں سمجھا تا کہ اوقاتِ صلوٰۃ کے اصول میں تعارض نہ ہو۔

انسؓ بن مالک کی حدیث سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی الجمعۃ حین تمیل الشمس کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سورج کے زوال کے وقت نماز جمعہ پڑھتے تھے اور نیز یہ کہ جمعہ ظہر کا بدل ہے تو واجب ہے کہ دونوں کا وقت ایک ہو، یعنی جمعہ کا وقت بھی ظہر کا وقت ہو۔ پھر ان حدیثوں میں جمع اور تطبیق کی رُو سے واجب ہے کہ ان حدیثوں سے مراد تبکیر ہو، کیونکہ ان حدیثوں میں زوال سے پہلے نماز کے جواز کی کوئی نص نہیں ہے اور یہی جمہور کا مذہب ہے۔

اذان

اذان کے متعلق جمہور فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ امام کے منبر پر بیٹھنے کا وقت اذان کا وقت ہے۔ پھر اس امر میں یہ اختلاف ہوا کہ امام کے سامنے صرف ایک مؤذن اذان دے یا ایک سے زیادہ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ امام کے سامنے صرف ایک مؤذن اذان دے اور وہی اذان ہے جس سے بیع اور شریٰ لین دین حرام

ہوتا ہے۔ بعض فقہاء نے کہا کہ صرف دو مؤذن اذان دیں اور ایک جماعت نے کہا تین مؤذن اذان دیں۔ اس اختلاف کا سبب اس باب میں احادیث کا اختلاف ہے۔ بخاری نے سائب بن یزید سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانوں میں جمعہ کی اذان اس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔

جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہوئے پہلی اذان زیادہ کی گئی تاکہ لوگ جمعہ کے لئے تیار ہو جائیں۔ ابن حبیب نے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جمعہ کے دن تین مؤذن تھے۔ ایک گروہ نے بخاری کی روایت کے ظاہری معنی کا لحاظ کیا اور کہا کہ جمعہ کے دن دو مؤذن اذان دیں اور دوسروں نے کہا کہ ایک ہی مؤذن اذان دے انہوں نے کہا فلما كان زمان عثمان وكثر الناس زاد النداء الثالث النداء الثاني هو الاقامة جب عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگ زیادہ ہوئے تیسری اذان زیادہ کی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ دوسری اذان اقامت ہے۔ بعض لوگوں نے ابن حبیب کی روایت پر اعتبار کیا اور اہل حدیث کے پاس ابن حبیب کی روایتیں ضعیف ہیں اور خاص کر اس وقت جب وہ کسی حدیث کے روایت کرنے میں منفرد ہیں۔

جمعہ کے دن کی خاص شرطوں میں سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جماعت شرط ہے۔ لیکن جماعت کی مقدار میں اختلاف ہے۔ ان میں سے طبری نے امام کے ساتھ ایک آدمی کہا اور بعض نے امام کے سوا دو اور بعض نے امام کے سوا تین۔ یہ ابو حنیفہ کا قول ہے ان میں سے بعض نے چالیس کی قید لگائی ہے اور وہ امام شافعیؒ اور احمدؒ ہیں۔ اور بعض نے تیس کہا اور بعض لوگوں نے کسی عدد کی شرط نہیں لگائی۔ لیکن چالیس سے کم ہو بھی تو جمعہ جائز ہے لیکن دو یا تین سے جمعہ جائز نہیں۔ اور یہ امام مالکؒ کا مذہب ہے اور انہوں نے یہ مقدار اس لئے مقرر کی کہ اس عدد سے کسی قریہ کی آبادی ہو سکتی ہے۔ ان کے اختلاف کا سبب وہ اختلاف ہے جو کم از کم عدد پر اسم جمع کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ آیا وہ تین ہے یا چار ہے یا دو اور امام اس میں داخل ہے یا نہیں ہے اور اس نماز جمعہ کے لئے جو جماعت شرط ہے اس سے مراد کم از کم وہ عدد ہے جس پر جمع کا لفظ بولا جا سکتا ہے یا اکثر احوال میں صیغۂ جمع استعمال ہوتا ہو۔ اس صورت میں وہ تین یا چار سے زیادہ ہی ہوگا۔ جن لوگوں نے اس باب میں اقل عدد جس پر جمع کا لفظ بولا جاتا ہے وہ سمجھا اگر وہ امام کو بھی جماعت میں شامل سمجھنے والا ہو تو امام کے علاوہ ایک اور آدمی سے اس کے نزدیک نماز جمعہ قائم ہو جاتی ہے اگر وہ امام کو جماعت میں شامل نہیں کرتا تو امام کے سوا دو آدمیوں سے جمعہ کو جائز سمجھتا ہے اور جس شخص کی نظر میں کم از کم جمع تین ہے اگر وہ امام کو جماعت میں شامل نہیں سمجھتا تو اس نے امام کے سوا تین آدمیوں کا ہونا ضروری سمجھا اور اگر وہ

امام کو جماعت میں شامل سمجھتا ہے تو اس کا قول اس شخص کے قول کے مطابق ہے جو دو کو "اقل الجمع سمجھتا" اور امام کو جماعت میں شامل شمار نہیں کرتا۔ اور جس آدمی کی رائے میں عرف اور عادت میں اسم جمع کا استعمال معتبر ہے تو اس نے کہا دو یا چار سے نماز جمعہ نہیں ہوتی اور اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں کی۔ چونکہ اس کی نظر میں مقیم ہونا اور متوطن ہونا جمعہ کے لئے شرط ہے تو اس نے اس جماعت کی حد جتنے آدمیوں کا تمام لوگوں سے علیحدہ ہو کر زندگی بسر کرنا ممکن ہو قرار دیا اور یہ امام مالک کا قول ہے۔ جن لوگوں نے چالیس آدمیوں کی شرط مقرر کی انہوں نے اس روایت پر اعتماد کیا جس میں یہ بتایا گیا کہ پہلی نماز جمعہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ساتھ پڑھی اس میں یہ تعداد موجود تھی، یہ نماز جمعہ کے واجب ہونے اور صحیح ہونے کے شرطوں میں سے ایک شرط ہے کیونکہ شروط میں سے بعض صرف شروط وجوب ہیں اور بعض شروط وجوب وصحت دونوں ہیں۔

متوطن اور مقیم ہونے کی شرط

تمام فقہاء امصار کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں۔ اس باب میں اہل ظاہر نے اختلاف کیا اور کہا کہ مسافر پر جمعہ واجب ہے۔ ابو حنیفہ نے مصر اور سلطان کی شرط اضافہ کی لیکن کسی عدد کو شرط نہیں قرار دیا۔

اس باب میں اختلاف کی وجہ وہ احتمالات ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جمعہ کے احوال راتبہ سے پیدا ہو سکتے ہیں (راتبۃ سے وہ سنن مراد ہیں)، جو فرائض کے تابع ہوتے ہیں یا نماز کے وہ اقوال و افعال جن کے متعلق یہ ثابت ہو کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اقوال و افعال کا التزام کیا اور جن کا تعلق امور عبادت سے ہو) آیا وہ احوال راتبہ نماز جمعہ کی صحت کی شرط ہیں یا وجوب جمعہ کی شرط ہیں یا شرط نہیں ہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو نماز جمعہ پڑھی وہ جماعت میں "مصر میں" اور مسجد جامع میں تھی، جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ آپ کی نماز کے ساتھ ان امور کا متصل ہونا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نماز جمعہ کے واجب ہونے کی شرطیں ہیں انہوں نے ان امور کو شروط وجوب جمعہ قرار دیا اور جن لوگوں نے بعض امور کو ایسا سمجھا اور بعض امور کو ایسا نہیں سمجھا تو جن امور کو ایسا سمجھا شرط قرار دیا اور جن امور کو ایسا نہیں سمجھا ان کو شرط نہیں قرار دیا۔

چنانچہ مالک نے مسجد کا ہونا شرط قرار دیا۔ مصر اور سلطان کا ہونا شرط نہیں قرار دیا۔ اسی بنا پر اس باب میں بہت سارے مسائل میں اختلاف ہوا۔ مثلاً ایک مصر میں دو جمعہ قائم کئے جا سکتے ہیں یا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جمعہ کے ساتھ جو مختلف احوال و اقوال مقترن ہیں ان کے شرط قرار دینے میں اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض احوال و افعال نماز سے زیادہ مناسبت رکھتے ہیں اور بعض زیادہ مناسبت نہیں رکھتے۔

اسی لئے جماعت کی شرط پہ سبھوں کا اتفاق ہے کہ یہ شریعت سے ثابت ہے کہ جماعت احوال نماز کے لئے ایک ضروری حال ہے۔ اور امام مالکؒ نے مصر وسلطان کو شرط نہیں قرار دیا اس لئے کہ یہ احوال نماز کے مناسب نہیں ہیں، اور مسجد کو شرط سمجھا اس لئے کہ مسجد کو نماز سے قریبی مناسبت حاصل ہے۔ مذہب امام مالک کے متبعین علماء نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ مسجد کے لئے چھت ضروری ہے۔ یا نہیں اور اگر مسجد ہو تو اس میں ہمیشہ جمعہ ادا کی جاتی ہو۔ یا نہیں۔ یہ ساری باتیں اس باب میں تعمق کا پتہ دیتی ہیں اور اللہ کا دین آسان ہے۔

کوئی کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر یہ امور نماز کی صحت کی شرطیں ہیں تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ان کے بیان کرنے سے ساکت رہنا یا ان شرطوں کا بیان نہ کرنا جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا لتبین للناس ما نزل الیھم، ولقولہ تعالیٰ "لتبین لھم الذی اختلفوا فیہ"۔

نماز جمعہ کے ارکان

تمام مسلمانوں نے اس بات پہ اتفاق کیا ہے کہ نماز جمعہ کے ارکان خطبہ اور خطبے کے بعد دو رکعتیں ہیں۔ اس باب کے قواعد واصول کے پانچ مسئلوں میں اختلاف ہے۔

(۱) خطبے کے باب میں آیا وہ نماز جمعہ کی صحت کی شرط ہے اور نماز جمعہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے یا نہیں۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ خطبہ شرط و رکن ہے۔ بعض لوگوں نے کہا خطبہ فرض نہیں ہے۔ ان صاحبوں کے سوا امام مالک کے تمام اصحاب کے پاس خطبہ فرض ہے۔ اس اختلاف کا سبب وہی ہے جو پہلے بیان کیا گیا۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام افعال واقوال کے متعلق احتمال ہو سکتا ہے کہ آیا وہ شرط ہیں یا نہیں پس جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ خطبہ نماز جمعہ کے احوال خاصہ میں سے ہے اور اس خیال کی وجہ سے بھی کہ خطبہ ان دو رکعتوں کے عوض ہے جو اس نماز میں کم کر دی گئی ہیں۔ تو انہوں نے کہا کہ خطبہ نماز جمعہ کے ارکان میں سے ایک رکن ہے اور نماز جمعہ کی صحت کی شرط ہے اور جن لوگوں نے یہ خیال کیا کہ جمعہ کے خطبے سے مقصود وہی وعظ ونصیحت ہے جو تمام دیگر خطبوں کا مقصد ہے، تو انہوں نے کہا خطبہ نماز جمعہ کی شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں ہے۔ اس خطبے میں اختلاف کہ آیا وہ فرض ہے یا نہیں اس وجہ سے ہے کہ وعظ و تذکیر تمام خطبوں میں موجود ہے اور بعض لوگوں نے اس کے واجب ہونے میں اللہ تعالیٰ کے اس قول" فاسعوا الیٰ ذکر اللہ" سے استدلال کیا اور کہا کہ ذکر سے مراد خطبہ ہی ہے۔

(۲) جن لوگوں نے خطبہ کو واجب قرار دیا انہوں نے اس کی مقدار کفایت میں اختلاف کیا۔ ابن القاسم نے کہا کہ کلام عرب میں جس قدر کم کلام کو خطبہ کہا جاتا

ہے کافی ہے اور وہ کلام مرکب ہے جس کی ابتداء اللہ کی حمد سے ہوتی ہے۔ امام شافعی نے فرمایا کم از کم خطبہ جو کفایت کرتا ہے وہ دو خطبے ہیں کھڑے ہوکر اور دونو کے درمیان کچھ بیٹھ کر ہر ایک خطبے میں پہلے اللہ کی حمد پھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور پھر اللہ کے تقوی کی وصیت پہلے خطبہ میں کچھ قرأۃ کلام پاک اور دوسرے میں دعا۔ اس اختلاف کا سبب کفایت کرنے والی مقدار خطبہ کا اختلاف ہے جس پر لفظ خطبہ اپنے لغوی میں بولا جاتا ہو یا شرعی معنوں میں تو جس نے لغوی معنی کا اعتبار کیا تو اس نے رسول اللہ علیہ وسلم سے منقول اقوال سے کسی قول کو شرط نہیں سمجھا جس نے شرعی معنوں کا اعتبار کیا تو اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبوں سے منقول اقوال کے اصول کو شرط قرار دیا یعنی وہ اقوال جو ہمیشہ بغیر تبدیلی کے روایت کئے گئے ہیں، اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ آپ سے جو خطبے منقول ہیں ان میں سے بعض اقوال بغیر تبدیلی کے ہمیشہ پائے جاتے تھے اور بعض اقوال ہمیشہ نہیں پائے جاتے تھے جس نے ہمیشہ نہیں پائے جانے والے اقوال کا اعتبار کیا اور اسکی نظر میں ان کا حکم غالب ہے تو اس نے یہ کہا کہ خطبہ اس قدر ہونا چاہیئے جس پر لغوی معنوں میں خطبے کا اطلاق ہو سکے یعنی عرب کے پاس جس کو خطبہ کہا جاتا تھا اور جس نے ان اقوال کا اعتبار کیا جو ہر خطبے میں پائے جاتے تھے اور ان کے حکم کو غالب سمجھا تو اس نے کہا کہ شریعت کے عرف اور استعمال میں جس کو خطبہ کہا جاتا ہے اس کی کم از کم مقدار کافی ہے۔ امام مالک کے پاس خطبے کے دوران بیٹھنا شرط نہیں ہے، اور امام شافعی کے پاس بیٹھنا شرط ہے۔ جس نے اس بیٹھنے کا مقصود خطیب کی استراحت سمجھا اس نے بیٹھنے کو شرط قرار نہیں دیا اور جس نے اس کو عبادت قرار دیا اس نے بیٹھنے کو شرط قرار دیا۔

(۳) امام کے خطبے کے وقت جمعہ کے دن سکوت اور انصات کے متعلق تین اقوال ہیں۔ بعض فقہاء نے ہر حال میں انصات کو واجب قرار دیا اور یہ کہ وہ احکام خطبہ میں واجبی حکم ہے۔ یہ جمہور کا مذہب ہے مالک اور شافعی اور ابو حنیفہ اور تمام فقہاء امصار کا مذہب یہی ہے یہ بھی تین گروہ میں تقسیم ہو گئے ہیں۔ بعض جیسے اوزاعی اور ثوری نے خطبے کے وقت سلام کا جواب دینا تشمیت عاطس (چھینکنے والے کے الحمد للہ کہنے کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا) کو جائز بتایا۔ بعض دوسروں نے سلام کا جواب اور تشمیت عاطس میں دونو کو جائز نہیں کہا اور بعض فقہاء نے سلام اور تشمیت میں فرق کیا اور کہا کہ سلام کا جواب دیا جا سکتا ہے مگر تشمیت کا نہیں اور دوسرا قول جو پہلے قول کے مطابق ہے، وہ یہ ہے کہ خطبہ کے وقت کلام جائز ہے۔ مگر جب خطیب قرآن کی تلاوت کرتا ہو تو جائز نہیں اور یہ شعبی سعید بن جبیر اور ابراہیم النخعی سے مروی ہے۔ تیسرے قول میں اس بات میں فرق کیا گیا ہے کہ آیا خطبہ سنا جاتا ہے یا نہیں

سنا جاتا ہے اگر سنا جاتا ہے تو انصات واجب ہے۔ اگر نہیں سنا جاتا ہے تو تسبیح یا کسی علمی مسئلے میں گفتگو جائز ہے۔

یہ احمد اور عطاء اور ایک جماعت کا قول ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ خطبے کے وقت گفتگو کی گئی تو فاسد نہیں ہوتی اور ابن وہب سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا جس نے گفتگو کی اس نے لغو کام کیا اور نمازِ جمعہ فاسد ہو گئی اور اس پر واجب نمازِ ظہر کی چار رکعتیں ہوں گی۔

جمہور نے انصات کو ابوہریرہ کی حدیث کی بنا پر واجب کہا کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو نے اپنے ساتھی سے جمعہ کے دن جب امام خطبہ دیتا ہو یہ کہے، کہ خاموش رہ تو نے لغو کام کیا اور جن لوگوں نے انصات کو واجب نہیں قرار دیا تو ان کی کوئی دلیل نہیں معلوم بجز اس کے کہ انہوں نے خطبے کے درمیان انصات کو قولہ تعالٰی (واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون) سے ثابت ہونے والی دلیل خطاب کے خلاف اور معارض پایا (اگر کوئی حکم کسی شرط کے ساتھ مشروط یا کسی وصف کے ساتھ موصوف ہو تو وصف اور شرط مذکور کی عدم موجودگی میں حکم ثابت نہیں ہوگا اس کو دلیل خطاب کہتے ہیں، یعنی قرآن کے ماسوا پڑھا جائے تو انصات واجب نہیں۔ ابن رشد کی رائے میں یہ ضعیف ہے اور ممکن ہے کہ ان کو ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث نہ پہنچی ہو۔

اب رہا ردِ سلام اور تشمیت عاطس کے باب میں اختلاف تو اس کا سبب ردِ سلام اور تشمیت عاطس کے باب میں امر کا عموم انصات کے امر کے عموم سے متعارض ہے۔ خطبہ میں انصات یا خاموشی کا حکم عام ہے اور ردِ سلام اور تشمیت کا حکم بھی تمام حالتوں کے لئے عام ہے اور اگر تشمیت کے حکم پر عمل ہو تو خطبہ کے وقت انصات پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ جب تک انصات کے عام حکم سے ردِ سلام اور تشمیت کے حکم کو مستثنیٰ نہ کیا جائے یا ردِ سلام اور تشمیت کے عام حکم کو خطبہ کے وقت انصات کے حکم سے مستثنیٰ نہ کیا جائے تو دونوں حکموں پر عمل ممکن نہیں، اسی لئے کہ ایک حکم کے عموم سے دوسرے حکم کے عموم کو مستثنیٰ کرنا ضروری ہو جاتا۔ یہ احتمال ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے مستثنیٰ ہے جس نے یوم الجمعہ امر بالصحت کے عموم سے سلام اور تشمیت کے حکم کو مستثنیٰ کیا تو اس نے دونو کو جائز بتایا اور جس نے سلام اور تشمیت کے امر سے خطبہ کے وقت صمت یعنی "خاموشی" کو مستثنیٰ کیا اس نے ان دونو کو جائز نہیں قرار دیا اور جس نے سلام اور تشمیت میں فرق کیا تو اس نے خطبہ میں تکلم کی نہی سے سلام کو مستثنیٰ کیا اور تشمیت کے حکم کے عموم سے خطبہ کے وقت کو مستثنیٰ کیا تو ان میں سے ہر ایک فقیہ نے ان مستثنیات میں سے ایک کو ترجیح دی۔ کیونکہ اس کو یہ ظن غالب ہوا کہ ان میں سے ایک کا عموم زیادہ قوی اور ایک کا ضعیف ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ صحت کا حکم "عام فی الکلام" ہر کلام کو شامل ہے لیکن "خاص فی الوقت" یعنی ایک خاص وقت کے لئے ہے اور

ردِ سلام وتشمیت کا حکم "عام فی الوقت" یعنی ہر وقت کے لئے عام ہے۔ "خاص فی الکلام" یعنی ہر کلام کے لئے نہیں بلکہ ایک خاص کلام کے لئے خاص ہے جس نے کلام عام سے زمانۂ خاص کا استثنیٰ کیا اس نے ردِ سلام اور تشمیت کو خطبہ کے وقت جائز نہیں سمجھا۔ جس نے کلام عام کی نہی سے ردِ سلام اور تشمیت کا استثنیٰ کیا اس نے دونوں کو جائز سمجھا اور درست بات تو یہ ہے کہ ان دونوں عموموں میں سے کسی ایک سے ان دونوں خصوصوں میں سے کسی ایک کا استثنیٰ بغیر دلیل کے نہ کیا جائے۔ اگر یہ مشکل ہو تو عمومات وخصوصات میں ترجیح اور امر کی تاکید کی ترجیح پر نظر کی جائے۔ اس کی تفصیل تطویل طلب ہے۔ لیکن مختصر طور پر اس کو یوں معلوم کیا جا سکتا ہے کہ دونوں حکموں کی قوت ایک ہو اور عمومات وخصوصات کی قوت ایک ہو اور اس بات کی کوئی دلیل نہ ہو کہ کون کس سے مستثنیٰ ہے تو بالضرورت تعارض واقع ہو جاتا ہے۔ ایک حکم دوسرے حکم کا مانع ہوتا ہے لیکن ایسی مثالیں بہت کم ہیں۔ اگر یہ صورت نہ ہو تو عمومات وخصوصات جو ایسے مواضع میں واقع ہوں تو ان میں ترجیح کی صورت یہ ہے کہ دونوں خصوصوں اور دونوں عموموں کے درمیان تمام نسبتوں پر نظر کی جائے اور یہ چار قسم کے ہیں:۔

(۱) پہلی قسم دونوں عموم باعتبار قوت ایک مرتبے میں ہوں اور دونوں خصوص باعتبار قوت ایک مرتبے میں ہوں اس صورت میں ایک کا دوسرے کے ساتھ استثنیٰ بغیر دلیل کے درست نہیں۔

(۲) دوسری قسم اس کے مقابل ہے جس میں خصوص نہایت ضعیف ہے تو یہاں استثنیٰ کرنا واجب ہے یعنی خصوص کو عموم سے مستثنیٰ کرنا۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ دونوں خصوص ایک مرتبے میں ہوں اور دونوں عموم میں سے ایک دوسرے سے ضعیف ہو، ایسی صورت میں عموم ضعیف کا استثنیٰ کرنا ضروری ہے۔

(۴) اور چوتھی قسم یہ ہے کہ دونوں عموم ایک مرتبے میں ہوں اور دونوں خصوص میں سے ایک دوسرے سے قوی ہو ایسی صورت میں خصوص قوی کے حکم کو ترجیح دی جائے۔

لیکن یہ سب صورتیں اس وقت ہیں جبکہ تاکید کے اعتبار سے تمام حکم مساوی ہوں اور اگر ان اوامر میں باعتبار تاکید اختلاف ہو تو مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں اور ایسے وقت میں قوت الفاظ اور قوت اوامر کے درمیان قیاس کرنا واجب ہوگا اور چونکہ ان کا محدود اور ضبط کرنا مشکل ہے یہ کہا گیا کہ ہر مجتہد مصیب ہے کم از کم غیر ماثوم ہے یعنی گنہگار نہیں۔

(۴) چوتھا مسئلہ یہ ہے کہ جمعہ کے دن جب امام منبر پر ہو اور کوئی مصلی آئے تو کیا وہ نماز پڑھ سکتا ہے، یا نہیں (یعنی تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں)۔

بعض لوگوں نے کہا کہ وہ نماز نہیں پڑھ سکتا یہ امام مالک کا مذہب ہے، اور بعض فقہاء نے کہا کہ وہ نماز پڑھ سکتا ہے۔ اس اختلاف کا سبب حدیث کے عموم اور قیاس کے درمیان تعارض ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ قول "اذا جاء احدکم المسجد فلیرکع رکعتین"

تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو چاہیئے کہ وہ دو رکعتیں ادا کرے۔ اس حدیث سے واجب ہوتا ہے کہ جو جمعہ کے دن مسجد میں داخل ہو وہ نماز پڑھے اگرچہ امام خطبہ دے رہا ہو۔ خطبے کے خاموشی کے ساتھ سننے کے حکم سے یہ بات واجب ہوتی ہے کہ وہ کوئی ایسے کام میں مشغول نہ ہو جو خاموشی کے ساتھ سننے کا مانع ہو اگرچہ عبادت ہی کیوں نہ ہو۔ اس حدیث کے عام ہونے کی تائید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتی ہے۔ اذا جاء احدکم المسجد والامام یخطب فلیرکع رکعتین خفیفتین۔ خرجہ مسلم فی بعض روایاتہ۔ مسلم نے اپنی ایک روایت میں بیان کیا ہے "تم میں سے کوئی مسجد میں آئے اور امام خطبہ دیتا ہو تو چاہئے کہ وہ ہلکی دو رکعتیں پڑھے اور اکثر روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے داخل ہونے والے کو کہا کہ وہ نماز پڑھے، ان میں یہ ذکر نہیں ہے "جب تم میں سے آئے اور امام خطبہ دیتا ہو"۔ تو اس اختلاف کے سبب سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک راوی نے اپنی روایت میں اضافہ کیا ہو جبکہ شیخ اول سے روایت کرنے والے تمام اصحاب اسکی مخالفت کریں تو اس اضافہ کو قبول کیا جائے یا نہیں۔ اگر اس کا یہ اضافہ صحیح ہے تو اس پر عمل کرنا واجب ہے کیونکہ ایسی صورت میں جس باب میں اختلاف ہے اس میں وہ نص ہے اور قیاس کو نص کا معارض قرار دینا جائز نہیں لیکن یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام مالک نے مدینہ کے عمل کی رعایت کی۔ کیونکہ امام مالک کے پاس مدینہ کا تعامل ترجیح کا باعث قوی ہے۔

(۵) پانچواں مسئلہ اکثر فقہاء کے پاس نماز جمعہ کی پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ کی قرأت سنت ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فعل بار بار ہوا ہے۔ مسلم نے ابوہریرہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سورۂ جمعہ اور دوسری رکعت میں اذا جاءک المنافقون پڑھا کرتے تھے۔ مالک نے روایت کی ہے ضحاک بن قیس نے نعمان بن بشیر سے سوال کیا کہ جمعہ کے دن سورۂ جمعہ کے بعد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا پڑھا کرتے تھے تو کہا ھل اتٰک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے۔ امام مالک اس حدیث پر عمل کرنے کو مستحب سمجھتے ہیں اور اگر سبح اسم ربک الاعلیٰ پڑھے تو ان کے نزدیک بہتر ہے اس لئے کہ یہ عمر بن عبدالعزیز سے مروی ہے لیکن ابوحنیفہ نے اس معاملے میں کچھ نہیں کہا ان کے اختلاف کا سبب عمل اور قیاس میں تعارض ہے کیونکہ قیاس کا تعارض یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے کوئی خاص سورۂ راتبہ نہ ہو جیسے کہ تمام نمازوں کا حال ہے۔ اور عمل کی دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے سورۂ راتبہ ہو۔ قاضی ابن رشد نے کہا کہ مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ میں سبح اسم ربک الاعلیٰ اور ھل اتٰک حدیث الغاشیہ پڑھا کرتے تھے اور کہا کہ جب عید اور جمعہ کی نماز ایک دن واقع ہو تو دونو

نمازوں میں انہیں دو سورتوں کو پڑھا کرتے تھے اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ایک خاص سورۂ راتبہ مقرر نہیں ہے اور یہ کہ آپ ہمیشہ سورۂ جمعہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔

احکام جمعہ اس باب میں چار مسئلے ہیں۔ پہلے مسئلہ میں جمعہ کی طہارت کا حکم ہے۔ دوسرا مصر کے باہر رہنے والوں میں کس پر جمعہ واجب ہے۔ تیسرا جمعہ کے لئے مسجد میں جانے کا مرغوب وقت کونسا ہے۔ چوتھا جمعہ کے دن اذاں کے بعد جواز بیع۔

(۱) جمعہ کے دن طہارت کے باب میں اختلاف ہے۔

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ وہ سنت ہے اہل ظاہر نے کہا کہ وہ فرض ہے لیکن جمعہ کے دن کا غسل نمازِ جمعہ کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے، اس اختلاف کا سبب تعارض آثار ہے۔

اس باب میں ابوسعید الخدری کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کے دن کا غسل جنابت کی طرح ہر بالغ پر واجب ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، لوگ محنت مزدوری کرتے تھے اور وہ اسی حالت میں مسجد کو آتے تھے تو ان سے کہا گیا تم غسل کرتے (تو بہتر ہوتا) پہلی حدیث باتفاق صحیح ہے اور دوسری حدیث ابوداؤد اور مسلم نے روایت کی ہے۔ ابوسعید کی حدیث کے الفاظ کا تقاضہ وجوب غسل ہے اور حضرت عائشہ کے الفاظ سے یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم نظافت اور صفائی کے لئے تھا عبادت کے طور پر نہیں اور یہ روایت بھی کی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص جمعہ کے دن غسل کرے تو اچھا ہے اور اگر کوئی غسل کرے تو افضل ہے تو یہ روایت غسل کی فرضیت کو ساقط کرنے میں نص ہے لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۲) جو لوگ مصر سے خارج ہیں آیا ان پر جمعہ واجب ہے یا نہیں، بعض فقہاء نے کہا کہ ان پر نماز جمعہ واجب نہیں، اور دوسروں نے کہا ان پر واجب ہے اور پھر یہ آپس میں کئی باتوں میں مختلف ہو گئے ان میں سے بعض نے کہا، جو ایک دن کی مسافت پر رہتا ہے اس کو جمعہ کی نماز کے لئے آنا واجب ہے، یہ قول شاذ ہے بعض دوسروں نے کہا تین میل کی مسافت ہو تو واجب ہے۔ بعض نے کہا اگر جمعہ کی اذاں سنی جاتی ہے تو اس پر واجب ہے یہ دونوں قول امام مالک کے ہیں۔

اس باب میں اختلاف کی وجہ احادیث میں اختلاف ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ لوگ رسول اللہؐ کے زمانے میں جمعہ کے لئے عوالی سے آیا کرتے تھے اور یہ مکان مدینے سے تین میل کی مسافت پر ہے۔

ابوداؤد نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو اذاں سنے اور ایک روایت ہے کہ نماز جمعہ اس شخص پر واجب ہے جو رات کو اپنے گھر پہنچ جائے۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

(۳) نماز جمعہ کے لئے مسجد میں جانے کے افضل اوقات کیا ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے جو پہلی ساعت میں نماز جمعہ کے لئے مسجد میں آئے تو گویا اونٹ کی قربانی کی اور جو دوسری ساعت میں آئے اس نے گائے کی قربانی کی اور جو تیسری ساعت میں آئے اس نے دنبہ کی قربانی کی۔ اور جو چوتھی ساعت میں آئے اس نے مرغی کی قربانی کی اور

اور جو پانچویں ساعت میں آئے تو گویا اس نے انڈے کی قربانی کی۔ شافعی اور علماء کی اکثر جماعت کا اتفاق ہے کہ یہ ساعات دن کے ساعات ہیں اس لئے ان کے پاس دن کے شروع ہی میں مسجد میں جانا مندوب ہے۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ زوال سے پہلے اور زوال کے بعد ایک گھنٹے کے یہ اجزاء ہیں اور ایک قوم نے یہ کہا کہ وہ زوال سے پہلے گھنٹے کے اجزاء ہیں اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ زوال کے بعد نماز کے لئے نکل پڑنا واجب ہے بعض لوگ واجب ہیں افضل کو بھی سمجھتے ہیں۔

(۴) اذان کے وقت بیع اور مشتری کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف۔ ایک قوم نے کہا اگر اذان کے وقت بیع ہو تو فاسد اور واجب الفسخ ہے۔ دوسروں نے کہا کہ وہ بیع فسخ نہیں کی جائے گی۔ اس اختلاف کا سبب یہ ہے کہ جب نہی یا ممانعت کسی ایسے امر کی متعلق ہو جو اصل میں مباح ہے تو جس سے منع کیا گیا وہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں۔ جمعہ کے آداب تین ہیں۔ خوشبوئی، مسواک اور عمدہ لباس اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کیونکہ ان امور کے متعلق احادیث وارد ہیں۔

وہ لوگ جن کو اللہ پسند نہیں کرتا

فان اللہ لا یحب الکافرین	... ... بے شک اللہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں۔
فان اللہ لا یحب المعتدین	... ... بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے
ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما	... ... بے شک اللہ ایسے شخص کو ناپسند کرتا ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔
ان اللہ لا یحب الخائنین	... ... بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔
ان اللہ لا یحب المفسدین	... ... بے شک اللہ مفسدوں کو ناپسند کرتا ہے۔
ان اللہ لا یحب المسرفین	... ... بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
ان اللہ لا یحب المستکبرین	... ... بے شک اللہ تکبر و غرور کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔
ان اللہ لا یحب الظالمین	... ... بے شک اللہ ظلم و زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

نعت محمدیؐ

سید مظہر اللہ نوید صدیقی
بنگلوری
مُتعلم زمرۂ خامسہ
دار العلوم لطیفیہ
مکان حضرت قطب ویلور

جب کہ پیدا ہوئے ہیں ہمارے نبیؐ
دونوں عالم کے آنکھوں کے تارے نبی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

جب ستانے لگے کافر و مشرکین
تم کہو تو کروں ان کو غارت یہیں
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

ان کو آنکھیں دے مجھ کو پہچان لیں
صدق سے وحدانیت کو جان لیں
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

اس قدر تھی محبت کہ خیر البشرؐ
کہتے تھے اے خدا مالکِ بحر و بر
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

آئے معراج کی شب جو روح الامینؑ
حق بُلاتا ہے تم کو چلو شاہِ دیںؐ
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

تولی جائے گی جس وقت نیکی بدی
نفسی نفسی پکاریں گے سارے نبی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

جنگ تو جنگ لیکن فتوحات میں
بلکہ از راہِ حق کی ملاقات میں
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

بھولے بھالے نبی پیارے پیارے نبیؐ
اپنے نازک لبوں سے پکارے ابھی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

حق تعالیٰ نے فرمایا یا شاہِ دیں
بولے حضرت نہیں، یہ نہ ہوگا کبھی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

مجھے پہچان لیں اور تجھے جان لیں
آپؐ نے بد دعا پھر بھی مطلق نہ کی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

رکھ کے سجدے میں سر ہو گئے چشم تر
بخش دے میری اُمت کو دُعا ہے یہی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

آکے کہنے لگے یا شاہ المرسلینؐ
آپ کے منہ سے اس وقت نکلا یہی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

تب سنیگا نہ ہرگز کسی کا کوئی
آپ اس وقت بھی کہتے ہونگے یہی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی

آپ امت کو بھولے نہ ہر بات میں
بخشوا ہی دیا حق سے کہہ کر یہی
اُمتی اُمتی اُمتی اُمتی





ذرا روئے مبیں اپنا دکھادو، یا رسول اللہ
خدارا پیاس آنکھوں کی بجھا دو یا رسول اللہ

نہ جانے کب سے خالی ہے مرا دامن مرادوں کا
کرشمہ لطف کا اپنے دکھا دو یا رسول اللہ

قدم بوسی کے ارماں میں پریشاں حال رہتا ہوں
بلالو ہاں مجھے طیبہ بلالو یا رسول اللہ

وہ آنکھیں کیا نہ دیکھے جو تمہارا روضۂ اقدس
مری آنکھوں کی قسمت کو جگا دو یا رسول اللہ

مرے ہر سانس میں اسمِ گرامی ہے تمہارا ہی
بنا دو ہاں مری بگڑی بنا دو یا رسول اللہ

یہ کشتی زندگی کی اور یہ طوفاں بلاؤں کا
بچالو یا رسول اللہ، بچالو یا رسول اللہ

بروزِ حشر میرے سر پہ ہو دامنِ رحمت
پیالہ آبِ کوثر کا پلا دو یا رسول اللہ

کہاں کا نازِ امت اپنی ہستی پہ ہوں خود نادم
مجھے ادنیٰ سا انساں ہی بنا دو یا رسول اللہ

رہے کب تک یہ غم کی روح فرسا تیرگی دل میں
ذرا شمعِ مسیحائی جلا دو یا رسول اللہ

تم آنکھوں میں اگر ہو آنکھ ہی سے کیوں ہو پوشیدہ
جمال آنکھوں ہی آنکھوں میں دکھا دو یا رسول اللہ

خدا کے واسطے یہ التجائے شیخ سن لینا،
حجاب درمیاں تھوڑا ہٹا دو یا رسول اللہ

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مخلوق جن کی حقیقت

از افضل العلماء مولوی حافظ بشیر الحق قریشی دہوتی
استاذ دار العلوم لطیفیہ مکان حضرت قطب ویلور

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ وسیع ترین کائنات کے اندر نامعلوم کتنی مخلوقات پائی جاتی ہیں جن کا صحیح اور کما حقہ علم صرف خالق کائنات ہی کو حاصل ہے اور انسان اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے ساری دنیا کی تمام مخلوقات سے علم و آگہی حاصل کر لی ہے۔ یہ حقیقت ناقابل تردید ہے کہ کائنات کی لامتناہی وسعت کے مقابلے میں انسان کا دائرہ مشاہدات انتہائی محدود ہے۔ لہٰذا بہت ممکن ہے کہ روئے زمین پر کچھ مخلوقات ایسی بھی پائی جاتی ہوں جو انسان کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اور یہ بات بھی عقلی حیثیت سے بعید تر معلوم ہوتی ہے کہ جو شئے بھی انسانی محسوسات و مشاہدات کے دائرے میں نہ آسکے، اس کے عدم وجود پر استدلال کیا جائے؟

موجودہ دور میں مخلوقِ جن سے متعلق یہ رائے رکھنے والوں کی کمی نہیں کہ جن کسی خارجی وجود اور حقیقی چیز کا نام نہیں بلکہ زمانۂ قدیم کے جاہلانہ تصورات میں سے ایک بے بنیاد خیال ہے۔ یہ طرزِ فکر اگر ان لوگوں کا ہوتا جو وحی کی روشنی و برکت سے محروم ہیں تو چنداں تعجب کے قابل نہیں لیکن حیرت تو یہ ہے کہ اہل ایمان میں کچھ نفوس ایسے بھی ہیں جو جنوں کے وجود سے متعلق مذکورہ غلط فہمی کا شکار ہیں حالانکہ اس طبقہ کا ذہنی اعتقاد اور قلبی یقین تو یہ ہونا چاہئے کہ جس چیز کے بارے قرآن و حدیث کی صراحتہً رہنمائی حاصل رہے اس کو بلا مشاہدہ و تجربہ اور بغیر کسی عقلی دلیل و برہان کے تسلیم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار ان گنت مخلوقات میں سے ایک مخلوق جن بھی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی نظروں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ اسی بنا پر اس مخلوق کا نام جن قرار پایا اور لغت میں جَنَّ کا معنی ہے چھپنا۔ جَنَّ اللیل رات تاریک ہوگئی۔

یہ مخلوق ہماری اسی دنیا میں رہتی اور بستی ہے۔ اور اس کا رشتہ دنیا سے اس وقت قائم ہوا جبکہ انسان کا قدم بھی زمین پر نہیں پہنچا تھا۔ یہی لوگ رہتے اور بستے تھے، جب ان کی زندگی میں فتنہ و فساد اور قتل و غارت نے راہ پائی اور اللہ کی زمین خون خرابے سے رنگین ہونے لگی۔ تو فرشتوں کو ان کی سرکوبی کے لئے مسلط کیا گیا۔ چنانچہ ملائکہ نے انہیں پہاڑوں اور جزیروں کی طرف دھکیل دیا۔ جیسا کہ تفسیر جلالین میں ہے کانوا فیہا فلما افسدوا ارسل اللہ الیہم الملائکۃ فطردوہم الی الجزائر

والجبال ۔ اس واقعہ کے بعد جب زمین کی خلافت کا مسئلہ پیش آیا اور اللہ تعالیٰ یہ منصب جلیل انسان کو عطا کرنا چاہا تو فرشتوں نے انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے عرض کیا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفك الدماء چنانچہ فرشتوں کا یہ بیان جنات کی تخریبی کارروائیوں پر قیاس کا نتیجہ تھا اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ انسان بھی اسی مخلوق کی طرح زمین میں خون ریزی اور فتنہ و فساد پھیلائیگا جیسا کہ تفسیر جلالین کے حاشیہ میں ہے فیہ اشارۃ الی انہم عرفوا ذلك قیاسا لاحد الثقلین علی الاخر۔

جنوں سے متعلق قرآن و حدیث کی بے شمار تصریحات پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن کے مطالعہ سے حسب ذیل معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

جن قرآن کی روشنی میں ۔ سورۂ حجر میں جن کے مادہ اور حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اس مخلوق کی تخلیق کا غالب مادہ ایسی آگ ہے جو اپنی حرارت و لطافت سے مساموں میں نفوذ کر جاتی ہے اور اللہ نے اس مخلوق کو انسان کی تخلیق و پیدائش سے پہلے پیدا فرمایا والجان خلقنٰہ من قبل من نار السموم ۔

اور قصۂ آدم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق و پیدائش کے موقعہ پر ابلیس موجود تھا اور ابلیس طبقۂ جن ہی سے تعلق رکھتا تھا اور اسی کو ابو الجن (باوا جن) قرار دیا گیا ہے ۔ سورۂ کہف میں ہے واذ قلنا للملٰئکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ " اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے، قوم جن سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے نکل گیا" (ترجمہ اعلیٰحضرت)

اس کے علاوہ سورۂ اعراف، سورہ ہود، سورہ حم السجدہ، سورۂ احقاف، سورۂ رحمان اور سورہ الناس میں جن کا تذکرہ ملتا ہے ۔

قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار (اعراف)

یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم بھی اسی جہنم میں چلے جاؤ جس میں تم سے پہلے گذرے ہوئے گروہ جن و انس جا چکے ہیں"

وتمت کلمۃ ربك لأملئن جہنم من الجنۃ والناس اجمعین (ہود) یعنی تیرے رب کی وہ بات پوری ہو چکی جو اس نے کہی تھی کہ میں جہنم کو جن اور انسان سب سے بھر دوں گا ۔

وحق علیہم القول فی امم قد خلت من قبلہم من الجن والانس (حم السجدہ) یعنی آخر کار ان پر بھی وہی فیصلہ عذاب چسپاں ہو کر رہا جو ان سے پہلے گذرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر چسپاں ہو چکا تھا ۔

وقال الذین کفروا ربنا ارنا الذین اضلنا من الجن والانس (حم السجدہ)

وہاں یہ کافر کہیں گے "اے ہمارے رب ذرا ہمیں ان جنوں اور انسانوں کو دکھا دے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا۔

فبای آلاء ربکما تکذبان اے جن وانس تم اپنے
رب کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاتے رہوگے؟

الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ
والناس۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسواس پیدا کرتا ہے
خواہ وہ طبقہ جن سے ہو یا انس سے۔

مذکورہ آیتوں میں انسانوں کے ساتھ جنوں کا ذکر
ملتا ہے جن کے مطالعہ سے یہ بات آسانی کے ساتھ سمجھی جا
سکتی ہے کہ جن بھی انسان کی طرح ایک مخلوق ہے جس کا
خارج میں مستقل وجود ہے اور سورۂ الذاریات میں صراحت
کے ساتھ بتلایا گیا ہے کہ انسانوں کی طرح جنوں کی تخلیق
کا مقصد بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ وما خلقت
الجن والانس الا لیعبدون ہم نے جنوں اور انسانوں
کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

جنوں کے مقصد تخلیق کی وضاحت ہی سے معلوم
ہوتا ہے کہ یہ مخلوق بھی انسان کی طرح کسب وارادہ اور
اختیار کفر وایمان سے بہرہ ور ہے ورنہ ان پر شرعی تکالیف
عائد نہیں کی جاتیں ـــ قرآن شریف میں بعض افراد جن کا
تذکرہ اس طرح ملتا ہے کہ انہوں نے توحید ورسالت کا اقرار
کیا اور اپنی قوم میں تبلیغ وہدایت کا خوشگوار فریضہ انجام
دیا اور بعض افراد نے کفر وضلالت کی روش اختیار کی اور
انسانوں کو بھی گمراہ کرنے کی ٹھان لی۔ چنانچہ اسی فریق ثانی
کو قرآن کی زبان میں "شیاطین" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جو
جنات میں سے شر پسند اور تخریب کار لوگوں کا نام ہے۔

سورۂ احقاف کے اندر ہے واذ صرفنا الیک
نفرا من الجن یستمعون القرآن۔ فلما حضروہ
قالوا انصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین۔
" اور جب کہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے کان لگا
کر قرآن سنتے۔ پھر جب وہاں حاضر ہوئے آپس میں بولتے
خاموش رہو پھر جب پڑھنا ہو چکا تو اپنی قوم کی طرف ڈر سنانے
پلٹے۔" (ترجمہ اعلیحضرت)

اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ حضور اکرم بطن نخلہ میں
صحابہ کے ساتھ نماز فجر ادا فرما رہے تھے، جنوں کی ایک جماعت
حاضر ہوئی اور قرآن سن کر ایمان سے مشرف ہوئی، اور
اپنی قوم میں جا کر دین حق کی تبلیغ شروع کی۔

سورۂ احقاف کے علاوہ سورۃ الجن کے اندر بھی
جنات کے قبول اسلام کا ذکر ملتا ہے۔ اس سورۃ کا پس
منظر یہ ہے کہ حضور اکرم تک پہنچائی جانے والی وحی کی
حفاظت کے لئے آسمانوں پر سخت پہرے لگا دیے گئے
تھے اور شیاطین کو شہاب کے انگاروں اور کواکب کے
شعلوں سے مار بھگایا جا رہا تھا جیسا کہ سورہ الملک
کے اندر اس بات کی صراحت کی گئی ہے رجوما للشیاطین

یہ سخت انتظامات اس لئے تھے کہ شیاطین جن
ملائکہ کے درمیان ہونے والی باتوں کو چوری چھپے سے
سن نہ لیں، ادھر ملائکہ کی عادت ہے جب بھی اللہ تعالیٰ
آسمان میں کوئی حکم جاری فرماتا تو وہ طاعت وانقیاد
کی غرض سے اپنے پروں کو حرکت دیتے اور جب کلام ختم

ہو جاتا تو آپس میں اس حکم کا تذکرہ کرتے۔ اس ماحول سے شیاطین جن یہ فائدہ اٹھالیتے تھے کہ وہ آسمانوں پر پر پہنچ کر فرشتوں کے درمیان ہونے والی گفتگو کو چوری چھپے سے کچھ حصہ سن لیتے اور کاہنوں کے پاس لاکر پہنچاتے تھے اور کاہن و نجومی اپنی طرف سے غیر معمولی جھوٹ کی آمیزش کے ساتھ لوگوں کو آنے والے واقعات کی نشان دہی کر دیتے۔

چنانچہ مذکورہ واقعہ نے جنات کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ شہاب ثاقب کا ہم پر ٹوٹ پڑنا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ضرور زمین پر کوئی غیر معمولی واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ اسی بات کی تحقیق و جستجو میں جنوں کا گروہ ہر چہار جانب بکھر گیا۔ چنانچہ "نصیبین" کے رہنے والے نو جنوں کا گذر مقام نخلہ سے ہو رہا تھا۔ دفعتاً ان کے کانوں میں قرآن کریم کی آواز آنے لگی تو رُک گئے اور چاروں طرف دیکھا۔ ان کی نظریں نبی کریم ؐ اور آپ کے صحابہ پر پڑیں جو نماز فجر ادا کر رہے تھے۔

اس وفد نے جب قرآن کریم سنا تو یقین کر لیا کہ یہی وہ کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل ہوا ہے اور اسی وقت جنوں کی یہ جماعت قرآن کی خالص عربیت، بے نظیر فصاحت و بلاغت، مضامین کی ندرت، انداز تفہیم و تشریح اور رشد و ہدایت کے دلپذیر انداز بیان سے متاثر ہوئی اور اپنے دامن کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے محفوظ رکھنے کا عہد صمیم کر لیا، اور

مشرف باسلام ہوئے اور اس واقعہ کے بعد اپنی قوم میں پہنچے اور یہ اعلان کیا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فآمنا بہ ولن نشرك بربنا احدا۔ ہم نے ایک عجیب قرآن سُنا جو بھلائی کی راہ بتاتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور ہرگز ہم کسی کو اپنے رب کا شریک نہ کریں گے۔

قرآن کریم کی بعض آیات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جنوں میں اہل کفر بھی ہیں اور یہی گمراہ طبقہ انسان کو ضلالت کی طرف لے جانے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس کے لئے وہ انسان کے دل میں وسواس اور خطرات پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور گمراہیوں کو خوشنما بنا کر پیش کرتا ہے اور انسان کو طرح طرح کی خواہشات میں الجھانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ ذیل کی آیتوں میں اس حقیقت کو اُجاگر کیا گیا ہے۔

وقال لأتخذن من عبادك نصيبا مفروضا ولاضلنھم ولامنینھم ولآمرنھم فلیبتکن آذان الانعام ولآمرنھم فلیغیرن خلق اللہ ومن یتخذ الشیطان ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا یعدھم ویمنیھم وما یعدھم الشیطان الا غرورا (النساء)

بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا۔ قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دلاؤں گا اور ضرور انہیں کہونگا کہ وہ چوپایوں کے کان چیریں گے اور ضرور انہیں

کہونگا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنائے، وہ صریح ٹوٹے میں پڑا۔ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے۔

سورۂ اعراف کے اندر کہا گیا ہے کہ تخلیق آدم کے وقت ہی ابلیس اس بات کا قصد کر چکا ہے کہ وہ انسان کو قبائح وشہوات اور معاصیات کی جانب لے جانے کے لئے اپنی ہر ممکن کوشش کو بروئے کار لائے گا۔ قال فبما اغویتنی لاقعدن لهم صراطك المستقيم۔ ثم لأتينهم من بين ايديهم ومن خلفهم وعن ايمانهم و عن شمائلهم ولا تجد اكثرهم شكرين۔

"پھر ضرور میں ان کے پاس آؤنگا ان کے آگے پیچھے داہنے اور بائیں سے۔ اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا۔"

سورۂ الحجر میں ہے قال رب بما اغويتنى لازينن لهم فى الارض ولاغوينهم اجمعين بولا اے رب میرے قسم اس کی کہ تونے مجھے گمراہ کیا میں انہیں زمین میں بھلاوے دوں گا اور ضرور میں ان سب کو بے راہ کروں گا —— سورۂ بنی اسرائیل میں ہے لاحتنكن ذريته ضرور میں اس کی (آدم) اولاد کو پیس ڈالوں گا مگر تھوڑا۔

مذکورہ آیات میں شیاطین جن کا انسان کو گمراہی و ضلالت کی طرف لے جانے کا بیان اور ان کے طریقۂ کار کی صورت اور ان کی قوت وطاقت کی نوعیت کو پیش کیا گیا ہے، اس کے مطالعہ سے کوئی شخص یہ خیال نہ کر بیٹھے کہ ان کے مقابلہ میں ہماری طاقت کم ہے اور ہم ان کے حربوں سے بچ نہیں سکتے۔ اس قسم کی سوچ بے کار سی بات ہوگی کیونکہ شیطان اور اس کی ذریات انسان کے دل میں صرف وسواس پیدا کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی شخص پہ وہ حاوی ہو کر زبردستی کوئی کام نہیں کرا سکتے۔ جیسا کہ سورۂ ابراہیم کے اندر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے وقال الشيطان لما قضى الامر ان الله وعدكم وعد الحق ووعدتكم فاخلفتكم وما كان لى عليكم من سلطان الا ان دعوتكم فاستجبتم لى فلا تلوموني ولوموا انفسكم ما انا بمصرخكم وما انتم بمصرخى

اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا بے شک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا تم پہ کچھ قابو نہ تھا۔ مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا، تم نے میری بات مان لی۔ اب مجھ پر الزام نہ رکھو، خود اپنے اوپر الزام رکھو۔ نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو۔"

(ترجمہ اعلیحضرت)

اس کے علاوہ شیطان اور اس کی ذریات کے احتیال اور مکروفریب کا اثر ان لوگوں پہ ہرگز نہیں ہو سکتا جن کے قلوب میں ایمان وایقان کی شمع فروزاں رہے گی۔ البتہ وہ لوگ ضرور اس کے دام فریب میں

پھنس جائیں گے، جن کے دلوں میں کفر و شرک کی گند گی جمع رہے گی جیسا کہ سورہ النحل کے اندر اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے انه لیس له سلطان علی الذین امنوا وعلی ربهم یتوکلون انما سلطانه علی الذین یتولونه والذین هم به مشرکون ۔

"بے شک اس کا قابو ان پر نہیں جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اس کا قابو تو انہیں پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور اسے شریک ٹھہراتے ہیں۔

اور سورہ بنی اسرائیل کے اندر بھی یہی بات دہرائی گئی ہے ان عبادی لیس لك علیهم سلطان ۔

بے شک جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں ۔

قرآن کریم کے بیانات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق جن کو بعض مخصوص قوتیں عطا فرمائی ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ آسمانوں کی طرف جا سکتے ہیں۔ چنانچہ حضور اکرم کی بعثت کے بعد آسمانوں کی طرف ان کی آمد و رفت روک دی گئی جیسا کہ سورۃ الملک میں ہے۔ رجوما للشیطین ۔

اور مخلوق جن میں یہ قوت بھی ہے کہ دور دراز کا سفر لمحوں میں طے کر لے سکتے ہیں اور بڑی سے بڑی مادی چیز کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر منتقل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ سورہ النمل میں ایک جن "عفریت" کا ذکر موجود ہے۔ جس نے پل جھپکنے کے اندر طویل مسافت طے کر لی اور وسیع و عریض تخت بلقیس کو آن واحد میں حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضر کر دیا قال عفریت من الجن انا اتیك به قبل ان تقوم من مقامك وانی علیه لقوی امین۔ اور جن کے اندر یہ قوت اور طاقت بھی موجود ہے کہ وہ انسانوں اور دیگر حیوانوں کی شکل و صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے شیاطین جن انسانوں کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور آدمیوں کے ساتھ مساجد میں نماز اور قرآن پڑھیں گے اور دین کے معاملہ میں ان کے ساتھ بحث و مباحثہ اور جدال کریں گے۔ اخرج الطبرانی عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوشك ان یظهر شیاطین کان سلیمان داؤد اوثقها فی البحر یصلون معکم فی مساجدکم ویقرؤن معکم القرآن ویجادلونکم فی الدین وهم الشیطین فی صورۃ الانسان ۔

تفسیر مواہب الرحمان میں آیت الکرسی کی تفسیر کے تحت حضرت ابی بن کعب کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے مطالعہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ جن حیوانوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت ابی بن کعب فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر کی بالائی منزل پر ایک حجرہ تھا جس میں کھجور رکھے جاتے تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کم ہو رہے ہیں تو ایک رات نگہبانی کے ارادہ سے اوپر چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک جانور آیا ہے جو ایک بچہ کے مانند دکھائی دے رہا ہے۔ میں نے سلام کیا تو اس نے وعلیکم

السلام کہا۔ میں نے پوچھا کیا تم انسان ہو یا جن؟ جواب دیا، میں جن ہوں۔ میں نے اسے اپنا ہاتھ دراز کرنے کے لئے کہا۔ اس نے ہاتھ دیا۔ دیکھا تو کتے کے ہاتھ کے مانند ہے اور اس پر رُوئیں بھری ہوئی ہیں۔ میں نے پوچھا کیا جن ایسے ہی ہوتے ہیں یا صرف تم ہی ایسے ہو؟ اس نے کہا جن جانتے ہیں کہ اُن میں مجھ سے زیادہ زبردست کوئی نہیں ہے۔

اس کے بعد میں نے دریافت کیا کہ کس چیز نے تمہیں کھجور لے جانے پر آمادہ کیا تو اس نے جواب دیا مجھے معلوم ہوا کہ تم صدقہ دینا بے حد پسند کرتے ہو، تو میں نے چاہا کہ تمہارے کھجور لے جاؤں۔

حضرت ابی بن کعب نے اس سے پوچھا تم لوگوں سے محفوظ رہنے کے لئے ہمیں کونسی چیز مفید ہو گی؟ اس نے کہا آیۃ الکرسی۔ صبح کے بعد میں حضور اکرمؐ کی خدمت میں پہنچا اور رات کا واقعہ بیان کیا تو نبی اکرمؐ نے فرمایا۔ خبیث نے یہ بات سچ کہی۔

وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ ایام حج کے موقعہ پر وہ اور ان کے چند ساتھی مسجد خیف میں حضرت حسن بصری کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھے اچانک ایک پرندہ ان کے قریب میں آبیٹھا اور سلام کیا۔ وہب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا کہ کون ہو؟ پرندہ نے جواب دیا میں ایک مسلمان جن ہوں۔ اس پر وہب نے آنے کی غرض پوچھی تو عرض کیا اوتنکرلنا ان نجالسکم ونحمل عنکم العلم ان لکم فینا رواۃ کثیرۃ وانا نحاضرکم فی اشیاء کثیرۃ من صلاۃ وعیادۃ مریض وجہاد وشہادت جنازہ وحج وعمرہ وغیر ذلك، ونحمل عنکم العلم ونسمع منکم القرآن۔ کیا آپ ہمیں اپنی مجلسوں میں شرکت سے منع کرتے ہیں؟ حالانکہ ہم آپ لوگوں سے علم حاصل کرتے ہیں۔ بے شک ہمارے میں تمہارے راوی بہت ہیں اور ہم تمہارے بہت سے امور ومعاملات، نماز مریض کی عیادت، جہاد، نماز جنازہ، حج، عمرہ وغیرہ میں حاضر رہتے ہیں اور آپ لوگوں سے علم سیکھتے ہیں اور قرآن کریم سنتے ہیں۔

اس کے بعد پھر وہب نے جن سے پوچھا تمہارے طبقہ میں کون راوی افضل ہے؟ قال رواۃ ھذا الشیخ واشار الی الحسن حضرت حسن بصری کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس شیخ کی روایات معتبر سمجھی جاتی ہیں۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا یہ واقعہ نہایت مشہور ہے کہ آپ درس حدیث دے رہے تھے ایک سانپ نکل آیا تو آپ نے مارنے کا حکم دیا۔ اس واقعہ کے بعد ایک شخص آپ کے مکان پہنچا اور عرض کیا کہ ہمارے گھر ایک تقریب ہے۔ آپ تشریف لائیے۔ چنانچہ شاہ صاحب ساتھ ہو گئے۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچ گئے تو آپ نے دیکھا کہ ایک عظیم الشان محل ہے جو مخلوق جن سے بھرا ہوا ہے اور ان کا بادشاہ تخت پر افروز ہے۔ اس نے آپ کی طرف

مخاطب ہو کر سوال کیا کہ اگر کوئی کسی کو ہلاک کر دے، تو اس میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ شاہ صاحب نے جواب دیا قصاص میں قتل کیا جائے۔ بادشاہ نے کہا، آپ کے فتوٰی کے مطابق آپ ہی سے قصاص لینا ہے کیونکہ آپ نے ہمارے شہزادے کو قتل کیا ہے جو آپ کے پاس درس حدیث سننے کے لئے پہنچا تھا۔ شاہ صاحب نے جواب دیا میں نے حدیث پر عمل کیا ہے کہ موذی جانور کو ختم کیا جائے۔ بادشاہ اس جواب پر معلّم جنات کی جانب رجوع ہوا تو انہوں نے بھی شاہ صاحب کی تائید فرمائی۔ اس کے بعد شاہ صاحب کو بغیر کسی ایذاء و تکلیف کے بھیج دیا گیا۔

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق جن کو یہ قوت بھی حاصل ہے کہ وہ انسانوں کو دیکھ سکتے ہیں لیکن انسان انہیں نہیں دیکھ سکتے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں کہا گیا ہے انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔

لیکن یہ تمام مذکور الصدر باتیں جو جنوں کو حاصل ہیں یہ کوئی عظمت و رفعت کی علامت نہیں کیونکہ ان کے مقابلہ میں انسانوں کو جو غیر معمولی قوتیں اور عظیم ترین نعمتیں دی گئی ہیں ان کا عشر عشیر بھی جنوں کو میسر نہیں۔

قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے کافر و مشرک جنوں سے واقف تھے اور غالباً ان کی پُراسرار صفات اور دہشت خیز فرضی و عوامی روایتوں سے متاثر ہو کر بعض نادان انسانوں نے جنوں کو خدا کا شریک و ساجھی تصور کر لیا۔ چنانچہ اسی شرک کا نتیجہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں جن کی عبادت و پرستش بھی ہونے لگی جیسا کہ سورۂ سبا میں کہا گیا ہے قالوا سبحٰنک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن اکثرھم بھم مؤمنون۔

"وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھکو تو ہمارا دوست ہے نہ وہ، بلکہ وہ جنوں کو پوجتے تھے ان میں اکثر انہیں پر یقین لائے تھے۔

جنوں سے متعلق موہوم فرضی عقائد کا ثمرہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ جب وہ کسی جنگل و بیابان میں اقامت پذیر ہو جائیں تو وہاں کے مقیم جنوں کی پناہ لیں تو ہی ان کے ضرر اور شر سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ تفسیر مظہری میں رافع بن عمیر کی زبانی یہ واقعہ منقول ہے، میں ایک رات ریگستان میں سفر کر رہا تھا، جب مجھے نیند کا غلبہ ہوا تو اپنی اونٹنی سے اترا اور سو گیا اور سونے سے پہلے اپنی قوم کی عادت کے مطابق یہ الفاظ کہا انی اعوذ بعظیم ھذا الوادی من الجن میں اس وادی کے جنوں کے سردار کی پناہ لیتا ہوں۔ میں نے خواب دیکھا کہ ایک نوجوان شخص ہتھیار لئے ہوئے میری اونٹنی پر حملہ کرنا چاہتا ہے میں گھبرا کر نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا اونٹنی کے قریب کوئی نہیں ہے اس چیز کو شیطانی خیال پر محمول کرتے ہوئے سو گیا، پھر وہی منظر خواب میں دکھائی دیا۔ خوفزدہ ہو

کر اونٹنی کی طرف دیکھا کوئی چیز نہیں ہے۔ اپنی جگہ سو گیا تو پھر وہی خواب دیکھا۔ خوف و دہشت کے عالم میں بیدار ہو کر دیکھا تو میری اونٹنی تڑپ رہی ہے، قریب وہی نوجوان ہے جو مجھے خواب میں دکھائی دیا تھا وہ نوجوان میری اونٹنی پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے، لیکن ایک بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ رکھا ہے جو اونٹنی پر حملہ کرنے سے روک رہا ہے۔

اس عرصہ میں تین گورخر سامنے آ گئے تو بوڑھے نے اس نوجوان سے کہا ان تینوں میں سے جس کو چاہے لے لے اور اس کی اونٹنی کو چھوڑ دے۔ وہ نوجوان ایک گورخر لے کر چلا گیا۔ بوڑھے نے میری طرف متوجہ کی اور کہا اے نادان جب تو کسی جنگل میں ٹھہرے، تو وہاں کے جنات اور شیاطین کے خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے یہ کہا کر اعوذ باللہ رب محمدؐ من ھول ھٰذا الوادی میں اس جنگل کے خوف اور شر سے محفوظ رہنے کے رب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی پناہ لیتا ہوں۔ میں نے بوڑھے سے پوچھا محمدؐ کون ہیں۔ اس نے بتلایا کہ وہ نبیؐ ہیں اور یثرب میں اقامت پذیر ہیں۔

اس واقعہ کے بعد میں مدینہ منورہ پہنچا، اور حضورؐ اکرم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قبل اس کے میں کچھ عرض کروں خود آپ ہی نے سارا واقعہ بیان فرمایا، اس کے بعد حضور اکرمؐ نے مجھے اسلام کی دعوت دی،

تو میں اس نعمت سے مشرف ہوا۔ (تفسیر معارف القرآن)

قرآن کریم کی تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جنوں کی ہدایت کے لئے ان کی طرف بھی رسولوں کو مبعوث کیا جاتا رہا جیسا کہ سورۃ انعام میں ہے:-

یٰمعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم یقصون علیکم اٰیتی وینذرونکم لقاء یومکم ھذا قالوا شھدنا علی انفسنا وغرتھم الحیوۃ الدنیا وشھدوا علیٰ انفسھم انھم کانوا کفرین۔ اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ، کیا تمہارے پاس تم میں کے رسول نہ آئے تھے جو تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن (قیامت) دیکھنے سے ڈراتے، کہیں گے ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے۔

لیکن کہیں بھی یہ وضاحت نہیں ملتی کہ ان کی جانب جو رسول مبعوث ہوتے رہے ان ہی کی قوم سے تھے۔ اس عدم صراحت کی بنا پر اگر یہ نتیجہ اخذ کیا جائے تو حقیقت سے بعید نہ ہوگا کہ قوم جن کے کسی فرد کو رسالت و نبوت عطا نہیں کی گئی، بلکہ جس زمانہ میں انسانوں کے اندر جو رسول مبعوث ہوئے ان ہی کی طاعت قوم جن پر بھی لازم کر دی گئی۔

سورۂ احقاف سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں

کی جس جماعت نے حضورؐ اکرم کی زبان مبارک سے کلام اللہ کو سنا تھا وہ یہودی تھے۔ قالوا یا قومنا انا سمعنا کتٰبا انزل من بعد موسیٰ مصدقا لما بین یدیہ یھدی الی الحق والی طریق مستقیم۔

بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے۔ وہ اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور حق وسیدھی راہ دکھاتی" — اسی واقعہ سے جنوں کی عمر کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے کہ وہ بڑی عمر پاتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن جوزی نے "کتاب الصفوۃ" میں ایک واقعہ نقل کیا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک مقام پر بوڑھے جن کو دیکھا جو بیت اللہ کی طرف نماز ادا کر رہا ہے، اور اون کا جبہ پہنے ہوئے ہے جس کی بڑی رونق معلوم ہوتی تھی۔ حضرت سہل فرماتے ہیں' نماز سے فارغ ہونے کے بعد میں نے انہیں سلام کیا' انہوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا تم اس جبہ کی رونق پہ تعجب کر رہے ہو۔ یہ جبہ میرے بدن پر چھ سو سال سے ہے۔ یہی جبہ پہنے ہوئے میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی اور یہی ملبوس ہو کر محمد مصطفےٰ کی زیارت سے مشرف ہوا اور میں ان جنوں میں سے ہوں جن کے بارے میں سورۃ الجن نازل ہوئی۔

قرآن کریم کی روشنی میں یہ بات بھی سمجھی جا سکتی ہے کہ جنوں کو علم غیب یا آنے والے واقعات کا علم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے بیت المقدس کی تعمیر جنوں کے حوالہ کردی

اور محراب میں اپنی عادت کے مطابق عصا پہ تکیہ لگا کر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے حضرت سلیمان کی عادت تھی، کہ آپ مسلسل ایک ایک دو دو ماہ تک عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ جنات مسجد اقصیٰ کی تعمیر میں مشغول رہے حتیٰ کہ آپ کی وفات ہو گئی اور کئی مہینوں کے بعد لاٹھی دیمک کی وجہ سے ختم ہو گئی تو آپ کا جسم جو عصا کے سہارے کھڑا تھا زمین پر آیا' اس وقت جنات کو آپ کی وفات کا علم ہوا۔ چنانچہ سورۂ سبا کے اندر یہ ساری تفصیل پیش کی گئی ہے۔

فلما قضینا علیہ الموت ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض تاکل منساتہ فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المھین۔ مذکورہ واقعہ سے یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ انسان اپنی غیر معمولی ایمانی قوت کے ذریعہ مخلوق جن کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے لیکن جن باوجود قوی طاقت کے انسان کو اپنے قبضہ میں نہیں رکھ سکتا۔

جن حدیث کی روشنی میں

احادیث نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ مختلف پہلوؤں سے جنوں کا تذکرہ موجود ہے جس کی روشنی میں کئی ایک باتیں سامنے آسکتی ہیں۔ بخاری اور مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرمؐ نے متعدد مرتبہ جنوں سے ملاقات کی اور ان تک بھی دعوت اسلام پہنچایا۔ چنانچہ لیلۃ الجن کا واقعہ باختلاف روایت سات مرتبہ پیش آیا۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی

روایت ہے کہ مکہ مکرمہ میں حضور اکرمؐ نے صحابۂ کرام سے پوچھا تم میں سے کون چاہتا ہے کہ قوم جن کے پاس چلیں میرے علاوہ کوئی تیار نظر نہیں آیا۔ چنانچہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ ہو گیا۔ یہاں تک کہ ہم مکہ مکرمہ کے باہر پہنچ گئے۔ حضور اکرمؐ نے اپنے قدم مبارک سے میرے لئے ایک لکیر کھینچی اور حکم دیا کہ میں اس میں بیٹھا رہوں۔ پھر آپ کچھ آگے تشریف لے گئے اور کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت شروع فرمائی اس کے بعد جنوں کا کثیر ہجوم آگیا اور وہ لوگ میرے اور حضور اکرمؐ کے درمیان میں حائل ہو گئے۔ جس کے بعد کوئی آواز سنائی نہ دے سکی۔

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لاصحابه وهو بمكة من احب منكم ان يحضر امر الجن فليفعل فلم يحضر منهم احد غيري فانطلقنا حتى اذا كنا باعلى مكة۔ خط لي برجله خطا ثم امرني ان اجلس فيه ثم انطلق حتى قام فافتتح القرآن فغشيه اسودة كثيرة حالت بيني وبينه حتى ما اسمع صوته۔

حضرت علقمہ سے مروی ہے سألت ابن مسعودؓ هل كان مع النبي صلى الله عليه وسلم ليلة الجن احد فقال لم يصحبه منا احد ولكن فقدناه ذات ليلة فقلنا استطير او اغتيل فتفرقنا في الشعاب والاودية نلتمسه وبتنا بشر ليلة بات بها قوم فقول استطير او اغتيل فقال انه اتاني داعي الجن فذهبت اقرء عليهم القرآن فارانا آثارهم

میں نے ابن مسعودؓ سے پوچھا لیلۃ الجن (جنوں سے ملاقات) کے موقعہ پر حضورؐ اکرم کے ساتھ کون تھے؟ آپ نے جواب دیا میرے سوا کوئی نہ تھا۔ ایک رات حضور اکرمؐ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ ہم گمان کرنے لگے کہ کوئی حضورؐ کو اچانک لے گیا ہے۔ یہ شب ساری قوم پر تکلیف و پریشانی کا باعث بنی اور ہم لوگ حضورؐ اکرم کو تلاش کرنے کے لئے پہاڑ کے دامن اور وادی میں پھیل گئے۔ اس کے بعد حضورؐ نظر آئے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس جنوں کا سردار آیا۔ میں ان لوگوں کو قرآن پڑھانے کے لئے چلا گیا تھا۔

اس واقعہ کے متعلق حضورؐ اکرم نے کچھ آثار و علامات کی نشان دہی فرمائی۔

علامہ عینی کی تحقیق ہے کہ وفودِ جن بارگاہ رسالت میں چھ بار حاضر ہوئے تھے الاولی قیل فیها اغتیل او استطیر والثانی کانت بالحجون والثالثة كانت باعلى مكة وانصاع في الجبال والرابعة كانت ببقيع الغرقد وفي هؤلاء الليالي الثلث حضر ابن مسعود وخط خطا والخامسة كانت خارج المدينة وحضرها الزبير ابن العوام والسادسة كانت في بعض اسفاره وحضرها هلال بن الحارث۔

ایک مرتبہ تو یہ ہے جب کہ حضور اکرمؐ صحابہ کی نظروں سے اوجھل رہے اور دوسری بار موضع حجون میں اور تیسری بار مکہ مکرمہ کی اونچائی پر پہاڑ کے دامن میں اور چوتھی بار

مقام "بقیع غرقد" میں وفودِ جن حاضر ہوئے تھے۔ مذکورہ مواقع میں سے تین جگہوں پر ابن مسعود حاضر رہے جن کے لئے حضور اکرمؐ نے لکیر کھینچ دی تھی اور پانچویں بار مدینہ منورہ کے باہر جس میں زبیر بن عوام تھے اور چھٹی بار بعض سفروں میں وفودِ جن حاضر ہوئے اور ان مواقع میں ہلال بن حارث موجود تھے۔

جن فقہی مسائل کی روشنی میں

درمختار میں ہے' قیام جماعت کے لئے دو افراد ہونا لازمی ہے۔ جن میں سے ایک فرد امام ہوگا اور دوسرا مقتدی۔ اس مسئلہ سے دو صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ ان دو افراد میں سے ایک فرد جن ہے اور دوسرا فرد انسان ہے۔ اگر کسی شخص نے جن کی اقتداء میں فرض نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی کیونکہ جن بھی مکلف ہے۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ ان دو افراد میں سے ایک فرد فرشتہ ہے اور دوسرا انسان ہے۔ اگر کسی شخص نے فرشتہ کی اقتداء میں فرض نماز پڑھ لی تو اس کی نماز درست نہیں ہوگی کیونکہ فرشتہ غیر مکلف ہے اور ایک مفترض (فرض ادا کرنے والا) کی نماز متنفل (نماز نفل ادا کرنے والا) کے پیچھے صحیح نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو البقاء حنبلی سے پوچھا گیا کہ کیا کسی جن کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے تو وہ درست ہو سکتی ہے؟ حضرت موصوف نے جواب دیا نعم لانھم مکلفون والنبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسل الیھم ہاں! کیونکہ جن بھی تو مکلف ہیں اور حضور اکرمؐ ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

علامہ تقی الدین سبکی شافعی اپنے "فتاوی" میں لکھتے ہیں ان قلت ھل تقولون انھم مکلفون بالشریعة فی اصل الایمان ام فی کل شیئ۔ قلت، بل فی کل شیئ لانہ اذا ثبت ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مرسل الیھم کما ھو مرسل الی الانس والشریعة عامة لزمھم جمیع التکالیف التی توجد اسبابھا فیھم الا ان تقوم دلیل علی تخصیص بعضھا' فنقول یجب علیھم الصلاة والزکاة ان ملکوا نصابھا بشرطہ فی الشریعة بخلاف الملئکة۔

اگر یہ پوچھا جائے کہ جن شریعت کی تمام باتوں میں پابند ہیں یا صرف اصل ایمان میں مکلف ہیں؟ تو میں یہی کہوں گا کہ وہ شریعت کے تمام امور و معاملات میں پابند ہیں اس لئے کہ حضور اکرمؐ ان کی طرف بھی رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں' جیسا کہ انسانوں کی جانب رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ شریعت عام ہے اور وہ ان تمام تکالیف و پابندیوں کو لازم کر دیتی ہے جن کے اسباب پائے جاتے ہوں الا یہ کہ کسی دلیل سے بعض کی تخصیص کی گئی ہو۔ اس لحاظ سے یہی کہا جائے گا کہ ان پر نماز واجب ہے' اور زکوٰۃ بھی واجب ہے۔ اگر وہ نصاب کے مالک ہوں۔

حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ حضورؐ

اکرم نے ارشاد فرمایا رات کے وقت کوئی شخص نماز پڑھے تو اسے چاہیئے کہ بلند آواز سے قرأت کرے کیونکہ اس آواز کی وجہ سے فرشتے نماز ادا کرتے ہیں اور وہ مسلمان جن جو پڑھنے والے کے گھر میں ہوں اور وہ جن جو قاری کے مکان کے اطراف گھروں میں مقیم ہیں سب کے سب نماز پڑھنے لگتے ہیں۔ اور اس بلند آواز سے قرأت کرنے کی وجہ سے پڑھنے والے کے گھر میں جو سرکش جن ہیں وہ اور اطراف واکناف کے گھروں میں رہنے والے فاسق وفاجر جن سب بھاگ جاتے ہیں۔

عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صلی منکم باللیل فلیجھر بقرأته فان الملٰئکة تصلی بصلاته وان مومنی الجن الذین یکونون فی الھوی وجیرانه معه فی مسکنه یصلون بصلاته ویستمعون بقرأته وانه لیطرد بقرأته عن داره وعن الدور التی حوله فساق الجن ومردة الشیاطین۔

حضرت یزید رقاشی سے روایت ہے کہ صفوان بن محرز المازنی، نماز تہجد کے لئے کھڑے ہوجاتے تو ان کے گھر میں مقیم جن بھی نماز میں شامل ہوجاتے تھے۔ صفوان سے پوچھا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہوجاتا تو مجھے آواز آتی۔ ایک مرتبہ میں گھبرا گیا۔ اس پر کسی نے کہا اے اللہ کے بندے خوف نہ کر ہم تیرے بھائی ہیں تیرے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔

شریعت مطہرہ نے ہڈی اور گوبر پر پیشاب اور پاخانہ کرنے سے منع کیا اور ان سے استنجا بھی ممنوع قرار دیا گیا چنانچہ حضور اکرمؐ کی حدیث ہے لا تستنجوا بالروث ولا بالعظام فانه زاد اخوانکم ہڈی اور گوبر سے استنجا نہ کرو، کیونکہ وہ چیزیں تمہارے بھائیوں (جن) کی غذا ہے۔

اس سلسلہ میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی ایک حدیث مروی ہے قلت ما بال العظم والروثة فقال ھما من طعام الجن وانه اتانی وفد جن نصیبین ونعم الجن۔ سألونی الزاد فدعوت لھم ان لا یمرّوا بالعظم ولا الروثة الا وجدوا علیھا طعاما۔

میں نے حضور اکرمؐ سے ہڈی اور گوبر سے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا، وہ دونوں چیزیں جنوں کی غذا ہے۔ میرے پاس نصیبین کے جنوں کی جماعت ظاہر ہوئی۔ وہ بہت نیک جن ہیں۔ انہوں نے مجھ سے غذا سے متعلق سوال کیا۔ میں نے ان کے لئے دعا فرمائی کہ انہیں ہڈی اور گوبر سے غذا حاصل ہوتی رہے۔

حضرت ابن مسعود نے صراحت فرمائی ہے کہ اللہ کی قدرت سے جنوں کے لئے رزق یوں مہیا کیا جاتا ہے کہ ہڈی پہ گوشت جمع ہوجاتا ہے اور گوبر اپنی اصلی شکل (دانہ) کی جانب منتقل ہوجاتا ہے۔

حمام اور غسل خانہ میں بھی پیشاب اور پاخانہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ وہاں فساق وفجار جن

بسیرا کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اسی لئے حضور اکرمؐ نے پیشاب خانہ پائخانہ اور غسل خانہ میں جانے سے قبل دعا کی تلقین فرمائی۔ اللّٰھم انی اعوذ بك من الخبث والخبائث حضرت سعد بن عبادہ کی موت سے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ جنوں نے آپ کو غسل خانہ میں شہید کر دیا۔ لوگوں کو اس واقعہ کی خبر اسوقت ہوئی جبکہ یہ بات کانوں میں پہنچی اور اس کا کہنے والا نظر نہیں آیا۔

نحن قتلنا سید الخزرج سعد بن عبادہ
فرمیناہم سہمیہم۔

رجن سانپوں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ اسی لئے تین مرتبہ انہیں نکل جانے کی اجازت دی جائے چنانچہ اس مسئلہ کی صحت بھی ذیل کی حدیث سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

ہشام بن زہرہ کے آزاد کردہ غلام ابو السائب کا کہنا ہے کہ میں حضرت ابو سعید خدری کے مکان گیا وہ نماز میں مشغول تھے، اچانک میری نظریں کھجور کے ایک خوشہ پر پڑیں جس میں حرکت ہو رہی تھی میں اس کے قریب گیا اور دیکھا تو ایک سانپ موجود ہے میں اس کو مارنے کے لئے آگے بڑھا تو حضرت ابو سعید خدری نے اشارہ سے منع کیا۔ جسکی وجہ سے میں رک گیا۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے اور اپنے گھر میں ایک کمرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کمرہ میں ہمارے خاندان کا ایک نوجوان رہتا تھا جسکی نئی نئی شادی ہوئی تھی اور ہم لوگ حضور اکرمؐ کے ساتھ غزوۂ خندق کے لئے چلے گئے تھے۔ یہ نوجوان بھی خندق کی کھدائی میں ہمارے ساتھ شریک تھا۔ دوپہر کے وقت حضور اکرمؐ سے تھوڑی دیر کی اجازت لے کر گھر جایا کرتا تھا۔ ایک روز حسب عادت اس نے حضور اکرمؐ سے اجازت چاہی تو آنحضرتؐ اجازت دیتے ہوئے فرمانے لگے کہ اپنے ساتھ حفاظت کے لئے ایک نیزہ رکھ لو مجھے خوف ہے کہیں بنو قریظہ کے لوگ تم پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ وہ نوجوان ہتھیار لئے ہوئے روانہ ہوا۔ جب وہ گھر پہنچا تو دیکھا کہ اسکی دولہن دروازہ کے درمیان کھڑی ہے۔ جوں ہی نوجوان کی نظریں اپنی بیوی پر پڑیں تو وہ غضبناک ہوگیا اور ہاتھ میں نیزہ اٹھا لیا۔ عورت شوہر کے تیور پہچان گئی اور کہنے لگی نیزہ اپنے پاس رکھ لو اور گھر میں اندر جا کر دیکھ لو، تاکہ تمہیں میرے باہر کھڑے رہنے کا سبب معلوم ہو جائے۔ چنانچہ وہ اندر داخل ہوا تو دیکھا ایک سانپ بستر پر دائرہ کئے بیٹھا ہے نوجوان فوراً حملہ آور ہوا اور نیزہ میں دھنسا کر صحن میں لایا اور نیزہ زمین پر گاڑ دیا۔ سانپ تڑپتے ہوئے نوجوان پر حملہ کر دیا جسکے بعد پتہ نہیں چلا کہ سانپ پہلے مرا یا نوجوان پہلے ختم ہوگیا۔

حضور اکرمؐ نے ہم سے ارشاد فرمایا مدینہ منورہ کے اندر کچھ جن رہتے ہیں جو اسلام قبول کر چکے ہیں، جب تم میں سے کوئی شخص ان کو دیکھے (سانپ کی شکل میں) تو تین مرتبہ نکل جانے کے لئے کہدو اور اگر اسکے بعد بھی دکھائی دے تو مار دیا کرو۔

مزید تفصیلات کے لئے: ۱؎ لقط المرجان فی اخبار الجان۔ جلال الدین سیوطی
۲؎ آکام المرجان فی احکام الجان = قاضی بدر الدین محمد بن عبداللہ شبلی
۳؎ کتاب الفروع ..... = ابن مفلح حنبلی
۴؎ الجن کالانس فی التکلیف والعبادات = ابو حامد
۵؎ تدوین الفلک فی حصول الجماعۃ بالجن والملک = ابو الحسنات محمد عبدالحی لکھنوی